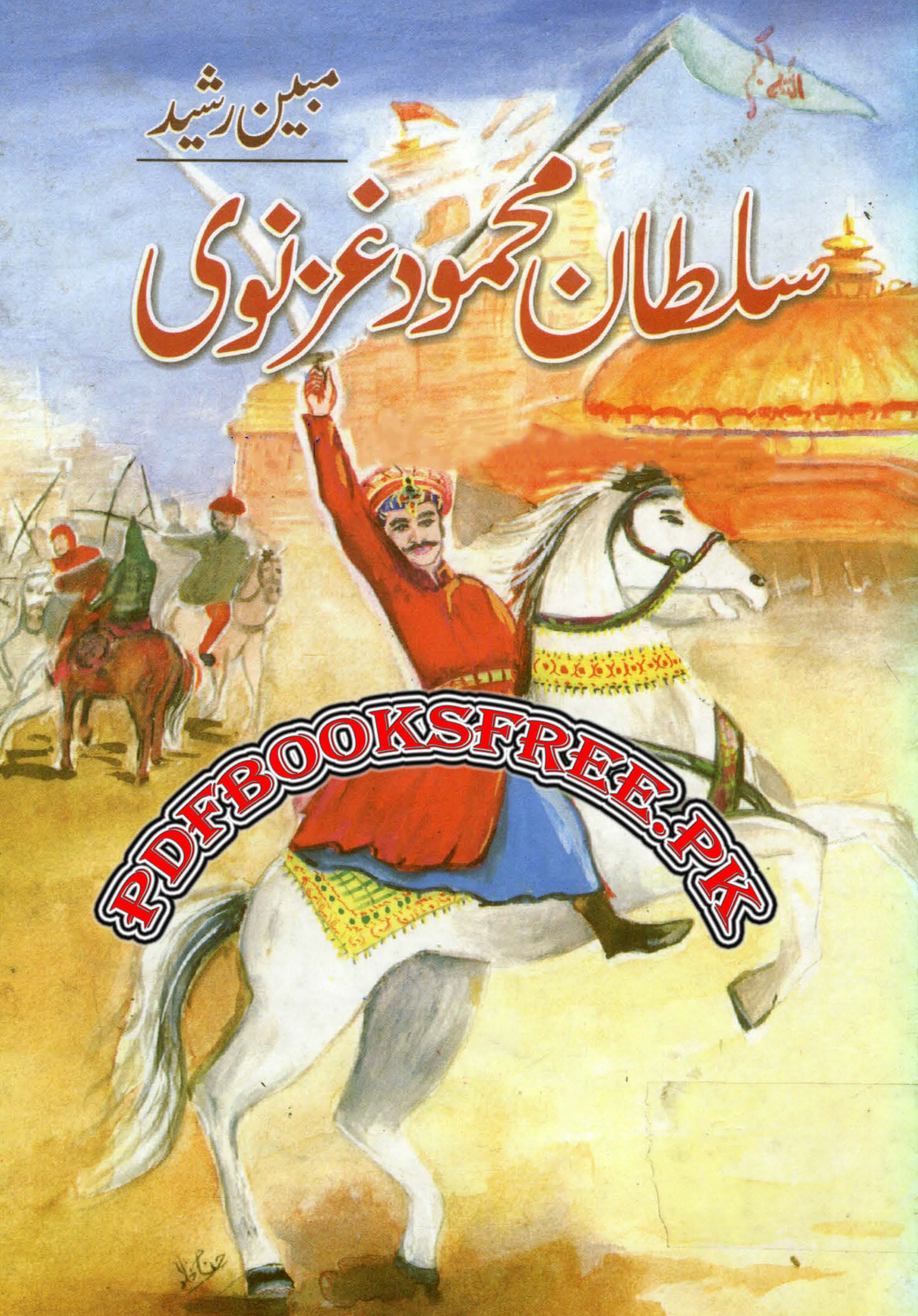
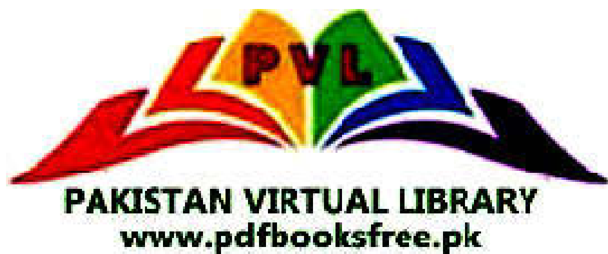
مبین رشید

سلطان محمود غزنوی







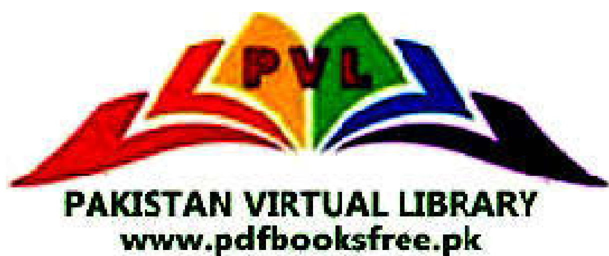
سلطان محمود غزنوی

☆......ملنے کے پتے......☆

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی
رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار، کراچی
علی سٹیشنرز، حیدری چوک، لالہ موسیٰ
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی
گڈ بکس شاپ صدر بازار، راولپنڈی
بختیار سنز قصہ خوانی بازار، پشاور
بک لش بکڈپو اردو بازار، سیالکوٹ
ماڈرن بکڈپو سیالکوٹ کینٹ
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
بلال بکڈپو، گجرات
کتاب مرکز امین پور بازار، فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام امین پور بازار، فیصل آباد
شریف سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ
دارالکتاب کالج روڈ، لیہ
الیاس کتاب محل کچہری بازار، جڑانوالہ
ڈار برادرز تحصیل بازار، جہلم
جالندھر بکڈپو، ڈسکہ
یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤالدین
شائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
میاں ندیم مین بازار، جہلم
اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
کارواں بک سنٹر، بہاولپور
گلیکسی بکس، خان آرکیڈ، کچہری روڈ، سرگودھا
النور بک کارنر محمدی پلازہ، میرپور آزاد کشمیر

مکتبہ قاطل اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فہیم بکڈپو، راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور
کتاب گھر کمیٹی چوک، راولپنڈی
فضلی سنز اردو بازار، کراچی
ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
سعید بک بنک اسلام آباد
کیپٹل بکڈپو، اردو بازار، راولپنڈی
سعید بک بنک، پشاور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، پشاور
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ، سیالکوٹ
بک سنٹر اردو بازار، سیالکوٹ
پنجاب بکڈپو سرکلر روڈ، گجرات
سلطان بک پیلس، گجرات
فائن بکس امین پور بازار، فیصل آباد
نیو مکتبہ دانش امین پور بازار، فیصل آباد
مقبول بک ایجنسی چوک پاک گیٹ، ملتان
الکریم نیوز ایجنسی، اوکاڑہ
چوہدری بکڈپو مین بازار، دینہ
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر
شکیل بکڈپو، سمندری
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
نیو وہاڑی کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
ہلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ، میاں چنوں
نیو نفیس بکڈپو مین بازار، میانوالی
خالد کتاب محل، سیالکوٹ روڈ، اگوکی
پاکستان بکڈپو مین بازار، جلال پور جٹاں
جہلم بک کارنر، جہلم
منور بک ڈپو گجرات

سلطان محمود غزنوی



مبین رشید

(کالم نگار،فیچر رائٹر)

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اُردو بازار، لاہور فون # 7352332-7232336

نام کتاب	....	سلطان محمود غزنوی
مصنف	....	مبین رشید
ناشر	....	گلفراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	انیس احمد
پروف ریڈنگ	....	جمشید زکریا
سن اشاعت	....	جولائی 2006ء
قیمت	....	=/200 روپے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔

(ناشر)

انتساب!

ان سب چاہنے والوں کے نام
جنہوں نے میری پہلی کتاب
"پاکستان زندہ رہے گا"
کو میری توقع سے کہیں زیادہ
پذیرائی بخشی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری



فہرست

پیش لفظ

بُت شکن سلطان محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا ایسا درخشندہ ستارہ ہے جس پر بجا طور پر برصغیر کے مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔ انتہائی کٹھن حالات میں اس نے برصغیر میں ہندوؤں کے غرور کی علامت سومنات کے مندر پر سترہ حملے کر کے اس خطے میں اسلام کی پہلی اینٹ رکھی۔ متعصب ہندو اپنی تاریخ کی کتابوں میں محمود غزنوی کو ایک ڈاکو اور لٹیرے کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے پیشِ نظر مال و دولت سے کہیں زیادہ اہم اسلام کی ترویج تھی۔ ان کی زندگی کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت ہم پر باآسانی واضح ہو جاتی ہے لیکن چونکہ آج کل ہم اپنے ہمسایہ ملک بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانے میں مصروف ہیں۔ اس لیے ان کی پسند کا ادب اپنی کتابوں میں شامل کر رہے ہیں۔ ایک سازش کے ذریعے معاشرتی علوم' تاریخ اور جغرافیہ سے برصغیر میں مسلم ہیروز کی تاریخ حذف کی جا رہی ہے۔ جو بہت خوفناک رجحان ہے کیونکہ اس سے ہماری نوجوان نسل اپنے ہیروز کی محنت و کامیابی کو فراموش کرتی چلی جائے گی اور ہمارے ہمسایہ ملک کی تہذیب و ثقافت کے بھی غالب آنے کا امکان ہے۔ ہمارے نام نہاد دانشور پہلے ہی بھارتی مؤرخین کا حوالہ دیتے نہیں تھکتے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ سلطان محمود غزنوی جیسے نڈر' بے باک اور حوصلہ مند غازیوں کے کارناموں کو عوام کے سامنے لایا جائے۔ ہندوستان کو انتقامی یا انسانی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ مذہب' زبان اور تہذیب کی بنیاد پر دو ملک وجود میں آئے۔ ہندو مؤرخین دعویٰ کرتے ہیں کہ 1026ء میں محمود غزنوی کے سومنات کے مندر پر حملے نے اس خطے میں ہندو مسلم دشمنی کی بنیاد رکھی۔ اب ہندو یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ سومنات کے مندر کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ برہمنوں نے محمود غزنوی سے استدعا کی کہ "اس

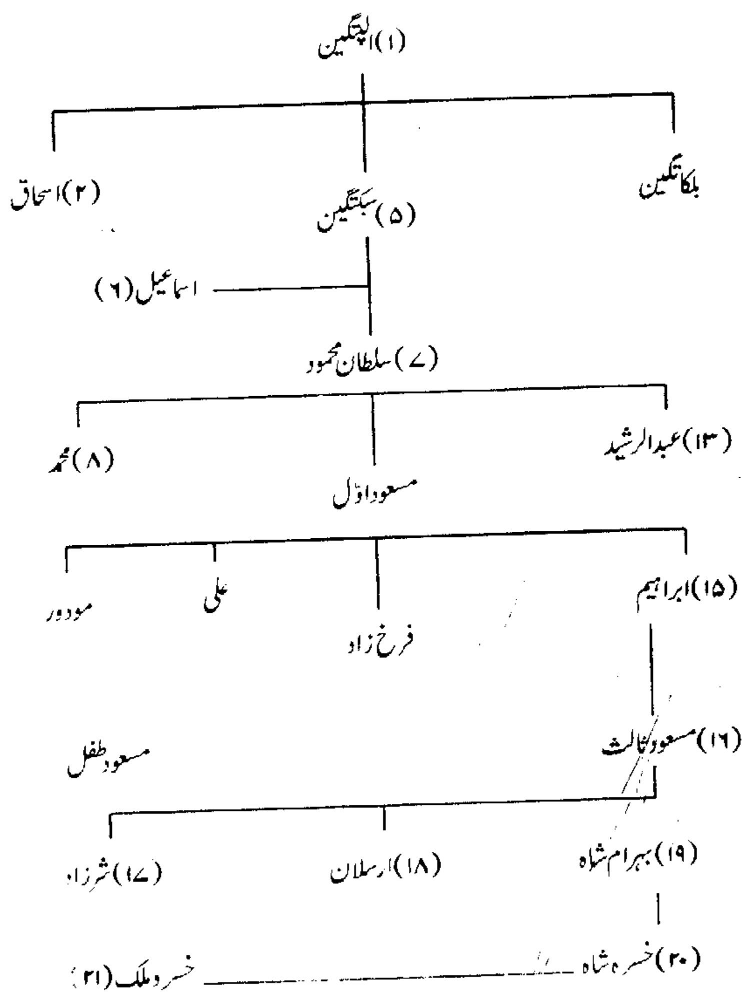
بُت کی حفاظت کرے جس کے عوض اسے بہت زیادہ دولت دی جائے گی تو اس نے یہ کہہ کر اس آفر کو ٹھکرا دیا کہ وہ بُت شکن ہے، بت فروش نہیں۔"

ابنِ خلدون سومنات کے مندر پر لکھتا ہے کہ اس پر تیس دائرے تھے اور ہر دائرہ ایک ہزار برس کی نشاندہی کرتا تھا۔ گویا اس کی عمر تیس ہزار برس تھی۔ اس کی لمبائی سات کیوبک تھی جس میں دو کیوبک حصہ اس کی بنیاد کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اس کا پورا جسم سنورا رہتا تھا اور اس کے چاروں طرف سونے اور چاندی کے چھوٹے بُتوں کا گھیرا تھا۔ مقدس عمارت کے صدر دروازے پر سونے کی زنجیر کے ساتھ ایک گھنٹہ تھا۔ اس زنجیر کا وزن دو سو من تھا۔

سلطان محمود غزنوی پر کتاب لکھنا ایک مشکل فیصلہ تھا لیکن مارکیٹ میں اس حوالے سے کوئی اہم اُردو کی کتاب نہ ہونے کی وجہ نے مجھے اس کام کا آغاز کرنے پر مجبور کیا۔ علم و عرفان پبلشرز کے بانی گل فراز صاحب نے جس طرح زبردستی مجھ سے یہ کام مکمل کروایا یہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ سلطان محمود غزنوی پر ایک بہترین کتاب ہے لیکن اس کے باوجود کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تاریخی حقائق کو ایک کتاب میں ایسے یکجا کیا جائے جس میں سلطان محمود غزنوی کی شخصیت کے تمام پہلو سامنے آ جائیں۔ آپ احباب نے میری پہلی کتاب "پاکستان زندہ رہے گا" کو جس قدر محبّتوں سے نوازا ہے۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ ایک دوسری کتاب کا آغاز کیا جائے۔ مُسلم سلطنت کے بانی سلطان محمود غزنوی کے تاریخی کردار کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں اسے معمولی کاوِش نہیں سمجھتا۔ آپ دوستوں کی آراء ثابت کریں گی کہ یہ کتاب کس حد تک سلطان محمود غزنوی کے حوالے سے کسی مستند کتاب کی عدم موجودگی کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

خیر اندیش
مبین رشید

شجرۂ خاندانِ غزنویہ



باب 1

غزنوی خاندان

بنو معاویہ اور بنو عباس خاندانوں کے بعد ان کے جانشین حکمران خاندانوں کے دوران عربوں کی سلطنت کو زبردست عروج حاصل ہو گیا تھا لیکن ہارون الرشید کے انتقال کے بعد اس کی دنیاوی طاقت میں زوال کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ مختلف صوبوں کے صوبیداروں نے اطاعت کا جوا اُتار پھینکا اور بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا' جبکہ خلافت کی حکومت صرف بغداد کے صوبہ اور اس کے ماتحت علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئی اور خلیفہ کو مذہب کے معاملہ میں ہی بااختیار سمجھا جانے لگا۔ طامیر کے جانشین' جنہوں نے سب سے پہلے آزادی حاصل کی' وہ خراسان اور ماوراالنہر کے عظیم صوبوں میں آباد ہو گئے۔ 872ء میں بادشاہوں کا ایک خاندان سوفارائڈز ان کا جانشین بنا' جس کی بنیاد سیستان کے ایک کسیرے یعقوب نے رکھی تھی۔ اسے اپنی عسکری مہمات کے باعث بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اپنی باری پر 903ء میں سامانیوں نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ اس خاندان کا بانی اسماعیل تھا' جس نے 263 ہجری میں بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اسے انصاف اور نیکی کے کاموں کے سلسلہ میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس کی حکومت بخارہ' ماوراالنہر' خراسان اور ایرانی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصے پر تھی۔ سامانیہ خاندان نے 120 سال تک بڑے اطمینان کے ساتھ حکومت کی۔ پانچواں بادشاہ عبدالملک' جس کا انتقال بخارہ میں ہوا' اس نے اپنے پیچھے ایک ننھا شہزادہ منصور چھوڑا۔ مرحوم بادشاہ کا ایک ترک غلام الپتگین' جو خراسان کے وسیع و عریض صوبے پر حکومت کرتا تھا' اس نے نوجوان شہزادے کا چچا ہونے کا اعلان کر دیا لیکن مخالف دھڑے نے منصور کو تخت پر بٹھا دیا۔ نوجوان بادشاہ نے الپتگین سے ناراض ہو کر اسے بخارہ حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن یہ حاکم خراسان کے دارالحکومت' نیشاپور سے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ غزنی روانہ ہوا اور بے شمار فتوحات حاصل کرنے اور شاہی فوجوں کو

شکست دینے کے بعد اس نے بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

الپتگین نے اپنے جرنیل سبکتگین کے تحت اپنی فوجوں کو کئی مرتبہ ملتان اور لمگھان کے صوبوں کو زیر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان صوبوں کے ہزاروں باشندوں کو غلام بنا کر غزنی لے جایا گیا۔ لاہور کے راجہ جے پال نے جب یہ محسوس کیا کہ اس کے فوجی دستے شمالی حملہ آوروں کی فوجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس نے بھاٹیہ کے راجہ کے ساتھ اتحاد کر لیا لیکن جب بھی حملہ آوروں نے اس ملک پر حملہ کیا تو متحدہ فوجیں ان حملہ آوروں کو ہندوستان سے لوٹ کا مال لے جانے سے روکنے میں سخت ناکام رہیں۔

الپتگین نے پندرہ سال تک بڑے سکون اور امن سے حکومت کی اور 976ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابواسحاق اس کا جانشین مقرر ہوا لیکن مؤخرالذکر دو سال سے کم عرصہ میں انتقال کر گیا۔ لہٰذا سبکتگین جو اصل میں اس کا غلام تھا اور اس نے اس کی بیٹی سے شادی بھی کی تھی' فوج نے متفقہ طور پر اسے غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔

خاندان غزنویہ الپتگین

عبدالملک ابن نوح سامانی خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا۔ الپتگین ایک ترکی غلام تھا۔ اوّل اوّل بادشاہ کو وہ بھان متی اور نٹ کے تماشے دکھا کر دل خوش کیا کرتا تھا۔ (اس خاندان میں یہ دستور تھا کہ غلام امانت کے عہدوں پر سرفراز ہوتے اور بادشاہوں کے مہمان بنتے تھے اور اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے۔ دور دور کے صوبوں پر حاکم مقرر ہوتے' غرض وہ بڑے قابل اعتبار سمجھے جاتے تھے۔) بادشاہ نے اپنے اس غلام کی ہوشیاری' جوانمردی' دیانت داری اور ایمانداری دیکھ کر 350ھ، 961ء میں اُس کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ جب عبدالملک اس دنیا سے رخصت ہوا تو اُمراءِ بخارا نے قاصد الپتگین اس کے پاس بھیجا اور پوچھا کہ آپ کی رائے میں آل سامان میں تخت نشینی کے لائق کون ہے۔ اُس نے قاصد کو جواب دیا کہ عبدالملک کا بیٹا منصور ابھی نوعمر اور ناتجربہ کار ہے، سلطنت کیلئے سزاوار نہیں البتہ بادشاہی اُس کے چچا پر زیب دیتی ہے۔ ابھی یہ قاصد پیغام لیکر بخارا میں ہی تھا کہ امراء نے اتفاق کر کے منصور کو تخت شاہی پر بٹھا دیا جب یہ جواب قاصد لایا تو منصور کو نہایت غصہ آیا۔ اس نے فوراً الپتگین کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے دربار میں بلایا تو اس کو یہاں آنے میں جان کا اندیشہ پیدا ہوا۔ اس میں شک نہیں اگر وہ یہاں آتا تو

ہلاک کر دیا جاتا یا قید خانہ میں عمر کاٹتا اس نے منصور کا حکم نہ مانا اور سپاہیانہ پیچ کھیلا خراسان کو چھوڑا تین ہزار غلاموں کا لشکر اپنے ہمراہ لیا اور غزنین کی طرف کوچ کیا صحیح سالم وہاں جا پہنچا اور امیر انوک سے غزنین چھین لیا۔ بلخ، ہرات اور سیستان جس ملک میں داخل ہوا' اُس کو فتح کر لیا اور خود بالاستقلال بادشاہ بن گیا۔ منصور نے دو دفعہ لشکر الپتگین سے لڑنے کو بھیجا۔ یہ خِطہ اُس کے ہاتھ ایسا لگ گیا کہ جس کے قوی ہیکل، بہادر اور جنگجو باشندے یعنی افغان اُسے خود مختار بنا دینے کو کافی تھے اگر چہ وہ اس کے مطیع و فرمانبردار نہیں تھے مگر بُرے وقت میں جان لڑانے کو تیار تھے۔ اس کے ساتھ تین ہزار غلام تھے غالباً اُسی کی طرح ترکی غلام تھے۔ بڑا اجتہاد افغانوں کا تھا۔ گو وہ اُسکے تابع نہ تھے مگر وقت پر نوکر ہو جاتے تھے۔ غرض ان سب کی بدولت اس نے پندرہ برس تک دولت و اقبال کے ساتھ فرمانروائی کی 365ھ یا 976ء میں وہ اپنی موت سے مر گیا۔

جامع الحکایات میں غزنین لینے کی حکایت لکھی ہے کہ جب الپتگین شہر غزنین کے باہر خیمے لگائے پڑا تھا اور شہر والوں نے دروازہ بند کر رکھا وہاں کسی کو اندر نہ آنے دیتے تھے تو الپتگین نے رعایا پروری اور عدل گستری کا طریقہ ایسا اختیار کیا تھا کہ رعایا خود بخود بن داموں کی غلام بنی جاتی تھی۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ کچھ سوار فتراک میں مرغ باندھے چلے آتے تھے۔ اُس نے سواروں سے پوچھا کہ یہ مرغ یوں ہی زبردستی چھین کر لائے ہو یا قیمت دیکر مول لائے ہو۔ سواروں نے کہا کہ دام دیکر مرغوں کو لیا ہے۔ الپتگین کو اُن کے کہنے کا یقین نہیں ہوا اُس نے گانوں کے مقدم کو بلا کر پوچھا' اوّل مقدم سچ کہنے سے ڈرا مگر الپتگین نے اس سے ایسی باتیں کیں کہ اس نے سچ سچ کہہ دیا کہ حضور یہ ترک گاؤں میں روز جاتے ہیں' مرغ زبردستی مفت چھین لاتے ہیں۔ الپتگین نے یہ سن کر حکم دیا کہ یہ سوار چور ہیں وہ قتل کیے جائیں مگر جب مصاحبوں نے تخفیفِ سزا کیلئے منت سماجت کی تو اس نے حکم دیا کہ ان سواروں کی کانوں میں چھید کیے جائیں ان چھیدوں میں مرغ لٹکائے جائیں اور ان کی ٹانگیں باندھ دی جائیں اس طرح ان کی سارے لشکر میں تشہیر کی جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ مرغوں کے پھڑ پھڑانے سے سواروں کے چہرے لہولہان ہو گئے۔ مگر اس انصاف کا اثر اہلِ غزنین پر ایسا ہوا کہ انہوں نے شہر کے دروازے الپتگین کے داخل ہونے

کیلئے کھول دیئے غرض اس ایک انصاف نے وہ کام کیا کہ ایک سپاہی کی تلوار بھی نہ کرتی۔

امیر ناصر الدین سبکتگین

حقیقت میں امیر ناصر الدین سبکتگین ایران کا امیرزادہ اور یزدجرد کی نسل میں سے تھا' مگر وہ الپتگین کا غلام تھا۔ ناصر ایک سوداگر' اُس کو ترکستان سے لایا تھا۔ الپتگین نے اُسے خریدا تھا۔ اُس کی فراست' شجاعت' دیکھ کر بتدریج ایسے بلند مرتبے پر پہنچایا کہ لشکر کا یہ سالار اور دربار کا بڑا اہل کار وہی تھا۔ وہ اپنے آقا کے ساتھ ہمیشہ لڑائیوں میں ہمراہ رہتا اور داد جوانمردی دیتا۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ الپتگین نے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا تھا اور تخت و تاج کا وارث اسے ہی مقرر کیا تھا۔ تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ الپتگین بیٹا ابواسحٰق کا تھا۔ اس کو باپ کے مرنے کے بعد سبکتگین بخارا لیکر گیا اور وہاں سے غزنین کی مسند حکومت دلا لایا پھر سارے ملکی اور مالی کاموں کا خود مختار رہا۔ ابو اسحٰق نے ایک سال کی سلطنت کے بعد 367ھ' 977ء میں عقبیٰ کی راہ لی۔ اور اس کے بعد ملکاتگین' جو ترکی امیر تھا' بادشاہ ہوا' وہ عاقل و متقی تھا۔ دو سال سلطنت کر کے وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد امیر پری تخت پر بیٹھا وہ بڑا ظالم تھا۔ اس نے کچھ لکھت پڑھت کر کے ابوعلی انوک پسر شاہ کامل کو اپنی مدد کیلئے بلایا۔ جب وہ چرخ کی حد میں آیا تو امیر سبکتگین نے پانچوں ترکی سواروں سے چھاپہ مارا اُس کو قتل کیا اور دس ہاتھی چھین لئے اور اُن کو غزنین لایا۔ فتح امیر سبکتگین کو حاصل ہوئی۔ اُدھر پری کے ظلم سے لوگ عاجز ہو رہے تھے اس لئے سب امیروں نے متفق ہو کر امیر سبکتگین کو غزنین کا امیر بنایا۔ امیر بلکاتگین اس کو نہ ملتے تو سبکتگین غزنین کا اوّل امیر شمار ہوتا۔

جب امیر سبکتگین مسندِ حکومت پر بیٹھا تو حصار بست پر امیر طغان متولی ہوا مگر زکان نے جو ال سامانیہ میں تھا' قلعہ بست کو غصب کر لیا اور طغان کو نکال دیا۔ امیر سبکتگین کی درگاہ میں طغان نے التجا کی کہ اگر آپ معاونت کر کے قلعہ بست پر میرا تسلّط کرا دیں تو میں آپ کا عمر بھر خدمت گار رہوں گا۔ امیر نے اس کی درخواست کو منظور کر لیا اور لشکر بست پر لیجا کر توزکان کو شکست دی اور طغان کو اپنے مقصود پر فائز کیا مگر طغان نے جو وعدے کئے تھے اس میں تغافل و تساہل سے کام لیا تو امیر سبکتگین کو اس کی حرکات و سکنات سے

مکروفریب کی علامتیں مشاہدہ ہوئیں۔ ایک دن صحرا میں شکار میں وہ اور امیر سبکتگین ساتھ تھے کہ اس سے امیر نے خراجِ موعود کا تقاضا شدید کیا۔ طغان نے اُس کا نامناسب جواب دیا اور تلوار کھینچ کر امیر کا ہاتھ زخمی کر دیا۔ امیر نے زخمی ہاتھ سے تلوار کھینچ کر طغان کے ماری کہ وہ قریب تھا دوسرے ہاتھ سے کام تمام کرتا کہ ملازموں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ طغان فرصت پا کر کرمان کو ایسا بھاگا کہ پھر اس کو بست کا دیکھنا خواب میں بھی میسّر نہیں ہوا۔ امیر نے بست پر قبضہ کرلیا۔ بست کی فتح سے بڑا فائدہ امیر کو یہ ہوا کہ ابوالفتح علی بن محمد جو انواع فنون سے خصوصی صنعت و کتابت میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا اور توزکان کا دبیر تھا وہ خانہ نشین تھا۔ اُس کو تلاش کر کے بلوایا اور اپنی خدمت میں رکھا جب اُس کو وزیر مقرر کرنا چاہا تو اُس نے اس خیال سے کہ اس پیرانہ سالی میں میرے دشمن اس منصب عالی سے پیدا ہو نگے' عذر کر کے امیر سے علیحدہ ہو گیا۔

قصدار غزنین کے قریب تھا۔ اس کا امیر اپنی حصانتِ قلاع پر مغرور تھا۔ امیر سبکتگین نے اس پر لشکر کشی ایسی کی کہ نہ آنکھوں کو سونے دیا' نہ بدن کو آرام لینے دیا۔ لشکر کو بقدرِ ضرورت فرصت آرام دیا اور امیر قصدار کو اس طرح پکڑ لیا جیسے بھیڑ کو کباب بنانے کے لئے پکڑتے ہیں۔ پھر اُس کو اپنے الطاف کریم سے اس مُلک میں اس شرط پر مقرر کر دیا کہ مالِ مقررہ ہر سال بھیجا کرے۔ اور خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے۔ جب ان لڑائیوں سے فراغت ہوئی تو وہ دیارِ ہند کی طرف 367ھ میں متوجہ ہوا۔

ہندوکش سے مغرب کی طرف ایشیا میں' افریقہ' جنوبی یورپ میں سپین اور پرتگال تک اسلام کے اعلامِ فتح وظفر قائم ہو گئے مگر پنجاب میں ایک چپہ زمین کا یعنی قدم کے پنجہ کے برابر بھی مسلمانوں کو نہیں ملا۔ اتنے عرصہ تک جو توقف ہندوستان کی فتح کا ہوا' اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ہند میں بعض قومیں بڑی جوانمرد تھیں۔ سندھ کے راجپوتوں نے مسلمانوں کا کیسا دلیرانہ مقابلہ کیا یہ اہل عرب ہی کی شجاعت تھی جو ان کو زیر کیا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندوؤں کے راج کا جنگی انتظام ایسا مسلسل تھا کہ وہ بیگانہ حملہ آوروں کو بڑی انجھن میں پھنسا کر اُن کو کامیاب نہیں ہونے دیتا تھا۔ ہندوستان کو بندھیاچل پہاڑ نے دو شمالی اور جنوبی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اس کے جنگلوں اور پہاڑوں نے اُترا اور دکن کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ بندھیاچل کی شمال میں تین گروہوں کے راجا وادیانِ

عظیم میں راج کرتے تھے۔ سندھ کے میدانوں اور جمنا کے اوپر کے حصوں میں بالکل راجپوت سلطنت کرتے تھے۔ سنسکرت میں جس ملک کو مدھیا دیش (زمین متوسط) کہتے ہیں' وہ بڑے بلوان راجوں میں منقسم تھا۔ اوسان راجوں کے راجاؤں کا مہاراج قنوج کا مہاراجہ تھا۔ دریائے گنگا کے زیریں وادی میں پہاڑ سے نیچے بدھ مذہب کے راجہ پالکے خاندان کے راج کرتے تھے۔ بنارس کے بنگال کے ڈلٹا تک ملک انہیں کی قلمرو میں تھا۔ اب ہندھیا کے دکن میں مشرقی اور بیچ کے اضلاع میں بڑی جنگجو اور تندخو پہاڑی قومیں رہتی تھیں۔ مغربی انتہا میں بمبئی کے ساحل کی طرف مالوہ کی ریاست ہندوؤں کی تھی جس کا راجہ بکر ماجیت ہندو راجاؤں کا آفتاب مشہور ہے۔ اس کا زمانہ علم و فضل کا شہرۂ آفاق ہے۔ اس ریاست کے جاگیردار بڑے جنگجو دلیر تھے۔ ہندوستان میں بندھیا چل کے دکن میں بڑی بڑی راجہ پرخاش جو سپاہ رہتی تھی کہ وہ آریا قوم میں سے تھی اُن کے تین گروہ تھے چیرا جولا پانڈیہ میں بھیاس ملک کی بادشاہی کرتے تھے۔

ان راجوں کے مجموعہ کا گروہ خواہ وہ اُتر میں ہو یا دکن میں، آپس میں اتفاق کر کے بیگانہ حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کر لیتا تھا جب یہ کئی گروہ اور اُن کے افراد متفق ہو جاتے تھے تو ان کو فتح کر کے مغلوب کرنا اور بھی تھکن اور محنت و مشقت کا کام ہو جاتا تھا۔ اگر ان گروہوں کے مجموعہ پر فتح بھی حاصل کر لی جاتی تھی تو پھر ہر گروہ سے اور ہر گروہ کے افراد سے جدا جدا لڑنا پڑتا تھا۔ پھر بعد فتح کے بھی ہر راج میں سرکشی و گردن کشی کا مادہ موجود رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں باوجود کوشش کے مسلمانوں کی سلطنت کی ترقی بڑی آہستہ آہستہ ہوئی۔ تین صدی بعد شمال و مغرب سے دو بڑے زبردست حملہ آوروں کی کوشش سے 977ء و 1176ء کے درمیان پنجاب کے سرحدی حصّہ کے مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی اور 1565ء میں تالی کوٹ کی فتح سے دکن میں مسلمانوں کی مستقل حکومت ہوئی اور پھر سو برس کے بعد 1650ء میں ہندوؤں کی قوم مرہٹہ نے ایسا سر اُٹھایا کہ سلطنتِ مغلیہ کو خاک میں ملا دیا۔ شمالی ہند میں بھی شہنشاہ اکبر کے عہد میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی ورنہ ہندو اپنی سلطنت کے لئے اکثر مسلمانوں سے لڑتے رہے۔

بست و قصداء کی فتوح سے امیر سبکتگین کو فرصت ملی تو اس نے 367ء دیار ہند کی طرف توجہ مبذول کی تو ہند کے چند قلعے ایسے فتح کئے کہ جہاں نہ اہلِ اسلام کے گھوڑوں

کے سُم، نہ اونٹوں کے قدم پڑے تھے انہی قلعوں میں جابجا مساجد بنا کر تخت و تاراج سے جو غنایم ہاتھ لگے ان کو لیکر غزنین کی طرف مراجعت کی۔ ہندوستان میں اس وقت راجہ جے پال راجہ تھا۔ ولایتِ لاہور سے لیکر لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک اس کی قلمرو تھی بھٹنڈہ میں قیام اس لئے کیا تھا کہ اہلِ اسلام کو آگے بڑھنے سے روکے۔ جب اس نے سنا اور دیکھا کہ مجاہدینِ اسلام اس کے ملک پر دست درازیاں کرتے ہیں اور اُن کی ہمسائیگی ذات الجنب ہے۔ اس سے جان و مال کا خطرہ ہے تو نہایت مضطرب و بیقرار ہو کر چارہ جوئی جنگجوئی میں اس نے دیکھی۔ لشکر اور ہاتھی جمع کر کے لمغان کے میدان میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوا۔ یہ لمغان کا میدان کابل اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ امیر سبکتگین نے غزنین سے ہجرت کر کے اسی میدان میں ڈیرے جمائے۔ دونوں لشکروں میں چند روز تک کارزار میں خوب ہاتھ چلے مگر کوئی غالب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لڑائی میں محمود غزنوی بھی اپنے باپ کے ساتھ شریک تھا میں وہ ایسے جوانمردی کے کام کرتا تھا کہ بڑے بڑے سورما بہادروں کی عقل حیران تھی۔ یہ ہنگامہء رزم گرم تھا کہ ایک بادوزان کا طوفان آیا کہ دن کی رات ہو گئی برف اس شدت سے پڑی کہ خون سرد ہو کر رگوں میں جم گئے۔ مسلمان اُس کے عادی تھے مگر بیچارے ہندوؤں نے ایسی سردی کی آفت کبھی اُٹھائی نہیں تھی ہزاروں سپاہی اور جانور اکڑ گئے۔ سینکڑوں کے ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ یہ دہی میدان ہے جہاں سردی کی ہاتھوں یہی تکالیف لشکرِ ہند نے انگریزی افسروں کے ماتحت نوسو برس بعد اٹھائی۔ ایک کہانی مشہور ہے ان پہاڑوں میں ایک چشمہ تھا کہ جب اس میں کوئی ناپاک چیز ڈالتے تھے تو اتنی برف پڑتی تھی کہ شہر کے شہر دب جاتے تھے اس چشمہ کی خبر ایک بڑھیا نے امیر کو دی تھی، جس نے اس میں نجاست ڈلوا کر یہ پاک کام کیا تھا۔ گو اس کی حقیقت تو کچھ نہ تھی مگر ہندوؤں کر ڈرانے کے لئے یہ ڈھکوسلا بھی بڑے کام کا تھا۔ غرض اب سارے لشکر میں جاڑے کی دہائی پڑ گئی۔ جے پال نے لاچار ہو کر سبکتگین کے پاس پیغام صلح بھیجا۔ سبکتگین صلح پر راضی تھا مگر سلطان محمود غزنوی، جوانی کے نشے میں اس صلح کا مانع ہوا۔ اس لئے یہ کام کا جھیلے میں پڑ گیا۔ پھر جے پال نے ایک دانا ایلچی سلطان محمود غزنوی کے پاس بھیجا اور لکھا کہ آپ کو معلوم رہے کہ راجپوتوں کا ایک دستور ہے کہ مایوسی اور اضطراب کی حالت میں جب دیکھتے ہیں کہ ستیز میں کوئی راہ گریز دشمن سے نہیں رہی۔ تو جو کچھ ان کے

پاس نقد و جنس ہوتا ہے اُس کو آگ میں جھونکتے ہیں' ہاتھی' گھوڑوں اور مویشیوں کو اندھا کرتے ہیں۔ غرض کوئی چیز سلامت نہیں رکھتے' اہل و عیال کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں اور دشمن سے یہاں تک لڑتے ہیں کہ سب کے سب مر کر خاک میں مل جاتے ہیں' اس کو دین دنیا کی سرخروئی جانتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اگر تمہارے لشکر کے لوگوں کو بھاری بھاری طمع صلح کرنے نہیں دیتی تو یہ کر دکھائیں گے۔ پھر تم پچھتاؤ گے۔ نقد و جنس کی جگہ راکھ کا ڈھیر پاؤ گے۔ قیدیوں اور غلاموں کے عوض میں بکھری ہوئی ہڈیاں مردوں کی دیکھو گے۔ ہاتھیوں کی جگہ کیچڑ اور پتھر پاؤ گے۔ غرض تم کو لڑائی کی صورت میں خاکستر کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئیگا اگر صلح کر لو گے تو ہم پر بہت احسان کرو گے۔ اب سلطان محمود غزنوی نے بھی دیکھا کہ ہندوؤں کو مایوس کرنا اچھا نہیں' معلوم نہیں آگے کیا ہو۔ غرض باپ بیٹے دونوں صلح پر راضی ہوئے۔ راجہ نے اپنے معتبر رشتہ دار اور عزیز سبکتگین کے پاس چھوڑے اور امیر کے معتمد ساتھ لئے کہ اپنی دارالسلطنت میں جا کر بموجب عہد نامہ کے ہاتھی گھوڑے مال و دولت حوالہ کرے' باوجود یہ کہ جے پال نے یہ تباہی وہاں اُٹھائی تھی اور خراج دینے کے وعدہ پر رہائی پائی تھی وہ جب لاہور پہنچا تو سب قول و قرار بھول گیا۔ خراج نہ بھیجا۔ سبکتگین کے آدمیوں کو قید کر لیا اور کہنے لگا' جب تک امیر میرے آدمیوں کو نہیں چھوڑے گا میں اس کے آدمیوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس وقت میں دستور تھا کہ راجہ کے دربار میں یمین و یسار پنڈت اور چھتریوں کے سردار کھڑے ہوتے تھے، مہمات اور معاملات ملکی میں رائے دیتے تھے' چھتریوں کو راجہ کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ مردوں کو بات کا پاس چاہیے۔ بچن کا توڑنا ایسا پاپ ہے کہ بیٹا گھوڑے پر چڑھ کر گردن دباتی ہے۔ اس حرکتِ ناروا سے باز آیئے اور خراج امیر کا بھجوایئے۔ مگر پنڈت صاحبوں نے نہ برف و باراں کی سردی دیکھی تھی نہ تلواروں کی آنچ کے نیچے آئے تھے' انہوں نے یہ صلاح دی کہ اگر خراج بھجوایا جائے تو راجہ کا منہ کالا ہو جائے گا۔ شامتِ اعمال سے یہی صلاح جے پال کو بھی پسند آئی۔ جب اس معاملہ کی خبر سبکتگین کو پہنچی۔ اوّل اُس کو یقین نہ آیا' یہ سمجھا کہ یہ خبر ہوائی ہے اور یونہی لوگوں نے اڑائی ہے مگر جب متواتر یہی خبر کان میں آئی تو اس کو یہ امر نہایت شاق معلوم ہوا۔ اس نے بدعہدی کے انتقام لینے کے واسطے لشکروں کو جمع کیا اور ایک دریا کی طرح اُمڈتا ہوا ہندوستان پر چڑھ آیا۔ سرحدی

مقامات پر ایک آفت برسادی اور پانی پھیر دیا۔

جے پال کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے دلی۔ اجمیر۔ کالنجر۔ قنوج کے راجاؤں کو چٹھیاں لکھیں کہ سبکتگین اس طرح پنجاب پر چڑھا ہے۔ پنجاب ہی ہمیشہ سے سب بھائیوں کا سپر بنا ہے۔ اب مناسب ہے کہ ہم سب ملکر اس ٹکر کو روکیں۔ نہیں تو وہ سارے ملک میں پانی پھیر دے گا۔ غرض ان سب راجاؤں نے اپنا انتخابی لشکر' بہت سے مال اور خزانہ کے ساتھ جے پال کے پاس بھیج دیا اور یہ جان لیا کہ ہماری عزت و آبرو سلطنت کی بقا جے پال کی فتح پر موقوف ہے۔ اس لئے اعانت اور معاونت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ ایک لاکھ سوار اور پیادے بیشمار سندھ کے پار لے گیا۔ اور لمغان کے میدان میں امیر سبکتگین کے لشکر کے سامنے ڈیرے خیمے ڈال دیئے۔ امیر سبکتگین دشمنوں کی کیفیت اور کمیت دیکھنے کے واسطے ایک ٹیکری پر کھڑا ہوا۔ وہاں دیکھتا ہے کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے لشکر ہی لشکر دکھائی دیتا ہے۔ مگر اس سے وہ ہراس نہ ہُوا اور سمجھا یہ سب بھیڑیں ہیں' میں قصاب ہوں۔ یہ کلنگون کی قطاریں ہیں اور میں شاہین ہوں۔ اب اس نے سب سرداروں کو بلایا اور جہاد کا وعظ سنایا سب سے عمدہ تدبیر لڑائی میں یہ کام میں لایا کہ پانچ پانچ سو غول ایک ایک افسر کے نیچے مقرر کیا اور حکم دیا کہ باری باری لڑیں ایک غول لڑائی کے میدان میں جائے' جب تھک جائے تو واپس آئے پھر دوسرا تازہ دم غول اُس کی جگہ جائے۔ اس کی یہ حکمت ایسی کارگر ہوئی کہ ہندوؤں کے لشکر میں باوجود کثرت کے ضعف معلوم ہوا۔ جب اُن کے پیر اکھڑے تو سارے لشکر نے دفعتاً حملہ کیا ہزاروں کو مار ڈالا اور سب کو بھگا دیا۔ اٹک تک اُن کا تعاقب کیا۔ لشکرِ اسلام غنیمت سے مالا مال ہوگیا۔ گردونواح کے پرگنوں سے جو لاہور کی سلطنت میں داخل تھے' بہت سا محصول وصول ہوا۔ راجہ کے ملک پر دریائے اٹک تک قبضہ اور تصرف کیا اور پشاور میں دس ہزار سپاہیوں کو ایک افسر کے ماتحت چھوڑا۔ ان لڑائیوں کے بعد لمغان کے افغان اور خلجی بھی امیر سبکتگین کے مطیع ہوئے اور اس کی سپاہ میں بھرتی ہوئے۔ اُن مہمات کے بعد امیر اپنی ریاست کے انتظام میں مصروف ہوا۔

اس زمانے میں جب ہندوستان میں امیر سبکتگین کو یہ فتوحات حاصل ہوئیں۔ امیر نوح بن منصور سامانی نے ابو نصر فارابی کو امیر سبکتگین کے پاس بھیجا کہ فائق امیر بخارا نے جو خرابیاں اس کے ملک میں مچا رکھی ہیں' اس سے مطلع کرے اور معاونت کی درخواست

کرے۔ آلِ سامان کی اس بے سامانی کا حال سن کر سبکتگین کی رگِ حمیت حرکت میں آئی اور وہ فوراً ماوراء النہر کو روانہ ہوا۔ امیر نوح بھی ولایت سرخس میں پیشوائی اور استقبال کے لئے آیا امیر سبکتگین نے ملاقات سے پہلے امیر نوح سے یہ التماس کی کہ ضعف پیری کے سبب سے مجھے گھوڑے پر سے اُترنے اور رکاب پر بوسہ دینے سے معاف فرمایے۔ امیر نوح نے اُس کی التماس کو قبول کیا مگر جب امیر سبکتگین کی نظر امیر نوح کے طلوت پر پڑی تو ہیبت شاہی نے بے اختیار اس کو گھوڑے پر سے اتروایا اور رکاب پر بوسہ دلوایا۔ امیر نوح اس سے بہت خوش ہو کر گلے ملا۔ غرض ان دونوں سعادت مندوں کے ملنے سے خاص و عام کے دلوں کو راحت ہوئی اور ایک جلسہ صحبت منتظر منعقد ہوا۔ بعد فراغتِ ضیافت و مجالست کے انتظام اور امور مملکت پر گفتگو ہوئی تھی یہ قرار پایا کہ امیر سبکتگین غزنین جائے اور سپاہ کو تیار کر کے لائے۔ وہ غزنین کو روانہ ہوا اور امیر نوح بخارا کو گیا۔ جب فائق کو جو امیر بوعلی سمجوری کے پاس پناہ کے لئے گیا تھا' یہ اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے خواص سے مشورہ کیا کہ اگر کام بگڑے تو کہاں پناہ لینی چاہیے۔ یہ قرار پایا کہ فخر الدولہ دیلمی کے پاس پناہ لینی چاہئے۔ اس سے رشتہ اتحاد و وداد مستحکم ہے۔ اس اثناء میں امیر سبکتگین بلخ میں آیا اور امیر نوح بخارا سے چل کر اسے ملا۔ فائق اور امیر ابو علی سمجوری لشکرِ گراں لیکر روانہ ہوئے اور ہرات کے پاس میدان میں لڑائی ہوئی۔ امیر سبکتگین نے دشمنوں کو شکست دی تو ان کو بے سروسامان بھگا دیا۔ فائق اور امیر بوعلی سمجوری بھاگ کر نیشاپور میں گئے۔ اس فتح کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدین کے خطاب سے اور سلطان محمود غزنوی کو سیف الدولہ کے لقب سے مشرف کیا اور منصب امیر الامرائی کا جو ابوعلی سمجوری کو عطا ہوا تھا' وہ سیف الدولہ کو دیا گیا امیر نوح کامیاب و کامران بخارا کو روانہ ہوا' ناصر الدین سبکتگین غزنی میں آیا اور سیف الدولہ سلطان محمود غزنوی تنہا نیشاپور میں رہا۔ جب امیر بوعلی اور فائق سلطان نے محمود غزنوی کو تنہا دیکھا تو پہلے اُس کے باپ کے پاس سے کمک آئے' اُس سے لڑائی کا قصد کیا اور اس پر فتح حاصل کر لی۔ جب امیر سبکتگین کو اس کی خبر ہوئی تو وہ سپاہ کو لیکر نیشاپور میں پہنچا اور حوالی طوس میں امیر بوعلی اور فائق سے لڑائی ہوئی امیر سبکتگین نے پھر ان دونوں کو شکست فاش دی مگر بوعلی سمجوری اور فائق جانِ سلامت لے گئے اور قلعہ کلات میں چلے گئے اس فتح کے بعد امیر ناصر الدین سبکتگین مسند فرمانروائی پر فراغت کے ساتھ متمکن ہوا۔ فائق بغرا

خان کے جانشین ایل خان کے پاس چلا گیا اور اس ایل خان کے دباؤ وزور سے نوح اور فائق میں صُلح صفائی ہو گئی وہ سمرقند کا حاکم مقرر ہوا۔ جب نوح نے انتقال کیا تو ایل خان نے بارا پر حملہ کیا اور فائق حاکم سمرقند اُس کا ممد و معاون ہوا تو اس نے بادشاہ منصور ثانی کو اس بات پر مجبور کیا کہ تمام اختیارات سلطنت کے فائق کو تفویض کر دے۔

روضتہ الصفا میں سبکتگین کی خصائل کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آئین سلطنت و بادشاہی میں آراستہ اور کوشش میں شبر کی ہنگامہء داد میں بادِجہندہ قوی اور آفتاب کی مانند درخشندہ وضیع و شریف پر ہمت میں دریا کہ دہش میں کاہش سے نہیں ڈرتا تھا۔ تہوّر میں سیل کہ نشیب و فراز سے کچھ پرہیز نہ کرتا تھا۔ ظلمت و حوادث میں اس کی رائے روشن ستارہ کی طرح رہنما' اس کی تلوار مفاصل' اعدا میں قضا کی مانند گرہ کشا' اس کی شمائل میں نجابت و شہامت پیدا' اس کی حرکت و سکون میں دلائلِ یمن و سعادت ہویدا۔ 387ھ، 999ء میں حدود بلخ کے اندر ترید میں سبکتگین کے سر پر موت نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ اس کی عمر 56 برس کی تھی۔ اس کا جنازہ عماری میں غزنی گیا اور وہاں دفن ہوا۔ اس نے تیس سال حکومت کی اور اُس کی اولاد میں چودہ بادشاہ ہوئے جو لاہور اور اس کی نواح پر متصرف و متسلط ہوئے۔ اس امیر کا وزیر ابوالعباس فضل بن احمد سفراینی تھا ضبطِ امورِ مملکت اور سرانجامِ مہامِ سپاہ و رعیت میں کمال رکھتا تھا۔

امیر سبکتگین اپنی موت سے چار روز پہلے شیخ ابوالفتح بستی سے یہ کہتا تھا کہ ہمارا اور ہمارے اغراض و امراض کا حال قصاب و بھیڑوں کا سا ہے۔ جب بھیڑ کو پہلے پہل گھٹنے تلے قصائی دباتا ہے تو وہ بے چین ہو کر تڑپتی ہے مگر جب وہ اُون کتر کر چھوڑ دیتا ہے تو پھر اچھلنے کودنے لگتی ہے۔ جب یہی نوبت دو چار دفعہ اس پر گزرتی ہے تو وہ قصائی سے بے خوف و خطر ہو جاتی ہے۔ جب اُس کو ذبح کرنے کیلئے وہ لٹاتا ہے تو یہ جانتی ہے کہ وہ اُون کتر کر تھوڑی دیر میں مجھے چھوڑ دے گا لیکن وہ چھری پھیر کر جان نکال لیتا ہے۔ پس انسان بار بار بیمار ہو کر اچھا ہو جاتا ہے تو مرض الموت میں بھی صحت کی امید پر مسرور اور اجل سے غافل ہو جاتا ہے کہ موت جانِ شیریں کو بادِفنا میں اڑا دیتی ہے۔

دو ایک حکایتیں لکھتے ہیں گو وہ پایہء تاریخ سے ساقط ہیں۔ مگر ایشیائی مؤرخوں میں انسانیت اور آدمیت پائی جاتی ہے کہ وہ کس طرح تاریخ سے بہت اخلاق کی تعلیم حاصل

کرتے ہیں۔ مشرقی ملکوں میں تاریخی واقعات سے ایسا اثر دل پر نہیں ہوتا جیسے ان حکایات سے جن کو مغربی ملکوں میں بالکل لغو و بیہودہ اور مشرقی بک بک کہتے ہیں۔ تاریخ بیہقی میں یہ حکایت سبکتگین اور اس کے آقا کی لکھی ہے کہ جب امیر سبکتگین بخارا کو جاتا تھا تو راہ میں منزل خاکستر میں وہ فروکش ہوا اور یہاں صدقہ و خیرات میں بہت کچھ روپیہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر پانچ چھ آدمیوں سے ایک جگہ کو کھودنے کیلئے حکم دیا۔ جب انہوں نے کھودا تو ایک لوہے کی میخ نکلی۔ امیر سبکتگین نے اُسے دیکھا تو گھوڑے پر سے اترا اور بہت رویا پھر جائے نماز منگوا کر دوگانہ شکرِ الٰہی ادا کیا۔ جب لوگوں نے اس حال کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ ''قصہء نادر سنو کہ جس آقا کے میں ملک میں تھا' مجھے اور بارہ اور غلاموں کو جو میرے ہمراہ تھے جیحوں سے پار اُتار کر شہرقان میں وہ لے گیا اور اس جگہ سے گورکنان لایا۔ یہاں کے بادشاہ نے سات غلام خریدے لیکن مجھے اور پانچ دوسرے غلاموں کو نہ خریدا۔ پھر نیشاپور کی راہ میں مرد اور سرخس میں چار غلام اس نے بیچے میں اور ایک اور باقی رہے۔ مجھے سبکتگین دراز کہتے تھے اور اتفاق سے میرے آقا کے تین گھوڑے میری ران کے نیچے زخمی ہو چکے تھے۔ جب میں یہاں خاکستر میں آیا تو میرا گھوڑا زخمی ہو گیا۔ اس پر میرے آقا نے مجھے بہت مارا اور زین کو میری گردن پر رکھا اور قسم کھائی تھی کہ نیشاپور میں جو کچھ تیری قیمت ملے گی وہی لیکر میں بیچ ڈالوں گا۔ اسی غم میں میں سو گیا کہ حضرت خضر کی زیارت ہوئی' انہوں نے مجھے بشارت دی کہ تُو بڑا نامور بادشاہ ہو گا۔ جب پھر اس سرزمین پر آئیگا تو تیرے ساتھ بہت سا لشکر ہو گا اور تو اُس کا سردار ہو گا تو غم نہ کر شاد ہو۔ جب یہ پایۂ بلند تجکو نصیب ہو تو خلق خدا کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنا۔ میں نے اٹھ کر غسل کیا اور پچاس رکعت نماز پڑھی۔ اور اس میخ کو لیکر یہاں نشانی کے لئے میں گاڑ گیا۔ صبح میرے آقا نے سفر کیا' مجھ سے یہ میخ مانگی۔ جب میں نہ دے سکا تو اُس نے تازیانوں سے مجھے خوب مارا اور پھر سخت قسم کھائی کہ جو قیمت تیری ملے گی وہ لیکر تجھے بیچ ڈالوں گا۔ نیشاپور تک دو منزل پیادہ پا چلایا' وہاں الپتگین نے مجھے اور میرے دو یاروں کو خرید لیا۔ جس سے میں اس درجہ پر پہنچا کہ تم دیکھتے ہو۔''

جامع الحکایات میں یہ حکایت لکھی ہے کہ نیشاپور میں جب الپتگین کے خدمت میں سبکتگین رہتا تھا تو اس کے پاس ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ سارا دن جنگلوں

میں پھرتا اور شکار کھیلتا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کے ساتھ چر رہی ہے۔ اُس نے گھوڑا دوڑا کے اُس بچہ کو پکڑ لیا اور خوش خوش لے کر چلا۔ ہرنی نے بھی گھوڑے کا پیچھا کیا اس نے جو مڑ کر پیچھے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کے پیچھے حیران پریشان چلی آتی ہے۔ تو اس نے ترس کھا کر بچہ کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کے چھوٹنے سے خوش خوش جنگل میں جاتی تھی اور امیر کو بھی مڑ مڑ کر دیکھتی جاتی تھی۔ اسی رات امیر کو رسولِ خدا کی زیارت ہوئی جنہوں نے یہ فرمایا کہ اے امیر ناصر الدین تو نے ایک بیچارے بیکس بے بس پریشان حال جانور پر شفقت کی خدا نے تجھے دیا یہ مرحمت کی کہ اپنے دیوان میں منشورِ سلطنت تیرے نام لکھوایا۔ تجھے چاہیے کہ عام خلق کے ساتھ بھی یہی شیوہ جاری رکھے اور صفتِ شفقت کو کسی حال میں نہ چھوڑے۔ اس میں سعادتِ دارین ہے کہ اکثر تاریخوں میں یہ حکایت بھی لکھی ہے کہ امیر ناصر الدین سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے گھر میں آتشدان سے ایک درخت ظاہر ہوا اور ایسا بڑھا کہ اُس کے سایہ میں ایک خلقِ خدا بیٹھ سکتی تھی۔ جب امیر جاگا اور خواب کی تعبیر سوچ رہا تھا کہ سلطان محمود غزنوی کے پیدا ہونے کی بشارت اس نے سنی۔ اس سے وہ بہت خوش ہوا کہ میرا خواب محمود غزنوی الاستدا اور مسعود الانتہا ہے۔ اس فرزند کا نام سلطان محمود غزنوی رکھا۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کا طالع صاحب ملت الاسلام کا طالع کے ساتھ موافق تھا۔ ہمیشہ سے ایشیائی مؤرخ ان خوابوں فالوں طالعوں کو تاریخ کا ایک دلکش جزو سمجھتے ہیں مگر فرنگستانی ان کو بالکل تاریخی پایۂ اعتبار سے ساقط جانتے ہیں۔ (محمود غزنوی کی ہونہاری)

مثل مشہور ہے کہ 'ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'۔ سلطان محمود غزنوی پر یہ مثل صادق آتی تھی۔ وہ لڑکپن ہی سے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ نو عمری میں باپ کے ساتھ مہمات میں جاتا اور وہ آگے قدم بڑھا کر ہاتھ مارتا کہ پرانے تجربہ کار سپہ سالار دیکھتے ہی رہ جاتے۔ ایامِ طفلی میں یہ سبق اس نے خوب سیکھ لیا تھا کہ زابلستان یعنی کوہستانی ملک جو غزنی کے گرد ہے اُس کے پہاڑی باشندوں سے ہندوؤں کے راجاؤں کے بڑے لشکروں کو بھگا دینا کوئی بات نہیں لڑکپن میں ایک باغِ دلکشا لگوایا۔ اس میں مکانِ روح افزا بنوایا۔ ایک دن وہاں بڑا جشن کیا اور پدر بزرگوار اور امراء نامدار کو بنایا۔ باپ نے باغ اور مکان دیکھ کر پسند فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ ایسے باغ اور مکان تو اور بھی امیر بنوا سکتے ہیں۔ تجھ کو وہ عمارت

تعمیر کرنی چاہئے کہ جس کی برابری کوئی دوسرا نہ کر سکے سلطان محمود غزنوی نے پوچھا اے حضرت ایسی عمارت کونسی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اہلِ علم و فضل کے دلوں کی تعمیر ہے۔ جو کوئی نہال احسان اُن کی زمین دل میں لگائے گا اُس کا ثمر ہمیشہ پائے گا۔ یہ نصیحت کی بات سلطان محمود غزنوی کو ہمیشہ یاد رہی۔

امیر سبکتگین کا جب انتقال ہوا تو محمود کی عمر تیس برس کی تھی۔ اور وہ اس وقت نیشاپور میں تھا۔ امیر اسمٰعیل اُس کا چھوٹا بھائی باپ کے پاس تھا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس نے میدان خالی پا کر تاجِ شاہی سر پر رکھا۔ مگر بعض کا یہ قول ہے کہ باپ کی وصیت کے موافق وہ قبۃ الاسلام بلخ میں تخت پر بیٹھا۔ الحاصل وہی بادشاہ ہوا اور خزانہء شاہی کا مالک ہوا۔ سپاہ کی دلجوئی اور امراء کی خاطر داری میں خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ مقصد اس یہ تھا کہ سب کے دل میں اس کی جگہ ہو اور سلطان محمود غزنوی کی طرف سے اُن کا دل برگشتہ ہو۔ مگر اس دغا باز سپاہ اور امراءِ ناانصاف نے وہ دامن طمع دراز کیا کہ جس کا پر ہونا محال تھا۔ یہ سب حال جب سلطان محمود غزنوی کو نیشاپور میں معلوم ہوا تو اس نے بھائی کے پاس ایک تعزیت نامہ لکھ کر ابوالحسن جموی کے ہاتھ بھیجا' جس کا مضمون یہ تھا کہ ''امیر سبکتگین میرا تمہارا پشت پناہ اس دنیا سے رخصت ہوا مجھے اس دنیا میں کوئی چیز تجھ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اگر تیری عمر بڑی ہوتی اور تو زمانہ کا تجربہ کار ہوتا امور سلطنت کی وفائق سے اور ثباتِ ملک و دولت کی قواعد سے ماہر ہوتا تو میری عین آرزو ہوتی کہ تو تخت پر بیٹھے۔ باپ نے جو تجھ کو اپنا جانشین کیا وہ مصلحت تھی۔ اگر تخت خالی رہتا معلوم نہیں کیا فساد برپا ہوتا۔ تو پاس تھا۔ اس لئے تخت پر بٹھا دیا اب انصاف کی نظر سے تامل کر اور شریعتِ غرا کے بموجب دولت اور ملک کو تقسیم کر دارالسلطنت میرے حوالہ کر۔ بلخ خراسان کا ملک تیرے لئے صاف کئے دیتا ہوں۔'' مگر امیر اسمٰعیل نے بھائی کا یہ منصفانہ کلام نہ سنا۔ ناچار سلطان محمود غزنوی نے سوائے لڑائی کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ نیشاپور اور غزنی سے دونوں بھائی بارادۂ جنگ چلے۔ ہر چند بعض امیروں نے چاہا کہ اسمٰعیل بھائی کا کہنا مان جائے اور لڑائی نہ ہو۔ مگر یہ بات نہ بن پڑی دونوں بھائیوں میں ایک سخت لڑائی ہوئی تخت سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ رہا' غزنی فتح ہو گیا۔ اسمٰعیل گرفتار ہوا ایک دن سلطان محمود غزنوی نے بھائی سے باتوں باتوں میں پوچھا کہ اگر تو مجھ پر ظفریاب ہوتا تو تُو میرا کیا حال کرتا! اُس نے جواب دیا کہ

کسی قلعہ میں تجھے بند کرتا مگر تیرے لئے آرام و آسائش کا سارا اسباب مہیا کرتا۔ اُس وقت تو اس بات کو سلطان محمود غزنوی نے ٹال دیا مگر پھر اسمٰعیل کو جرجان کے قلعہ میں قید کیا لیکن اس کے لئے ہر قسم کے چین و آرام کا اسباب تیار کر دیا' پھر اس کی ساری زندگی قید میں ہی بسر ہوئی۔

طبقات اکبری کا مصنف لکھتا ہے

(امیر ناصر الدین) ترک نژاد غلام اوز الپتگین کا غلام ہے اور الپتگین امیر منصور بن نوح سامانی کا غلام ہے۔ وہ منصور بن نوح کی خدمت میں امیر الامراء کے مرتبے کو پہنچا۔ وہ (ناصر الدین) امیر منصور کی حکومت کے زمانے میں ابو اسحاق بن الپتگین کے ہمراہ بخارا آیا تھا اور اس کی سرکردگی میں وکالت کے مرتبے پر پہنچا۔ جب امیر منصور کی نیابت میں ابو اسحاق کو غزنین کی حکومت ملی' تو اس نے حکومت کا نظام امیر ناصر الدین کے سپرد کر دیا۔ اس کے انتظام نے حکومت میں استقلال پیدا کر دیا۔ جب ابواسحاق کا انتقال ہو گیا اور اس کا کوئی وارث نہ رہا تو سپاہ و رعایا نے ناصر الدین کی حکومت سے اتفاق ظاہر کیا اور اس کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے وہ اظہارِ قوت کے خیال سے حکومت کے کام میں مشغول ہو گیا اور ملک گیری کا منصوبہ بنایا۔

367ھ (78-977ء) میں طغان' جو ولایتِ بست کا حکمران تھا اور پایتور نے بست پر قبضہ کر کے طغان کو وہاں سے نکال دیا تھا' امیر ناصر الدین کے پاس آیا اور اس نے مدد چاہی۔ امیر ناصر الدین نے فوج کشی کر کے بست کو پایتور کے قبضے سے نکال کر طغان کے حوالے کر دیا اور طغان نے بہت سی شرائط کو قبول کر کے عہد کیا کہ وہ اس کی اطاعت سے روگردانی نہیں کرے گا۔ جب اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور عہد شکنی کی تو امیر ناصر الدین نے بست کو اس کے قبضے سے نکال لیا اور اس پر اپنا نمائندہ مقرر کر دیا چونکہ قصدار کا قلعہ اس کی حکومت کے قریب تھا اور وہاں کا حاکم بہت دلیر تھا' لہٰذا امیر ناصر الدین نے اس کی غفلت میں' اس کو گرفتار کر لیا اور آخر کار اپنے ملازموں میں داخل کر کے قصدار اس کی جاگیر میں دے دیا۔

امیر ناصر الدین شاہانہ عزم کے ساتھ غزنی اور جہاد پر کمربستہ ہو گیا۔ وہ ہندوستان پر حملے کرنے لگا وہاں سے غلام اور مالِ غنیمت لاتا تھا۔ جس جگہ کو فتح کرتا' وہاں

مسجد بنواتا تھا اور راجا جے پال کے ملک کی خرابی میں کہ جو اس زمانے میں ہندوستان کا خاص راجا تھا' کوشش کرتا تھا۔ راجا جے پال اس خرابی اور غارت گری سے کہ جو وہ اس کے ملک میں کرتا تھا' تنگ آ گیا۔ راجا نے ایک منظم لشکر اور بڑے بڑے ہاتھیوں کو لے کر امیر ناصر الدین پر حملہ کر دیا' وہ بھی نہایت مستقل مزاجی سے آگے بڑھا اور اپنے ملک کی سرحد پر جے پال کا مقابلہ کیا' بڑی سخت خوں ریزی ہوئی۔ امیر محمود غزنوی بن ناصر الدین نے اس جنگ میں داد شجاعت و مردانگی دی۔ کئی روز تک دونوں لشکروں میں مقابلہ و مقاتلہ ہوتا رہا۔

کہتے ہیں کہ اس نواح میں ایک چشمہ تھا۔ اگر اتفاق سے اس چشمے میں گندگی یا نجاست پڑ جاتی' تو آندھی' برف اور بارش بڑی شدت سے ہوتی۔ امیر محمود غزنوی نے حکم دیا کہ اس چشمے میں نجاست ڈال دی جائے۔ پس اس میں ہوا اور برف کی شدت ہو گئی جے پال کا لشکر کہ جو سردی کا عادی نہ تھا' عاجز آ گیا۔ بہت سے گھوڑے اور جانور مر گئے۔

جے پال نے پریشان ہو کر صلح کا دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ طے پایا کہ وہ پچاس ہاتھی اور کثیر رقم ناصر الدین کو بھیجے۔ وہ اپنے چند معتبر آدمیوں کو امیر کے پاس بطور یرغمال چھوڑ کر گیا اور امیر ناصر الدین کے چند معتبر آدمیوں کو مال اور ہاتھی سپرد کرنے کی غرض سے ہمراہ لے گیا تھا کہ مال ادا کرے۔ جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اس نے عہد شکنی کی اور امیر ناصر الدین کے آدمیوں کو قید کر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی امیر ناصر الدین نے بدلہ لینے کے ارادے سے لشکر کشی کر دی۔ جے پال نے بھی ہندوستان کے راجاؤں سے مدد مانگی اور تقریباً ایک لاکھ سوار اور بہت سے ہاتھی جمع کر کے مقابلے کے لیے آیا۔ لمغان کے نواح میں دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی۔ امیر ناصر الدین کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ بہت سا مال غنیمت' غلام' ہاتھی اور رقم ہاتھ آئی۔ جے پال بھاگ کر ہندوستان چلا گیا اور لمغانات کے علاقے پر امیر ناصر الدین کا قبضہ ہو گیا اور اس ملک میں اس کا سکہ رائج ہو گیا۔ اس کے بعد وہ امیر نوح بن منصور کی مدد سے آگے بڑھا۔ خراسان و ماوراءالنہر میں فتوحات حاصل کیں۔ ماہ شعبان 387ھ۔ اگست 997ء میں امیر ناصر الدین اس دارفانی سے رخصت ہو گیا لیکن اس کی حکومت کی مدت بیس سال رہی۔

ترک غلام

منہاج السراج کے مطابق سبکتگین ترک نسل کا ایک غلام تھا۔ ایک تاجر نصر حاجی

نے اسے اس وقت خریدا' جب وہ ابھی محض ایک لڑکا تھا۔ وہ اسے ترکستان سے بخارا لایا جہاں اس نے اسے الپتگین کے پاس فروخت کر دیا۔ سبکتگین نے الپتگین کے دیگر غلاموں کے ہمراہ تعلیم حاصل کی اور ہتھیاروں کے استعمال کے بارے میں پڑھا۔ وہ پہلے پہل اس بادشاہ کی ملازمت میں نجی گھڑ سوار تھا نہایت طاقتور اور پھرتیلا ہونے کے باعث جنگل میں اس کے لیے شکار کیا کرتا تھا۔ اوائل عمری میں ہی اس میں مستقبل کی عظمت کی جھلک نظر آ رہی تھی اس کا سرپرست اس کی صلاحیتوں کو بہت سراہتا اور بہت سی عسکری مہمات کے سلسلہ میں اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ اس نے جلد ہی اسے فوج میں اہم عہدوں پر فائز کر دیا آخرکار غزنی میں شاہی اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے حمایتیوں کو امیر الامراء اور وکیل المطلق کے خطاب سے نوازا۔ سبکتگین نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناصر الدین کا لقب اختیار کیا وہ خود کو امیر کہتا تھا۔

قندھار کو مطیع کرنے اور اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد اس نے زابولستان کے دارالخلافہ بست کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں اس کی ملاقات مشہور زمانہ ابوالفتح سے ہوئی' جنہیں ان کے علم و فضل اور ذہانت کے باعث اس نے اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ اس نے ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا' جو ابھی تک صرف برہما اور مہاتما بدھ کی پرستش سے واقف تھے۔ اس وقت پنجاب پر ہسپال کے بیٹے جے پال کی حکومت تھی' جس کا علاقہ ایک طرف سے دریائے سندھ سے لگمان اور دوسری جانب کشمیر سے ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔ 977ء میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ مشرق کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے بہت سے قلعے تسخیر کیے مسجدیں تعمیر کرانے کا حکم دیا اور بہت سے مال غنیمت کے ہمراہ غزنی کی طرف لوٹا۔

جے پال' جو اس وقت بھٹنڈا کے قلعہ میں رہائش پذیر تھا' اس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے پے در پے حملوں نے ملک کے امن و امان کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ لہٰذا اس نے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور بے شمار ہاتھیوں کو اس مقصد کے تحت جمع کیا کہ وہ ان کے ساتھ ان کی اپنی سرزمین پر حملہ کر دے گا۔ اس نے سندھ کو پار کیا اور لغمان کی طرف پیش قدمی کی' جہاں اس کی مڈبھیڑ سبکتگین کے ساتھ ہوئی۔ جب جھڑپیں شروع ہوئیں تو سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے جو اس وقت محض ایک لڑکا تھا' بہادر اور سپاہیانہ کارناموں

کے جوہر دکھائے۔ رات کے وقت زبردست طوفان باد و باراں اور ژالہ باری شروع ہو جانے کے باعث ہر طرف خوف و ہراس اور تباہی پھیل گئی۔ لاہور کے راجہ کے دستے بری طرح متاثر ہوئے اس کے بے شمار مویشی ہلاک ہو گئے۔ راجہ نے اپنی فوج کو منتشر ہوتے دیکھا تو اگلے روز صلح امن کر لی۔ سبکتگین ہندو راجہ کی درخواست قبول کرنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ نوجوان محمود غزنوی جو ایک پرجوش جنگجو تھا' اس کے اثر و رسوخ نے اسے یہ شرائط ماننے سے باز رکھا۔ جے پال نے بادشاہ کے پاس اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے دیگر سفیر روانہ کیے کہ بادشاہ سلامت! راجپوت سپاہیوں کی یہ رسم تھی کہ جب انہیں آخری حد تک پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے گھروں اور جائیداد کو نذر آتش کر دیتے تھے اور مایوسی کی حالت میں اپنے بال بکھیر کر دشمن کے اندر گھس کر اپنے آپ کو انتقام کے سرخ طوفان میں غرق کر دیتے تھے۔

سبکتگین جو راجہ کو مایوسی کی حالت میں تسخیر نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ شرائط ماننے پر تیار ہو گیا۔ راجہ امن کی قیمت کے طور پر دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر رضامند ہو گیا۔ راجہ نے پوری رقم کو اپنے پڑاؤ میں رہتے ہوئے ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہوئے اپنے ساتھ چند بااعتماد شخصیات کو لیا تاکہ لاہور سے باقی ماندہ رقم وصول کی جا سکے۔ جبکہ یرغمالیوں کو حفاظت کے پیش نظر سبکتگین کے پاس رہنے دیا۔ تاہم راجہ نے دارالخلافہ میں اپنے آپ کو محفوظ پا کر اپنے برہمن مشیروں کی ہدایت پر عمل کیا اور معاہدے سے منحرف ہو گیا لیکن اس نے مسلمان افسروں کو قید میں ڈال دیا۔ سبکتگین جو اس وقت غزنی پہنچ چکا تھا' اس نے جب یہ سنا تو سخت غضبناک ہو گیا۔ اس نے اسی وقت ہندو راجہ کی طرف سے کی گئی ہتک کا بدلہ لینے کے لیے بہت بڑی فوج کے ہمراہ لغمان کی طرف پیش قدمی کر دی۔

جے پال نے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس نے ہمسایہ ملکوں دہلی' اجمیر' کالینجر اور قنوج کے بادشاہوں سے اتحاد کر لیا اور متحدہ فوج جو 10 ہزار گھڑ سواروں اور بے شمار پیادہ فوج پر مشتمل تھی اور ہندو بہادری کا نشان تھی' اس نے مسلمان حملہ آوروں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے لغمان کی سرحدوں پر اپنے آپ کو ترتیب دے دیا۔ سبکتگین نے ایک قریبی پہاڑی پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستانی لشکر کا جائزہ لیا۔ جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سمندر کی طرح لامتناہی تھا۔ اس نے اپنے سرداروں

کے مستقبل کی شان وشوکت کے بارے میں حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان سے شجاعت کا مظاہرہ کرنے کی درخواست کی ہر ایک کو فرداً فرداً احکامات دیے اور تعداد میں کم اپنے سپاہیوں کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کر دیا پھر انہیں حکم دیا کہ وہ ہندو فوج کے کمزور مقام پر پے در پے حملے کریں۔ اس نقل وحرکت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر دشمن کی منتشر صفوں میں تازہ دم دستے مستقل طور پر روانہ کیے جائیں تو ہندوؤں کے گھڑ سوار دستوں میں ابتری اور دہشت پھیل سکتی ہے۔ سبکتگین نے اس ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عام حملے کا حکم دے دیا اور ہندو ہر مقام پر ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان فوجی دستوں نے نیلاب کے کناروں تک ان کا تعاقب کیا۔ اس فاتح نے دریائے سندھ کے مغربی علاقوں سے بھاری تاوان وصول کیا اور لغمان و پشاور کو اپنی سلطنت کی مشرقی سرحد بنانے کے بعد اس نے دس ہزار گھڑ سواروں کے ہمراہ اپنے ایک افسر کو مفتوحِ ملک کا نظم ونسق سونپا اور غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

سبکتگین اپنی باقی ماندہ زندگی میں اپنی سلطنت کے شمال مغرب میں عسکری مہمات میں مصروف رہا۔ وہ اگست 997ء میں 56 سال کی عمر میں اور 20 سال حکومت کرنے کے بعد بلخ کے نزدیک تیمر وز میں انتقال کر گیا۔ اس کی میت کو دفن کرنے کیلئے غزنی لے جایا گیا۔

سبکتگین ایک ایسا بادشاہ تھا' جس میں غیر معمولی شجاعت اور ہوش مندی کے علاوہ مساوات اور اعتدال پسندی بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس کا وزیر ابوالعباس فضل تھا جو حکومت کے معاملات کو بڑی ذہانت اور قابلیت سے نپٹاتا تھا۔

ماثر الملک کے مصنف کے مطابق سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے اپنے باغ میں نہایت عالیشان گھر تعمیر کروایا او یک پُر تکلّف دعوت میں اپنے والد کو مدعو کیا۔ اس عمارت کی خوبصورتی' ذوق اور کمال فن نے نوجوان شہزادے کو اس بات پر اکسایا کہ وہ اس بارے میں اپنے والد کی رائے حاصل کرے لیکن سبکتگین نے نہایت مایوسی کی حالت میں اپنے بیٹے سے کہا کہ اس نے اسے محض ایک کھلونے کی مانند دیکھا ہے' جسے اس کی رعایا میں سے دولت کے ذریعہ سے کوئی بھی تعمیر کر سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک شہزادے کا کام یہ ہے کہ وہ شہرت کی ایسی دیرپا یادگاریں تعمیر کرے جو شان وشوکت کے ستونوں کی طرح ہمیشہ قائم

رہیں۔ اچھے کارناموں کی طرح' جو تقلید کے قابل ہوں اور اولاد ان پر سبقت لے جانے میں دشواری محسوس کرے۔ سمرقند کے شاعر نظام اورازی نے اس بارے میں مشاہدہ کیا ہے کہ محمود غزنوی کے تعمیر کردہ سبھی عالیشان محلوں میں کسی کا ایک پتھر بھی باقی نہیں بچا لیکن اس کی شہرت کی عمارت ابھی تک وقت پر حاوی ہے اور اس کی عظمت کی دیرپا یادگار باقی ہے۔

الپتگین

پانچویں سامانی بادشاہ کا ایسا ہی ایک زرخرید ترک غلام الپتگین تھا۔ جس کو ایک ادنیٰ محافظ کے طور پر دربار میں ملازم رکھا گیا تھا۔ وہ اپنی بے پناہ ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کرتا ہوا پہلے حاجب الحجاب یعنی محافظین کا کمانڈر بن گیا اور بعد میں 10 فروری 961ء کو خراسان کا گورنر مقرر ہو گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد نیا سامانی امیر تخت نشین ہوا' جس نے اُسے برطرف کر دیا لیکن اُس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بلخ چلا گیا۔ سامانی امیر نے 12000 پر مشتمل ایک فوج بھیجی' جسے الپتگین نے اپریل 962ء میں شکست دے دی۔ اس کے بعد اس نے غزنی کی چھوٹی سی ریاست پر چڑھائی کی جس کا سربراہ ابوبکر لائق تھا۔ اس کا نام تو مسلمانوں والا تھا لیکن یہ مسلمان نہیں تھا۔ سیاسی طور پر یہ ہندو شاہیوں کا حامی تھا جن کا پایہء تخت کابل تھا اور غالباً یہ شاہِ کابل کا رشتہ دار (بہنوئی یا سالا) بھی تھا۔ اس کا نام انوک بھی آیا ہے۔ ابوبکر اس جنگ میں فرار ہو گیا اور الپتگین کا غزنی پر قبضہ ہو گیا۔ اب وہ امیر الپتگین کہلانے لگا۔ یہاں پھر سامانی بادشاہ نے (دس یا بیس) ہزار فوج سے حملہ کیا لیکن یہ حملہ بھی پسپا کر دیا گیا۔ اب سامانیوں نے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ ادھر ابوبکر لائق ابھی زندہ تھا شاید وہ پنجاب کے ہندو شاہی حکمرانوں کے پاس کابل چلا گیا تھا جن کی حکومت کابل تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب کی ہندو شاہی سلطنت اور غزنی کے ترک غلاموں کی سلطنت کی سرحدیں آپس میں مل رہی تھیں اس علاقے پر بالادستی کے لئے ہندوشاہیوں اور آزاد شدہ غلام مسلمان ترکوں میں اقتدار کی رسہ کشی کا سامان پیدا ہو چکا تھا۔ اگرچہ سلطنت سازی کی ان جنگوں کی اصل وجہ تو ان علاقوں کی مشترکہ خارجہ تجارت تھی۔ غالباً غزنی پر قبضہ سے بھی پہلے الپتگین نے کابل پر قبضہ کرنے کے لئے ہندو شاہیوں سے 3-962ء میں جنگ کی تھی جس میں اسے فتح ہوئی تھی۔ یہ نہیں

معلوم کہ اس وقت ہندوشاہی بادشاہ کون تھا۔ یقیناً یہ جے پال کا پیشرو ہو گا کیونکہ جے پال 965ء میں برسراقتدار آیا۔ الپتگین کی وفات 13 ستمبر 963ء کو ہوئی تو اس کا بیٹا ابواسحٰق ابراہیم اس کی جگہ ریاست غزنی کا امیر بنا۔ وہ کمزور اور نااہل حکمران تھا۔ فوجی افسروں کی باہمی لڑائیوں کو کنٹرول نہ کر سکا۔ ان حالات میں ابوبکر لائق کا بیٹا ابوعلی لائق ہندوشاہیوں سے مدد لے کر غزنی پر حملہ آور ہوا۔ کیونکہ لائق خاندان ہندوشاہیوں کا رشتہ دار تھا۔ ابواسحٰق بھاگ کر سامانی سلطنت کے پایۂ تخت بخارا چلا گیا۔ وہاں اُس نے سامانیوں سے اپنے مرحوم باپ کی غلطیوں کی معافی مانگی اور ان سے فوجی امداد لے کر غزنی پر حملہ کر کے لائق کو نکال باہر کیا۔ ابواسحٰق ۲۶ ستمبر ۹۶۵ء کو فوت ہو گیا تو فوجی جرنیلوں نے حکومت الپتگین کے ایک ترک غلام بلکتگین کے حوالے کی۔ بلکتگین کو سامانی وزیر فائق نے دبانے کی کوشش کی اور بالآخر اس پر حملہ بھی کیا۔ فائق کی کوشش تھی کہ ترکوں کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔ لیکن بلکتگین نے الٹا اس حملہ آور فوج کو کچل دیا۔ وہ بہت بلند کردار کا مالک تھا اور اپنے ملک میں بہت مقبول تھا۔ اس کی وفات ۹۷۵ء میں ہوئی۔ بلکتگین کی جے پال سے کسی جھڑپ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکتگین کی وفات کے بعد اس کا ایک غلام پری تگین غزنی کا امیر بنا۔ پری تگین بہت ظالم اور غیر مقبول بادشاہ تھا۔ چنانچہ لوگوں نے سابقہ بادشاہ ابوعلی لائق ولد ابوبکر لائق کو (جو کہ غیر مسلم غالباً ہندو تھا) خط لکھ کر غزنی پر حملے کی دعوت دی۔ ہندوشاہیوں نے اس موقع پر لائق کی بھرپور مدد کی۔ ابوعلی لائق کو کابل شاہ نے جو فوج دی۔ اس کی قیادت اس کا بیٹا کر رہا تھا۔ گوربخش سنگھ کا خیال ہے یہ کابل شاہ جے پال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے حکومت کرتے ہوئے دس سال ہو چکے تھے۔ کابل اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ یہ فوجیں کابل سے غزنی کی طرف مارچ کر رہی تھیں کہ غزنی کا ایک انتہائی بہادر اور لائق جرنیل سبکتگین پانچ سو کفن بردوش مجاہدوں کو لے کر راستے میں چرک کے مقام پر اچانک ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس اچانک حملے میں ابوعلی لائق اور کابل شاہ کا بیٹا دونوں مارے گئے۔ باقی فوج حواس باختہ ہو کر بھاگ گئی۔ اس فتح کے فوراً بعد غزنی کے فوجی جرنیلوں نے پری تگین کو برطرف کر کے سبکتگین کو اپنا بادشاہ چن لیا۔ یوں الپتگین ڈھائی سال، اسحٰق دو سال، بلکتگین دو سال اور پری تگین ڈیڑھ سال برسراقتدار رہا۔

سبکتگین

سبکتگین کو غزنی کے جرنیلوں نے 20 اپریل 977ء میں پری تگین کی جگہ غزنی کا بادشاہ (امیر) بنایا نیز انہوں نے سبکتگین کی شادی الپتگین کی بیٹی سے کر دی۔ سبکتگین نے اپنی زندگی کا آغاز ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے کیا تھا۔ وہ الپتگین کا زرخرید غلام تھا۔ اس کے آباؤ اجداد نسلاً ایرانی تھے لیکن بعد میں ترکوں میں شادیاں کر کے وہ آدھے ترک ہو گئے تھے۔ سبکتگین کو محض اس کی ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر الپتگین نے لشکر کے امیر الامراء (کمانڈر انچیف) عہدے پر فائز کیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے غزنی کی سلطنت کو چاروں سمتوں میں پھیلانا شروع کیا۔ اسی جدوجہد میں اس نے (994ء میں) مشرقی خراسان میں بست کے قلعے کو فتح کیا اور اس کے بعد اس نے فرشتہ کے بقول قصرار اور محمد ناظم کے بقول خوشدار کو فتح کیا۔ دراصل قصرار اور خوشدار سے مراد موجودہ خضدار (بلوچستان) ہے جس پر اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس نے پنجاب کی سرحدی چوکیوں پر بھی حملے کئے۔ بخارا کو فتح کیا۔ فرشتہ کے بقول 927ھ (977ء) میں اس نے ہندوستان پہنچ کر چند قلعے فتح کیے۔ اکثر جگہوں پر مسجدیں تعمیر کرائیں اور بہت سامان غنیمت لے کر واپس غزنی پہنچا۔ ہندوستان سے یہاں مراد ہندو شاہی سلطنت ہے۔

سبکتگین کی جے پال سے جنگ

سبکتگین کے ان حملوں کے جواب میں جے پال نے جو اس وقت بھٹنڈہ کے قلعے میں مقیم تھا، ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ کیا۔ غزنی اور لمغان کے درمیان میں غورک کے مقام پر جنگ ہوئی۔ جے پال کی فوجی طاقت زیادہ تھی لیکن کئی دن تک جنگ ہوتی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ایک دن اچانک برفباری کا طوفان شروع ہو گیا، جس میں ہزاروں جانور اور سپاہی مر گئے اور ہندو شاہی فوجوں کو شکست ہو گئی۔ انہوں نے تاوانِ جنگ کی پیشکش کر کے صلح کی درخواست کی۔ شہزادہ محمود غزنوی جس کی عمر چودہ پندرہ سال تھی۔ جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھا لیکن امیر سبکتگین نے معاہدے کے حق میں فیصلہ دیا۔ کیونکہ ہندوشاہیوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر شکستِ فاش ہونے لگی تو وہ سب مال و

دولت کو جلا کر خود بھی جل مریں گے پھر تمہارے ہاتھ راکھ کا ڈھیر' پتھر' لاشیں اور بکھری ہوئی ہڈیاں آئیں گی۔ چنانچہ طے پایا کہ جے پال، سبکتگین کو تاوان کے طور پر دس لاکھ دینار' کچھ سرحدی قلعے اور پچاس ہاتھی دے گا۔ سبکتگین نے اس کے چند رشتہ داروں کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھ لیا تاکہ وہ معاہدے سے نہ پھر جائے۔ غورک سے جے پال سبکتگین کے چند نمائندوں کو لے کر واپس آیا اور بقول فرشتہ لاہور پہنچا۔ یہ صحیح معلوم نہیں کہ اس کا پایہء تخت تب لاہور تھا یا اوبھنڈ پور' لیکن شواہد یہی کہتے ہیں کہ اوبھنڈ پور ہی تھا۔ بہرحال اس نے اپنے پایہ تخت پہنچ کر سبکتگین کے نمائندوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور کہا کہ جب تک سبکتگین میرے عزیزوں کو رہا نہیں کرے گا' میں اس کے آدمیوں کو قید میں رکھوں گا۔ اس کے نتیجے میں سبکتگین ایک بہت بڑی فوج لے کر غزنی سے پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں آنے والے ہر مندر کو مسمار کرتا گھروں اور کو آگ لگاتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ جے پال نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے دہلی' کالنجر' قنوج اور اجمیر کے راجوں سے فوجی مدد طلب کی۔ ان سب کی فوج لے کر (جو ایک لاکھ سواروں اور بقول فرشتہ ''ان گنت'' پیادوں پر مشتمل تھی۔) وہ غزنی کی طرف بڑھا۔ جلال آباد سے 19 کلو میٹر جنوب میں دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ اس بار بھی جے پال کی فوج زیادہ تھی لیکن سبکتگین نے گوریلا طریقہ جنگ اپناتے ہوئے پانچ پانچ سو گھڑسواروں کے کئی دستے بنائے اور کہا کہ سب باری باری حملہ کریں۔ اس طریقے سے وہ جے پال کی فوجوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ ہندو شاہی فوج کے بیشتر فوجی مارے گئے باقی جو بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دریائے نیلاب (دریائے سندھ بمقام اٹک) تک ترکوں نے ان کا پیچھا کیا لیکن اوبھنڈ پور کو فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔ یوں لمغان سے یہاں تک کا علاقہ ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس جنگ میں بہت سامال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ سبکتگین نے اپنے ایک سردار کو مفتوحہ علاقہ کا گورنر مقرر کر کے پشاور میں متعین کیا۔ 991ء میں سبکتگین نے ملتان کے اسماعیلی حکمران شیخ حمید کو حملے کی دھمکی دی۔ اس نے فوراً سبکتگین کی اطاعت قبول کی اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اس زمانے میں لاہور کے راجہ بھرت نے جو کہ جے پال کا باجگذار تھا' جے پال کے خلاف گڑبڑ شروع کر دی۔ حالانکہ جے پال نے اسے اندرونی خودمختاری دے رکھی تھی۔ بھرت نے جہلم میں نندنہ اور ٹکیسر کی کانوں پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کی۔ جے پال نے اپنے بیٹے

آنند پال کو فوج دے کر بھیجا' جس نے بھرت کو شکست دی اور یوں بھرت خراج دینے پر رضامند تو ہو گیا لیکن جلد ہی اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اب نے حملہ کر کے اسے اقتدار سے ہٹا دیا اور خود گورنر لاہور بن گیا۔ جے پال کی وفات 1001ء تک آنند پال گورنر لاہور رہا۔ آنند پال کی فتح لاہور کے زمانے میں سبکتگین نے کسی بات سے ناراض ہو کر محمود غزنوی کو جیل میں ڈال دیا۔ جے پال نے اسے خط لکھا کہ تمہارے باپ نے تمہیں جیل میں ڈال کرنا شکرے پن کا ثبوت دیا ہے' اگر تم ہمارے ساتھ مل جاؤ تو میں اپنے آدمی بھیج کر تمہیں جیل سے چھڑا لوں گا۔ پھر ہم تمہیں اپنے ملک میں لے آئیں گے۔ میں اپنی بیٹی سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ دولت اور تمہارے باپ سے بڑی افواج تمہیں دوں گا لیکن محمود غزنوی نے جواب میں اسے جو خط لکھا' اس میں اسے کتا اور کافر کہا اور لکھا کہ میرا باپ میرا مالک اور میرا قائد ہے۔ اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے' وہ تو حاکم ہے۔ تمہارے خط کا جواب یہ ہے کہ جب خدا نے مجھے اس قید سے رہائی دی تو میں اپنی فوج کے ساتھ تمہارے ملک پر حملہ کر دوں گا اور تمہیں گرفتار کروں گا۔ یہ پیشکش دراصل شادی کے ذریعے غزنوی اور ہندوشاہی سلطنتوں کو ایک کرنے کی کوشش تھی۔ جس میں یقیناً بالادستی شاہیوں کی ہوتی۔ اسی لئے محمود غزنوی نے پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ جے پال کی وفات کے ساتھ ہی ہندوہی سلطنت کا پایہء تخت اور اوبھنڈ پور سے نندنہ منتقل ہو گیا۔

سبکتگین نے بیس سال حکومت کی۔ آخری دنوں میں اس کا قیام بلخ میں تھا جہاں وہ بیمار ہو گیا۔ جب کافی علاج معالجے سے ٹھیک نہ ہوا تو اس نے تبدیلی آب و ہوا کے لئے غزنی کا ارادہ کیا۔ راستے میں ترمذ کے مقام پر پہنچ کر رک گیا۔ اب وہ مزید سفر کے قابل نہ رہا تھا۔ یہیں 55 سال کی عمر میں اگست 997ء میں سبکتگین نے وفات پائی۔ اس کی میت کو غزنی لا کر دفن کیا گیا۔



باب 2

سلطان محمود غزنوی کا دورِ حکومت

محمود غزنوی ابنِ سبکتگین نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔ مصنف طبقاتِ ناصری لکھتا ہے:۔

"امام ابوالفضل بیہقی می آرد کہ فصر حاجی مرد بازرگان بود درعہدِ امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخرید بہ بخارا برد چو اثار کیا ست و جلادت برناصیہء اوظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب تجرید و در خدمت الپتگین بہ طخارستان رفت وقتیکہ ایالت طخارستان حوالہ اوشد"۔

خاندانی حالات

سلطان محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین، امیر الپتگین کے داماد تھے۔ الپتگین امرائے دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے مفاریہ خودمختار ہوئے۔ ان ہر دو کی حکمرانیاں ماوراء النہر کے علاقہ پر تھیں۔ دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل و قندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر الپتگین مذکور جو امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ یہ شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ جس کا منشاء اپنی سلطنتِ غزنی کو وسعت و استحکام دینا تھا۔ وہ اپنی 33 سال کی حکمرانی میں کامیاب ہوا۔

اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، کو ہلا

ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف' کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو، دوسری طرف خود اپنے آقا سانیون کی سلطنت' تیسری طرف ویلمیوں اور طبرستان کی حکومت آل زیاد کو مشرقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے' پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو' ادھر لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے

سلطان محمود غزنوی کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا۔ وہ اپنے دور میں سب سے پہلے 390ھ' 1000ء میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ راجہ جے پال نے شکست کھائی اور گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے بڑھ کر دوسرے شہر ہند پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت آنند پال کے سپُرد کر کے چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔

395ھ میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی کی۔ اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی پھر بھیرہ اور اس کے مضافات سلطنتِ غزنی میں ملائے۔ ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی۔ 396ھ، 1005ء میں سلطان محمود غزنوی اس کو سزا دینے آیا۔ رائے آنند پال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا۔ ابو الفتوح نے سلطان محمود غزنوی کی اطاعت قبول کی۔ سلطان محمود غزنوی نے آنند پال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا' پھر مرتد ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی 398ھ، 1007ء میں اس کی گوشمالی کے لیے آیا اور حبسِ دوام کی سزا دی۔

پھر 399ھ' 1008ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ آنند پال کی مدد پر اجین' گوالیار' کانجر' قنوج' دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا۔ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر

کے لڑائی میں مدد دینے کے لئے روپیہ بھیجا مگر ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خانہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے سکے۔ سلطان محمود غزنوی نے راجپوتوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ سلطان محمود غزنوی کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا' جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد رایانِ ہند یکے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے گئے۔ اس حملہ میں سلطان محمود غزنوی نے نگرکوٹ (کانگڑہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد 401ھ، 1010ء میں ابو الفتوح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے 404ھ، 1013ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندونا لیا۔ 405ھ، 1014ء میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر 406ھ، 1015ء میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی۔ اس کے بعد 409ھ، 1017ء میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر 412ھ، 1020ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ 413ھ، 1021ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کر لیا۔ آنند پال کے لڑکے ترلوکن پال کا انتقال ہو چکا تھا۔ راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا' جہاں 1026ء میں اس نے وفات پائی۔

سلطان محمود غزنوی نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد 414ھ، 1022ء میں گوالیار اور کالنجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر 417ھ، 1026ء میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی اور 419ھ، 1027ء میں جاٹوں کی چھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح سلطان محمود غزنوی کے براہِ راست قبضہ میں پنجاب' سندھ اور ملتان کے صوبے آ گئے۔ کشمیر' قنوج' کالنجر' گوالیار اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا حقیقی سبب یہ تھا کہ مندر دولت کا خزانہ تھے۔ زرو جواہر کا انبار تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کے ان حملوں میں بے شمار مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی' جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں۔ جس حجرے میں بُت تھا' اس کی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ روشنی

کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے جن کی جگمگاہٹ سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔ سلطان محمود غزنوی کے یہ حملے بت شکنی کے لئے نہیں' حصولِ زر کے لئے تھے اس مقصد میں وہ اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب رہا۔

صوبہ پنجاب کی نظامت

سلطان محمود غزنوی نے پنجاب کو سلطنتِ غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور دراز ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظام قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامات اختیار علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابوالحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارک کو مامور کیا لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا۔ یہ دونوں براہِ راست غزنی کے ماتحت تھے اور پرچہ نویسی پر ابوالحکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا' اس کو غزنی پیارا تھا اسی کو اس نے آباد کیا۔ تاہم ہندوستان سے اس کا ایک رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفہ بغداد کو بھی دھمکی دینے سے باز نہ آیا اور الفیل ما الفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔ اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنوایا اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکہ ہندی زبان میں جاری کیا اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تو لک بھی رکنِ سلطنت تھا۔

جب سلطان محمود غزنوی کو بھائی کی لڑائی سے فراغت ملی تو وہ بلخ کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خراسان میں امیر الامرائی کا منصب آلِ سامان کی طرف سے کہتا تھا' امیر منصور نے بکتوزوں کو تفویض کر دیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے بخارا میں امیر منصور کے پاس ایلچی بھیجا اور اپنی رنجش کا اظہار کیا۔ امیر نے یہ جواب دیا کہ بلخ و ہرات و ترمذ کی امارت تم کو دی گئی اور بکتوزوں کو خراسان کی' وہ بھی ہماری دولت کا بندہ ہے اُس کو معزول کرنا مناسب نہیں۔ سلطان نے ابوالحسن حموی کو بہت سے تبرکات اور تحائف دے کر بخارا بھیجا اور امیر منصور سے یہ پیغام کیا کہ مجھے ایسی توقع ہے کہ آپ کی اور میری دوستی کا

سرچشمہ بے التفاتی کی خس و خاشاک سے کم نہیں ہوگا میرے اور میرے باپ کے حقوق آل سامان پر ہیں' جو ضائع نہیں جائیں گے۔ رشتہ الفت ختم نہ ہوگا اور بنائے متابوت و مطاوعت منہدم نہیں ہوگی۔ جب ابوالحسن جموی بخارا میں پہنچا تو امیر منصور نے اس کو منصب وزارت کی نوید سنائی۔ وہ تو سفارت کو چھوڑ اپنی وزارت کے شغل میں مصروف ہوا۔ پیغام کے جواب کی طرف اصلاً متوجہ نہ ہوا' سلطان بانصرور نیشاپور کو روانہ ہوا۔ جب اس کے ارادہ سے بکتوزون واقف ہوا تو ایک عرضداشت بخدا بھیج کر صورت حال کو بیان کیا۔ امیر منصور غرور و جوانی کے زور کے سبب سے سپاہ جمع کر کے خراسان کی طرف روانہ ہوا اور سرخس تک برابر چلا گیا' کسی جگہ نہیں ٹھہرا۔ سلطان محمود غزنوی اگرچہ جانتا تھا کہ اس سے مقابلہ کرنے کی طاقت امیر منصور نہیں رکھتا لیکن کفرانِ نعمت کی بدنامی کی سرزنش کے خوف کر سے نیشاپور واپس چلا آیا اور مرغاب میں گیا۔ بکتوزوں نے فائق کی صلاح سے غدر مچایا' امیر منصور کو گرفتار کر کے اندھا کیا اور عبدالملک' کہ خرد سال تھا تخت پر بٹھایا۔ سلطان محمود غزنوی سے ڈر کر مرو کو چلا گیا۔ سلطان نے اس کا تعاقب کیا۔ بکتوزوں اور فائق دونوں نے ملکر سلطان کا مقابلہ کیا۔ سلطان محمود غزنوی کو فتح ہوئی۔ ان نمک حراموں کو شکست ہوئی۔ عبدالملک کو فائق لیکر بخارا پہنچا۔ اور بکتوزوں نے نیشاپور کی راہ لی اور کچھ دنوں بعد بخارا آیا اور پراگندہ لشکر جمع کرنے کی فکر میں ہوا۔ اس اثناء میں فائق بیمار ہو کر مر گیا۔ اور ملک خان کاشغر سے بخارا کی طرف متوجہ ہوا۔ عبدالملک اور اس کے تمام متعلقین کا کام تمام کیا۔ دولت آل سامان کو (جو ایک سو اٹھائیس سال تک فرمانروا رہی۔) انتہا کو پہنچایا تو سلطان محمود غزنوی بلخ' خراسان کی حکومت میں مصروف ہوا۔ چاروں طرف اس کی جوانمردی اور شجاعت کی دھوم مچ رہی تھی۔ خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی نے خلعت گرانمایہ ارسال کیا۔ امین الملتہ یمین الدولہ کا خطاب اُس کو دیا۔ 390ھ میں بلخ سے ہرات اور ہرات سے سیستان آیا۔ یہاں کے حاکم حنیف بن احمد کو مطیع کر کے غزنی آیا۔ پھر اسی زمانہ میں ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا' اُس کے چند قلعے والئے اور غزنی چلا گیا۔ ماوراءالنہر میں آل سامان کو ایلک خان نے خلاص کیا اور ایک خط سلطان محمود غزنوی کو لکھا جس میں مملکتِ خراسان پر حکمرانی کی مبارک باد دی۔ ان دونوں بادشاہوں میں دوستی و یگانگی کی بنا مستحکم ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی نے بھی ابوالطیب سہیل بن سلیمان کو سفیر بنا کے ایلک خان کے پاس بھیجا اور اس کو بہت سے جواہر

تحفہ بھیجے۔ غرض مدتوں تک ان دونوں بادشاہوں میں دوستانہ خط و کتابت رہی اور ایک دوسرے کو تحائف بھیجتے رہے مگر آخر میں یہ محبت عداوت سے بدل گئی۔

اب سلطان محمود غزنوی خودمختار ہو گیا۔ آل سامان سے جو کچھ تعلق تھا' اس سے بےتعلق ہوا۔ خطبوں وسکون سے اُس کا نام نکالا۔ اس کی جگہ اپنا نام جاری کیا۔ سب گھر کے لڑائی جھگڑوں سے فارغ ہوا۔ سلطنت کا انتظام اور گھر کا بندوبست کیا' پھر وہ ارادہ کیا جوان دنوں مسلمانوں میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا اور فیروز مند بادشاہوں کے شایان تھا یعنی اسلام کا ہندوستان میں پھیلانا اس کے ہندوستان پر بارہ حملے مشہور ہیں۔ مگر وہ سترہ دفعہ ہندوستان آیا۔ تاریخوں میں ان مہمات میں اختلاف ہے۔ جن مقامات پر وہ حملہ آور ہوا تاریخوں میں اس کی املا ایسی مختلف ہے اُن سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ مقامات اب کہاں ہیں۔ سوائے اس کے ترتیب مہمات میں اختلاف ہے۔ کوئی کسی مہم کو اول لکھتا ہے' کوئی اس کو پیچھے تحریر کرتا ہے۔ فرنگستانی محققین نے ان کی ترتیب میں اور مقامات کی تشخیص میں اپنی فکرِ دقیق سے بہت سے عقدے حل کئے ہیں۔ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

فرشتہ اور نظام الدین احمد نے لکھا ہے کہ ''390ھ کے قریب سلطان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اس نے کئی قلعے فتح کئے اور ان میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے۔ ان (مہم اول) فتوحات کے بعد وہ غزنی واپس آیا مگر اس کا ذکر تاریخ یمینی میں نہیں ہے۔''

391ھ۔ 1001ء میں سلطان دس ہزار چیدہ سوار لیکر غزنی سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ پشاور کے قریب اس کے باپ کا قدیمی دشمن جے پال والئی لاہور بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیدل اور تین سو زنجیر فیل لیکر لڑنے کے لئے کھڑا ہوا مگر اس نے شکست پائی اور اپنے پانچ ہزار آدمیوں کی جانیں گنوائیں خود آپ پندرہ عزیزوں کے ساتھ اسیر ہوا۔ سلطان محمود غزنوی نے بھٹنڈہ کے قلعہ کو فتح کر کے مسمار کیا۔ اس کے بعد سلطان غزنین کو چلا آیا تو راجہ جے پال کو ساتھ لایا۔ اس نے خراج و باج کا عہد و پیمان لیا اور چھوڑ دیا۔ اس کے عزیزوں سے بھی فدیہ لیکر رہا کیا۔ جب یہ راجہ رہا ہو کر اپنے ملک واپس آیا تو شکست پر شکست کھانے سے اور قید ہونے سے اس کو شرم آئی یا کوئی مذہبی مسئلہ ایسا تھا کہ جب راجہ دو دفعہ دشمنوں سے ہزیمت اُٹھائے یا اُنکے ہاتھ میں قید ہو تو پھر راج کے قابل نہ ہے اور اس گناہ کا کفارہ آگ میں جل کر کرے۔ اس نے راج کو اپنے بیٹے آنند پال کو دیا اور خود جلتی

آگ میں جل کر خاکستر ہوا۔ فرنگستانی محققین نے قلعہ بھٹنڈہ کی تحقیق میں بہت جانفشانی کی ہے' کوئی ان میں سے کہتا ہے کہ وہ ستلج پار تھا۔ سلطان محمود غزنوی بے روک ٹوک اس دریا کے پار اُتر آیا اور اُس کو فتح کر لیا۔ کرنیل ٹوڈ کہتے ہیں ''وہ بڑا آباد اور نامی مقام تھا اور لاہور کا راجہ یا لاہور میں یا اس قلعہ میں رہا کرتا تھا۔'' سر جان الیٹ نے بعد تحقیق یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ بھٹنڈہ کوئی نیام مقام نہیں ہے بلکہ وہ بائیں ہند یا دائیں ہند ہے جیسا کہ تاریخِ یمینی میں لکھا ہے ''یہ ایک مقام دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر مشہور و معروف ہے۔ اٹک سے پندرہ میل' لاہور اور پشاور کے قدیمی شارع اعظم پشاور سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہے' وہ مشرقی قندھار کا دارالسلطنت تھا۔'' ابوالفدا امورِ بیرونی اور بیہقی نے سکندرِاعظم کو اس کا باقی قرار دیا ہے۔ اب اس کو ہنڈ کہتے ہیں' آگے معلوم ہو گا کہ اس بات کے ماننے سے کئی تاریخی عقدے حل ہوتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی 393ھ میں سیستان گیا اور وہاں کے حاکم حنیف کو غزنی لے آیا پھر ہندوستان کی طرف اس کی توجہ ہوئی۔ 395ھ میں بلدہ بھاطیہ بھٹیز (تیسری بھٹنیر کی فتح) کی طرف روانہ ہوا۔ حدود ملتان میں دریا سندھ سے گزر کر بھٹیز کی دیوار کے نیچے پہنچا۔ اس شہر کی فصیل اونچی اور مضبوط تھی لیکن اُس کے گرد خندق تھی۔ وہاں کے راجہ بج رائے کو اپنے لشکر پر بڑا غرور تھا۔ ناصر الدین سبکتگین کی طرف سے جو سرحد پر حاکم مقرر تھے' نہ ان کی وہ اطاعت کرتا' نہ راجہ جے پال کی شرائطِ فرمانبرداری کو بجالاتا تھا۔ جب اس نے سلطان محمود غزنوی کا لشکر دیکھا تو وہ اپنے شہر سے لشکر اور ہاتھیوں سمیت نکلا کہ اُن سے مسلمانوں کے لشکر کو ڈرائے۔ سلطان تین دن اور رات برابر اس سے لڑا لیکن اس میں بھی معلوم نہ ہوا کہ منصور کون ہے اور مقہور کون قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ اُس لئے چوتھے روز سلطان نے منادی کی کہ آج جنگ سلطانی ہو گی چاہئے کہ جو آدمی نوکر ہیں یا جوان و پیر سب لڑائی کے لئے مستعد ہوں اور میدان جنگ میں آئیں۔

راجہ بجے رائے یہ سن کر اپنے بت خانہ میں گیا اپنے معبُود سے امداد چاہی، ہندوؤں کو تکمیلِ صلاح کے لئے حکم دیا اور روز مگاہ میں بڑی شان و شوکت سے آیا۔ مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا۔ چاشت سے سہ پہر تک خوب حرب و ضرب رہی' کشتون کے پشتے لگے۔ کسی لشکر پر آثارِ عجز و ضعف نہیں ظاہر ہوئے۔ سلطان محمود غزنوی اوّل درگاہ معبُود میں متوجہ ہوا۔ پھر اُس نے خود دشمن کی سپاہ کے قلب پر حملہ کیا اور لشکر کو ہزیمت دی' راجہ بجے رائے حصار میں آیا۔

حصار کا بھی سلطان نے محاصرہ کیا۔ خندق کے بھرنے کا حکم دیا۔ راجہ ایسا مضطفر اور متحیر ہوا کہ اپنے خاص ملازموں کے ساتھ رات کو پیادہ پا جنگل کو بھاگ گیا اور کسی پہاڑی پر پناہ لینی چاہی سلطان نے سپاہ کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ اس نے جا کر راجہ کو ایسا گھیرا کہ جیسے گریبان گلے کو گھیرتا ہے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ اس نے خنجر سے اپنے تئیں آپ مار ڈالا۔ پھر محمود غزنوی نے 396ھ میں ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا۔

والی ملتان حمید لودہی امیر ناصر الدین سبکتگین کے ساتھ اخلاص رکھتا تھا اور اس کی خدماتِ شائستہ بجالاتا تھا۔ پوتا ابوالفتح داؤد بھی اپنے دادا کے طریقہ پر چلتا تھا اور سلطان کی اطاعت کرتا تھا۔ مگر جب بلدہ بھٹیز کے محاصرہ میں سلطان مصروف تھا تو اس نے خارج از عقل حرکات شروع کیں۔ صلاحِ وقت دیکھ کر سلطان محمود غزنوی اس سال تو کچھ بولا نہیں' دوسرے سال میں سلطان محمود غزنوی کو اس کی خبر ہوئی کہ ابوالفتح قرمطی اپنی خباثتِ نفس سے ملتان کے باشندوں کو قرمطی بنانا چاہتا ہے تو بندگانِ خدا کو الحاد اور زندقہ سے بچانے کے لئے اس نے حکم دیا کہ مسلمانوں کا لشکر تیار ہو۔ وہ یہ لشکر لیکر ملتان کی طرف برسات میں روانہ ہوا۔ بارش سے دریا چڑھے ہوئے تھے اس سے سلطان کے ساتھیوں کو دشواریاں پیش آئیں۔ سلطان نے ہند کے راجہ آنند پال سے درخواست کی کہ وہ اس کو اپنے ملک میں سے گزرنے دے۔ راجہ نے درخواست کو منظور نہ کیا اور مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا جس کا نتیجہ اُس کے حق میں زہر ہوا۔ پھر اس کا یہ ارادہ بنا کہ اوّل آنند پال کا جھگڑا چکائے اور نیچا دکھائے۔ باوجود اس کہ جنگلوں پر راجہ کا بڑا اقتدار تھا مگر سلطان نے درختوں کو کاٹا' آگ لگانا اور آدمیوں کو کا قتل عام ایسا شروع کیا کہ راجہ کمین گاہوں میں بھاگتے دوڑنے لگا۔ جہاں جہاں یہ راجہ بھاگ کر جاتا وہیں اُس کے تعاقب میں سلطان جاتا۔ راجہ کے ملازموں کو یا تو جنگل اور درون کے درندے شکار کرتے یا بھاگ کر کشمیر میں پناہ لیتے۔ سلطان نے درون تک تعاقب کیا تو آنندپال کشمیر بھاگ گیا۔ جب ابوالفتح والی ملتان نے راجہ آنندپال کا یہ حال دیکھا کہ اس طرح سلطان کے آگے بھاگتا پھرا تو اس نے جانا کہ میری حقیقت کیا ہے کہ میں سلطان سے برسرِ مقابلہ آسکوں اس لئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ جتنا مال ہے' اس سب کو ہاتھیوں پر لاد کر سراندیپ چلا جاؤں اور سلطان کے لئے ملتان خالی چھوڑ جاؤں مگر سلطان کب اس کو فرصت دیتا تھا' اس نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ ابوالفتح متحصن ہوا۔ سات روز

تک محاصرہ رہا۔ ابوالفتح نے منت سماجت کر کے ان شرائط پر صلح کر لی کہ بیس ہزار درہم سرخ سال نذر دیا کروں گا اور الحاد سے احتراز کر کے حکامِ شرعی کو جاری کروں گا۔ سلطان نے ان شرائط کو اس لئے منظور کر لیا کہ ارسامان جاذب حاکم ہرات نے قاصد دوڑا کر سلطان کو خبر دی تھی کہ لشکر ایلک آ پہنچا ہے اور خرابی مچا رہا ہے۔ اس سبب سے سلطان جلد غزنی کو روانہ ہوا۔ مہمات بھٹنڈہ (وادی ہند) راجہ سکھ پال کے حوالہ کر گیا۔

ہر مذہب کا یہ قاعدہ ہمیشہ چلا آتا ہے کہ جتنی مدت اُس پر گزرتی ہے اتنی اس کی تفریق ہوتی ہے' یعنی بدعتی فرقے نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ مذہب اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اس میں بھی بدعتی فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے' بعض فرقوں نے وہ بدعات اختراع کیں کہ اصل اسلام کا حصہ ان کے مذہب میں تھوڑا ہی باقی رہا۔ ان بدعتی فرقوں میں سے فرقہ قرمطی ہے' وہ فرقہ اسمعیلیہ کی ایک شاخ ہے گو ان دونوں فرقوں کے مسائل میں فرق ہے مگر مؤرخ اپنی لاعلمی سے ایسا ان کو خلط ملط کرتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی مراد کس فرقہ سے ہے۔

اس عبداللہ کے مریدوں میں ایک احمد تھا' جس کا نام بعدازاں قرمط ہوا۔ اس کا عروج 278ھ میں ہوا۔ وہ قرمطی مذہب کا بانی ہے۔ قرمط کے معنی عربی خط کے باریک اور تنگ لکھنے کے ہیں کام کے نزدیک کہنے کے اسی سبب سے احمد کو قرمط کہتے ہیں کہ وہ پوشیدہ و باریک طور پر مذہب سکھاتا تھا۔ اسی کے نام سے اُس کے فرقے کا نام قرمطی ہوا' جس کی جمع قرامطہ آتی ہے۔ اُس نے شہری و جنگلی قوموں کے جن کا کچھ مذہب نہ تھا اور عقل سے بھی خارج تھی' اپنے دین کی طرف دعوت دی اور نامہ لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ فرج بن عثمان رہنے والا قریہ نصرانیہ کا لکھتا ہے کہ میں مسیح کی طرف سے جو کلمہ ہے دعوت کرتا ہوں' وہی مہدی تھا' وہی احمد بن محمد بن حنفیہ تھا' وہی جبرئیل تھا' اب انسان کی صورت میں بنا ہے اور مجھے کہا کہ تو داعی (دعوت کرنے والا) ہے اور حجتہ ہے اور ناقہ صالح ہے اور آخر عیسیٰ ہے۔ یحییٰ بن زکریا اور روح القدس ہے۔ اُس کو یہ بتایا کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں دو طلوع شمس سے اور دو غروب شمس سے پہلے۔ ہر نماز کی اذان یہ ہے کہ موذن تین دفعہ کہے اللہ اکبر اور" دو مرتبے کہے اشہدان لا الہ الا اللہ اور اشہدان آدم رسول اللہ اور اشہدان نوحاً رسول اللہ اور اشہدان عیسیٰ رسول اللہ اور اشہدان محمد رسول اللہ اور اشہدان احمد بن محمد بن الحنفیہ

رسول اللہ بیت المقدس کی طرف قبلہ ہو اور اتوار کا دن یوم سلب ہے اس دن تعطیل چاہئے اور ہر نماز میں سورہ فتح پڑھے جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی ہے۔ روزہ دو روزہ مہرجان اور نیمروز کے دن رکھے۔ شراب حرام، خمر حلال، جنابت سے غسل کرنا لازم نہیں آتا۔ مگر نماز کے واسطے ضرور فرض ہے۔ جس جانور کے کچلی اور دانت ہوں، اس کا کھانا درست ہے۔ اس فرقہ نے 290ھ میں شام پر بڑا ہولناک حملہ کیا 311ھ میں بصرہ اور کوفہ کو لوٹا اور ابو طاہر کو اپنا پیشوا بنا کر 319ھ میں شہر مکہ کو لے لیا اور قتل عام کیا پھر حجر اسود کو لے گئے اور بیس برس تک اپنے قبضہ میں رکھا۔ خاندان عباسیہ کا بیسواں خلیفۃ الراضی سالانہ روپیہ اُن کو لئے دیتا تھا کہ وہ حاجیوں کو حج کرنے دیں۔

ہلاکو اور منگو خان نے اس فرقہ قرمطیہ اور اسماعیلیہ کے زن و مرد بچوں کو قتل کیا۔

ابو ریحان بیرونی نے لکھا ہے کہ قرمطی مشرق میں وادی سندھ میں پھیل گئے اور ملتان کے بُتِ اعظم کو توڑا۔ محمود غزنوی نے اسی فرقہ کا ملتان سے منہ کالا کیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں سے بالکل خارج نہیں ہوئے۔ محمود غزنوی نے پہران کو 571ء میں ملتان سے نکالا ہے۔ 634ء میں دہلی میں اُن کا زور ہو گیا تو یہاں کی جامع مسجد میں بہت آدمیوں کو قتل کیا مگر آخر قرمطیوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ سب قتل ہو گئے۔

پہلے لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی اور ایلک خانؒ کے درمیان بہت اتحاد تھا مگر جب سلطان محمود غزنوی دور دراز کے فاصلہ پر مہمِ ملتان میں مشغول تھا۔ تو ایلک خان نے ملک خراسان کو خالی دیکھا۔ طمع دامنگیر ہوئی۔ سیاہ وش تگین خان کو جو صاحبِ جیش اور اُس کا خویش تھا، لشکر فراوان دیکر خراسان بھیجا اور جعفر تگین خان کو دارالملک بلخ پر شحنہ بنایا۔ اس زمانہ میں سلطان محمود غزنوی کی طرف سے ہرات میں ارسلان جاذب اس لئے مقیم تھا کہ اگر کوئی حادثہ رونما ہو تو وہ غزنی جا کر تعرض اعداء سے اس کو مسنون رکھے۔ جب واقعہ پیش آیا تو وہ غزنی گیا اور سیاہوش تگین ہرات آیا اور حسن ابن نصر کو نیشاپور میں استخراج مال کے لئے بھیجا۔ اعیان خراسان نے بھی اس سبب سے کہ سلطان کی غیبت پر مدت گزر گئی تھی اور کچھ اُس کی خبر اُن کو نہ تھی اور متوحش خبریں اس کی سنتے تھے سلطان کے دشمنوں سے دوستی اور اتحاد شروع کیا۔ ابو العباس ابن احمد نے غزنی سے حدود بامیان تک حفظِ مسالک اور ضبط ممالک میں بہت احتیاط کی اور اس حدود کے مداخل و مخارج ہوشیار اور کارگزار آدمیوں کے

سپرد کئے پھر ملتان کو قاصد دوڑائے کہ اس حادثہ سے سلطان کو مطلع کریں۔ سلطان نے مہمات والئے ہند سکھپال کے حوالہ کیں بہت جلد سلطان غزنی پہنچا اور ایک لشکر باشکوہ اور کثیر الانبوہ لیکر بحرِ مواج کی طرح بلخ میں آیا۔ جعفر تکین تو اس کے ہول سے ایسا بھاگا جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہے اور ترمذ میں پہنچا۔ سلطان نے اُس کے سر راہ دس ہزار سپاہ دیکر ارسلان جاذب کو بھیجا۔ سیاوش تکین کنار جیون پر آیا مگر دریا اس وقت طغیانی پر تھا۔ اس لئے یہاں سے پھر گیا اور مرو میں پہنچا تاکہ بیابان کی راہ سے ماوراء النہر میں چلا جائے۔ ہوا نہایت گرم تھی، سرخس گیا تو محسن ابن طاق نے اسے روکا مگر سیاوش تکین نے اُسے شکست دی اور اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور طرفین سے بہت آدمی ہلاک ہوئے مگر ارسلان جاذب نے اُس کو سرخس میں ٹھہرنے نہیں دیا۔ وہ نیشاپور کی طرف روانہ ہوا۔ ہر منزل میں ارسلان جاذب نے اُس کا تعاقب کیا اور اس کا قافیہ تنگ کیا۔ اُس کا مال اسباب بہت ضائع کیا۔ سیاہوش تکین نے شمس المعانی قابوس سے التجا کی بہت مشکل سے بیابان کی راہ سے مرد کی راہ اختیار کی۔ ارسلان کے انتظار میں سلطان مرو میں مقیم تھا۔ اُس نے سنا کہ بیابان کی راہ سے سیاوش تکین اس طرف آتا ہے۔ سلطان نے ابوعبداللہ طائر کو لشکرِ عرب کے ساتھ اُس کے پیچھے بھیجا۔ بیابان کے اندر جہاں پانی کا نام نہ تھا عبداللہ نے لشکرِ عرب سے سیاوش تکین کو جا لیا۔ اس کے بھائی کو سات سو آدمیوں کے ساتھ قید کیا۔ اُس کو بند گران میں غزنی روانہ کیا۔ سیاوش تکین جان بچا کر چند آدمیوں کے ساتھ ایلک خان سے جاملا۔ اس سے ایلک کو بڑا غصہ آیا اور قدر خان نے ملک ختن کو فریاد نامے بھیجنے شروع کئے۔ قدر خان نے اپنے ملک میں دور دور سے فوج بلائی۔ ماوراء النہر اور ترکستان کی فوجیں جمع ہو کر روانہ ہوئیں۔ سلطان محمود غزنوی کو جب یہ خبر ملی کہ طخارستان میں یہ ہجوم ہو رہا ہے تو وہ بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ ترکی خلجی، ہندی، افغانی، غوری، لشکروں کو جمع کر کے بلخ سے چار فرسخ پر ایک وسیع و عریض موضع پر فروکش ہوا۔ ایلک خان اور قدر خان بھی اُس کے نزدیک اُترے۔ جانبین سے جوانوں نے میدان جنگ میں جولانیاں شروع کیں۔ دن بھر لڑے رات کو اپنی اپنی جگہ پھرے۔ دوسرے روز طرفین سے اپنی میمنہ و میسرہ و قلب درست کر کے میدان جنگ میں آئے۔ پھر تو لڑائی ایسی ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور ایک خون کا دریا صحرا میں بہنے لگا۔ سلطان نے ہاتھی پر بیٹھ کر سپاہ قلب ایلک خان پر حملہ کیا۔ ایلک خان کے صاحب

رایت کو ہاتھی نے گھوڑے پر سے اٹھا کر ہوا میں پھینکا اور جب نیچے گرا تو دانتوں سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ سلطان کے ہاتھی دشمنوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے فوج کے اندر گھس گئے اور گھوڑوں پر سے سواروں کو سونڈ پر اٹھاتے نیچے گراتے اور پاؤں سے مسل ڈالتے۔ ان ہاتھیوں سے ایلک خان کا لشکر سنبھلنے وٹھہرنے نہیں پاتا تھا کہ دونوں لشکر ٹھہر گئے۔ غزنی والوں نے ایسی تیزی سے حملہ کیا' ہزاروں کی جان لی اور دشمن کی فوج چاروں طرف بھاگ گئی جیحون سے پار اُتر کر اپنے ملک کو گئی۔ 397ھ، 1006ء میں ایلک خان کو ایسی شکست ہوئی کہ پھر اُس نے خراسان کا نام نہیں لیا۔ سلطان کو غنائم موفور ہاتھ لگیں۔

تاریخ یمینی میں لکھا ہے کہ ایلک خان کو جب شکست ہوئی تو سلطان محمود غزنوی نے اس کے تعاقب کا ارادہ کیا' جاڑے کا موسم تھا۔ ان اطراف میں سردی ایسی پڑتی تھی کہ لشکر کے اکثر سپاہیوں jd9 اس کی برداشت کی تاب نہ تھی' اس تعاقب پر وہ راضی نہ تھے۔ مگر جب سلطان محمود غزنوی خود بہ نفس نفیس اس بات میں ساعی تھا تو ناچار سب کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ تیسری رات تھی کہ برف پڑی' سخت جاڑا ہوا سلطان کے واسطے ایک بارگاہ کھڑی کی گئی۔ اس میں انگیٹھیاں بہت جلائی گئیں اور ایسی گرمی ہوئی کہ اکثر امیروں نے چاہا کہ جاڑے کے کپڑے اُتار ڈالیں۔ لطیفہ اس اثناء میں ولچک آیا۔ سلطان نے ہنسی سے کہا کہ تو باہر جا اور جاڑے سے کہہ کہ تو جانکنی کس لئے کرتا ہے ہم یہاں ایسے گرمی کے قریب ہو گئے ہیں کہ کپڑوں کو اتار کر پھینکتے ہیں' لچک کر فوراً باہر گیا پھر آیا اور زمین پر بوسہ دے کر عرض کیا کہ میں نے سلطان کا پیغام جاڑے کے پاس پہنچا دیا اس نے عرض کیا ہے کہ سلطان اور مقربین کے دامن تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا مگر رات ایسی خدمت کرونگا کہ کل حضرت سلطان اور اُن کے مقربین کو اپنے گھوڑوں کی خدمت خود کرنی پڑے گی' کہیں میری اس حرکت سے آپ مجھ سے خفا نہ ہو جایئے گا۔ سلطان نے اس بات کو سن کر بظاہر تو اس وقت ہنسی میں ٹال دیا مگر دل میں وہ اپنی اس عزیمت سے پشیمان ہوا اور مراجعت کا ارادہ کیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اُسی شب کو ہندوستان سے خبر آئی کہ سکھ پال' جس کے کو آب سارا یا نواسہ شاہ کہتے ہیں وہ مرتد ہو کر اپنے اصلی دین پر پھر گیا۔ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ ابوالفتح لودی سے سلطان محمود غزنوی صلح کر کے جب غزنی جانے لگا تو وہ اپنا قائم مقام راجہ سکھ پال کو کر گیا تھا۔ یہ راجہ پشاور میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا اور ابوعلی سجوری

کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اُس کا نام فارسی کتابوں میں طرح طرح سے لکھا ہے۔ آب سار۔ آب شار۔ نواسہ شاہ۔ سلطان کو جب یہ خبر پہنچی کہ نواسہ شاہ مرتد ہو گیا تو وہ سنتے ہی کوچ پر کوچ کرتا ہوا ہندوستان آیا اور دفعتاً ابونصر نے نواسہ شاہ کو گرفتار کر لیا۔ سلطان اُس کو غزنی لایا۔ اور ساری عمر قید خانہ میں رکھا اس سے بہت سا روپیہ لیا۔ اُس کے نام کی بہت سی مثالیں ہیں مگر سب میں بہتر یہ ہے کہ وہ راجہ جے پال کا نواسہ تھا اور شاہ کا لفظ اُس کے نام کے ساتھ بولا جاتا تھا اس لئے نواسہ شاہ اُس کا نام تھا۔

ملتان کی تسخیر میں جو آنند پال نے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ بے ادبی کی تھی۔ اُس کے جواب میں سلطان نے ایک لشکرِ عظیم تیار کیا۔ راجہ آنند پال غافل نہ تھا' وہ بھی مروزیرک اور ذی ہوش تھا۔ اُس نے سارے ہندوستان کے راجاؤں کے پاس چٹھیاں دوڑائیں' ایلچی روانہ کئے اور سلطان سے جو خطرۂ عظیم ہند پر آیا تھا' اُس سے مطلع کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر دین کی اہمیت اور دنیا کی عزت رکھنی ہو تو اس بلا کے ٹالنے میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اب تک ہماری دولت وحشمتِ عزت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اگر تم تاخیر کرو گے تو سارے ہندوستان کو سلطان محمود غزنوی تباہ اور خاک سیاہ کر دے گا۔ راجاؤں کے دلوں میں اس تحریر و تقریر نے تاثیر کی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ دین دنیا کی سلامتی اسی میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو راجہ آنند پال کی امداد کریں' چنانچہ اُجین کالنجر قنوج دلی۔ اجمیر گوالیار کے راجاؤں نے اپنا منتخب لشکر راجہ آنند پال کے پاس پنجاب روانہ کر دیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی صاحب مقدور عورتوں نے اپنے سونے چاندی کے زیورات و جواہر بیچ کر اور مفلس عورتوں نے چرخہ پونی کا تکر کچھ نہ کچھ اپنے خاوندوں کے پاس بھیجا۔ غرض اس لشکر کا وہ ساز و سامان آنند پال نے کیا جو پہلے امیر سبکتگین کے زمانہ میں جے پال نے بھی نہیں کیا تھا۔ پشاور کے صحرا میں یہ لشکر سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے قریب آیا۔ چالیس روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن رہے اور کسی نے جنگ پر پیشقدمی نہیں کی۔ ہندوؤں کا لشکر روز بروز زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی پہلے کی طرح بے خوف وخطر دشمنوں میں نہیں گھس جاتا تھا۔ اُس نے اپنے لشکر کے گرد خندق کھدوائی کہ دشمن نہ گھس آئے۔ پھر اُس نے لڑائی شروع کی۔ ہزار جوان تیر اندازوں نے آگے قدم بڑھایا۔ دشمنوں کو لڑائی کے لیے گرم کیا اور سپاہیانہ حیلے کر کے ان کو لشکر گاہ کے قریب لائے۔ اس کے کہ

سلطان محمود غزنوی نے بہت احتیاطیں کی تھیں۔ مگر بیس ہزار گھکر سروپا برہنہ ہاتھوں میں طرح طرح کے ہتھیار لیے سلطان کے لشکر میں خندق سے اُتر کر گھس آئے۔ تلوار وکٹار و تیروں سے گھوڑوں اور سواروں کو مار مار کر نیچے گرانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں تین چار ہزار مسلمانوں کو مار ڈالا۔ ان گھکروں کی دلیری دیکھ کر سلطان کا ارادہ ہوا کہ آج لڑائی موقوف کرے کہ ناگاہ راجہ آنند پال کو سواری کا ہاتھی نفط تفنگ کے شوروغل سے بگڑا اور بے تحاشا پیچھے کو بھاگا۔ اس کی فوج نے سمجھا کہ راجہ بھاگ رہا ہے۔ اس سبب لشکر میں ہلچل مچ گئی اور سپاہ کا منہ پیچھے کو پھر گیا۔

عبداللہ طائی نے پانچ چھ ہزار عربی سوار اور اوسلان جاذب نے دو ہزار ترکی افغانی خلجی سپاہ لے کر رات دن انکا تعاقب کیا۔ آٹھ ہزار ہندوؤں کو بے جان کیا بیس ہاتھیوں کو اور بہت سا مال غنیمت جمع کر کے سلطان کی نذر میں پیش کیا۔ خود سلطان بھی ہندوؤں کے تعاقب میں گیا اور بھیم نگر کے قلعہ تک پہنچا۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم بلند پہاڑ پر ہے اور چاروں اطراف سے پانی سے گھرا ہوا ہے۔ چاروں طرف کے راجہ رؤسا و امرا یہاں کے مندر میں نقود و جوہر و انواع نفائس بھینٹ میں دیتے ہیں' اسی کو عبادت جانتے ہیں اور سعادت اخروی سمجھتے ہیں۔ برسوں سے یہاں طلا ونقرہ و جواہر و مرجان کے وہ خزانے جمع ہو رہے تھے کہ کسی بادشاہ کے یہاں بھی نہ ہونگے۔ یہ شہر ہندوؤں کا مجمع الاصنام کہلاتا تھا۔ اس قلعہ سے ایک میل پر بھیم نگر تھا' جس کو اب بھون کہتے ہیں۔ یہ شہر اور نگر کوٹ اور کوٹ کانگڑہ ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سلطان یہاں پہنچا اور لشکرِ جرار سے محاصرہ کیا۔ ایسے مقام پر ہندو بڑے دل کھول کر لڑا کرتے ہیں مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ یہاں کی فوج بھی اُسی لڑائی میں مصروف تھی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا۔ بچاریوں نے جب دیکھا کہ ساری پہاڑیاں غارت گروں سے بھری پڑی ہیں اور آگ کے شراروں کی طرح تیر اُن پر پڑ رہے ہیں تو اُن پر خوف طاری ہوا اور انہوں نے جان کی امان چاہی اور دروازے کھول دیئے اور زمین پر اس طرح گرے جیسے کہ ابابیل باز کے آگے یا منہ بجلی سے پیچھے گرتا ہے۔ اس طرح یہ قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا اور بحر وکان کا حاصل سلطان کو مل گیا۔ ابونصر احمد بن محمد والی جرجان کے ساتھ سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ جواہر کو اُس نے خود سمیٹا اور طلا ونقرہ بیش بہا چیزوں کو اُس کے دو حاجبوں تو نتاس اور الغ تگین نے منگوایا۔ اونٹوں

پر جتنا خزانہ لاد سکا لادا باقی افسروں نے اپنے دامنوں میں رکھا۔ کہتے ہیں کہ ستر لاکھ مسکوک درہم شاہی تھے اور سونے چاندی کی ساٹھ لاکھ ڈلیاں تھیں جن کا وزن چار سو من تھا۔ سوائے ان کے طرح طرح کے کپڑے سوں کے تھے جن کو بڈھے بڈھے آدمی کہتے تھے کہ ہم نے ایسے نفیس کپڑے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک چاندی کا گھر اتنا بڑا تھا جیسا کہ امیروں کا گھر ہوتا ہے تیس گز طول میں اور پچیس گز عرض میں ایسا بنا ہوا تھا کہ چاہو اُس کے ٹکڑے کر لو تو چاہو جوڑ لو۔ ایک سائبان دیبائے رومی کا تھا' چالیس گز طول میں اور بیس گز عرض میں' دو سونے اور دو چاندی کی ڈھلی ہوئی چوبوں پر لگایا جاتا تھا۔ سلطان نے ایک نہایت معتبر دیانت مند ملازم کو یہ قلعہ اور اُس کا خزانہ سپرد کیا۔ بعدازاں سلطان محمود غزنی میں آیا۔ شہر کے باہر بارگاہ لگا کر فرش پر جواہر اور درناسفتہ وزبرجد والماس ولعل چُنے جو ایسے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے جیسے کہ شراب میں برف۔ زمرد کی سبزی تازی برگِ خاکی سبزی کو مات کرتی تھی الماس مقدار اور وزن میں انار کے برابر تھے۔ ممالکِ غیر کے سفیر اور ترکستان کا بادشاہ طغاں خاں اُن کے دیکھنے کیلئے آئے۔ وہ سب کہتے تھے کہ کبھی اتنی دولت نہ دیکھی نہ کبھی کتابوں میں پڑھی کہ سلاطینِ ایران اور روم نے جمع کی ہو۔ وہ قارون کے خزانہ کو بھی مات کرتی تھی۔ تین روز تک یہ جلسہ رہا' بڑے بڑے شاہانہ جشن ہوئے اور مستحقین کو بڑی بڑی بخششیں عطا ہوئیں۔ 401ھ میں سلطان نے غور پر لشکر کشی کی۔ یہ ملک ہرات کے مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے۔ یہاں سوری افغان حکومت کرتے تھے۔ اس وقت محمد بن سوری یہاں فرمانروا تھا' وہ دس ہزار سپاہ کی صف بندی کر کے سلطنت سے جنگ آرا ہوا۔ صبح سے دوپہر تک آتشِ جنگ مشتعل رہی۔ طرفین سے لشکروں نے دادِ مردانگی دی۔ جب سلطان محمود غزنوی نے غوریوں کی یہ جدوجہد دیکھی تو اُس نے یہ خدیعت کی کہ اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا۔ غوریوں نے یہ گمان کیا کہ سلطان کی سپاہ کو ہزیمت ہوئی تو غوریوں کی سپاہ نے اُس کا تعاقب کیا اور اپنی خندق سے بہت دور نکل گئے۔ پس سلطان نے جو اپنی باگ موڑی تو لشکر محمودی نے غوریوں کو قتل کیا اور محمد ابن سوری کو دستگیر کر کے سلطانؒ کے پاس لے گئے۔ اُس نے غایت آزادگی سے زہر آلود نگینے کو چوس کر مجلس سلطان میں اس عالم سے سفر کیا اور ملک سلطان کے ہاتھ آیا تاریخ یمینی میں لکھا ہے کہ حکام ورعایا غوری نے پہلے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ اب قبول کیا مگر دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مسلمان ہو گئے تھے۔

سلطان نے پھر ہند کا عزم کیا اور نارائین کی طرف کوچ کیا۔ اس کے سوار سخت و نرم زمین کو طے کر کے وسطِ ہند میں پہنچے۔ اُس نے اُن رئیسوں کو محکوم بنایا جو ابتک محکوم نہیں ہوئے تھے۔ بتوں کو توڑا' اوباشوں کو بے تیغ کیا اور اپنے مقاصد کو آہستگی کے ساتھ پورا کیا۔ ایک لڑائی ہندوؤں سے اُس کی ہوئی جس میں وہ فتحیاب ہوا۔ بہت سی غنیمت اور ہاتھی گھوڑے ہاتھ لگے۔ جب ہند کے راجہ نے دیکھا کہ سلطان کے ساتھ لڑنے میں میرے ملک اور رعایا پر یہ تباہی و بربادی آتی ہے تو اُس کو یقین ہو گیا کہ میں اس سے لڑ نہیں سکتا۔ اُس نے اپنے بعض عزیزوں اور امیروں کو سلطان کے پاس بھیجا اور التجا کی کہ آپ پھر ہندوؤں پر حملہ نہ کیجیے۔ میں روپیہ حضور کی نذر کرتا رہوں گا اور ہمیشہ آپ کا بہی خواہ رہوں گا۔ پچاس ہاتھی خبیر نفائس ہندلدے ہوئے ہونگے بھیجتا رہوں گا اور دو ہزار سپاہی سلطان کی خدمت کے لیے حاضر رکھوں گا۔ راجہ کی اس اطاعت میں اسلام کی عظمت تھی سلطان نے قبول کر لیا۔ سلطان نے سفیر بھیجا کہ ان شرائط کی تعمیل کو وہ دیکھ لے۔ ہند کے راجہ نے اُن شرائط کو پورا کیا اور ہاتھی بھیجتا رہا۔ یوں امن و امان ایسا ہو گیا کہ ہندوستان اور خراسان میں کاروان آنے جانے لگے۔ ساتویں مہم نارائین کی ایسی ہے کہ اُس کا ذکر طبقاتِ اکبری اور فرشتہ میں نہیں ہے مگر حبیب السیر وروضۃ الصفا اور یمینی میں ہے۔ حبیب السیر میں نام نہیں لکھا مگر یہ لکھا ہے کہ نگرکوٹ اور غور کی مہم کے درمیان ایک مہم 400ھ میں ہندوستان پر ہوئی۔ اب اس نارائین کے مقام کی تحقیق میں فرنگستانی محققوں نے بڑی موشگافی کی مگر آخر کچھ نہ کر سکے۔

ہند کے راجہ نے جو دو ہزار سواروں کے بھیجنے کا عہد کیا۔ یہ عجیب واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی عادت میں داخل تھا کہ وہ اپنی سخت جانی دشمنوں کی سپاہ میں بھی نوکری کرنے کو موجود ہو جاتے تھے۔

جب ابوالفتح لودھی نے غور کی فتح میں سلطان کو مصروف دیکھا تو پھر سر اٹھایا۔ اس لئے سلطان کو ملتان آنا پڑا۔ اُس نے ملاحدہ وقرامطہ کو خوب درست کیا اور ابوالفتح کو قید کر کے غزنی لے گیا۔

اس مہم کا حال طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے مگر روضۃ الصفا اور

حبیب السیر اور یمینی میں نہیں لکھا۔ اس سے بعض فرنگستانی محققین نے یہ خیال کیا ہے کہ ساتویں اور آٹھویں مہم ایک ہونگی مگر اس پر بعض نے یہ اعتراض کیا کہ اُس کی حالتیں ایسی مختلف ہیں کہ اُن کا ایک خیال کرنا بھی دشوار ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو یہ خیال تھا کہ ہر سال ہندوستان پر ایک جہاد کیا جائے تو اُس سے لازم آتا ہے کہ یہ دو مہمیں سمجھی جائیں۔

جب ہند میں شعار اسلام کا رواج ہوتا گیا اور مساجد تعمیر ہوگئیں تو سلطانِ ہند نے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے جری جوانمردوں کو جمع کیا اور اُن کو بہت سا مال انعام میں دیا۔ 404ھ میں لشکر گراں کے ساتھ اندھیری رات میں اُس نے کوچ کیا۔ خزاں کا موسم تھا۔ جنوبی نسیم چل رہی تھی۔ سفر اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر جب سلطان سرحد ہند کے قریب پہنچا تو برف بڑی شدت سے پڑی۔ پہاڑ کے سارے راستے بند ہو گئے پہاڑ و وادی سب ہموار ہو گئے گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں میں برف کی سردی کا اثر پہنچتا تھا۔ آدمیوں کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کا ذکر تو کیا ہے جو شاہراہ تھی وہ مخفی ہوگئی۔ راہ میں جو آگے تھا وہی پیچھے تھا۔ اس لیے لشکر واپس بھی نہ جا سکتا تھا۔ سلطان نے اس عرصہ میں سپاہ کے لیے رسد کا سامان درست کیا اور اپنے بڑے بڑے سپہ سالاروں کو بلایا۔ اس طرح سے جب سامان جنگ تیار ہو گیا تھا اور دور دور کے ملکوں کی سپاہیں آ کر اکٹھی ہوئیں۔ پھر سلطان نے سفر کیا۔ (دو مہینے تک اُس کے گھوڑے اُن ویران جنگلوں میں چلے جن میں مویشی بھی راہ بھول جاتے تھے) اور بڑے بڑے عمیق دریاؤں کو عبور کیا۔ سلطان قلعہ نندونہ (ناروین) پر پہنچا یہ قلعہ کوہ بال نات پر ہے۔ وہاں کے راجہ ندر بھیم نے اپنے سپہ سالاروں اور رئیسوں کے لشکروں کو ایک درہ کوہ میں جمع کیا جس میں دشمنوں کا گزرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے پتھروں کے پیچھے مورچے جمائے اور ہاتھیوں سے راستوں کو روکا۔ یہاں راجہ جانتا تھا کہ میں مامن کے گنبد میں بیٹھا ہوں۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ کو اپنے مامن پر یہ غرور ہے تو اُس نے ویلمی سپاہیوں اور افغانی نیزہ اندازوں کو ساتھ لیکر حملہ کیا یہ سپاہی پہاڑوں پر اس طرح چڑھتے جیسے پہاڑی بکری' اُترتے اس طرح جیسے پانی۔ جیسے چراغ میں بتی تیل کو کھینچتی ہے اور لوہا مقناطیس کو اس طرح مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑنے کے لیے باہر کھینچا۔ باہر نکلتے ہی سواروں کے ہاتھ سے وہ اس طرح مارے گئے جیسے کہ شطرنج میں گھوڑے سے پیادے مارے جاتے ہیں۔

جب ندر بھیم پاس اور رئیسوں کی کمک پہنچ گئی تو وہ اپنے مورچوں سے باہر نکلا اور پہاڑ سے میدان میں آیا۔ پہاڑ اُس کے پیچھے تھے اور ہاتھی آگے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر پر جب ہاتھی چلتے تھے تو وہ مسلمانوں کی نیزہ زنی سے پیچھے ہٹتے تھے۔ ابوعبداللہ طائی نے جو بہادری سے پیشقدمی کی تو اُس کا سر اور جسم زخموں سے چکنا چور ہو گیا۔ سلطان نے اُس کو ہاتھی پر زخموں کی تکلیف کے سبب بٹھایا۔ جس سے یہ معلوم ہونے لگا کہ اس سارے لشکر کا یہی بادشاہ ہے۔ ہندوؤں کو سب جگہ شکست ہوئی۔ اور بہت سے ہاتھی جو دشمنوں کے لشکر کی پشت و پناہ تھے' مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور ناردین فتح ہو گیا۔ اس کثرت سے غلام ہاتھ لگے کہ بہت سستے بکنے لگے۔ جو یہاں اپنے دیس میں بڑے آدمی تھے وہ پردیس میں ادنٰی دوکانداروں کے غلام بنے۔

سلطان نے بعد اس فتح کے دہلی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ ارکان دولت نے عرض کیا کہ دہلی کو اس وقت ہم تسخیر کر سکتے ہیں کہ مملکت پنجاب مقیم ہماری قلمرو میں ہو اور آنند پال کے فساد سے بالکل فراغت ہو۔ سلطان کو یہ بات پسند آئی فسخ عزیمت کیا۔ دو لاکھ بندہ و بردہ ہندوستان سے غزنی لایا۔ غزنی اس سال میں بلاد ہند معلوم ہوتی تھی کہ سلطان کے لشکر میں ہر ایک کے پاس کئی کئی غلام تھے۔

403ھ میں التونتاش سپہ سالار اور ارسلان جاذب نے غرجستان کو فتح کیا۔ یہ ملک دریائے مرغاب پر غور کے متصل واقع ہے۔

ان دنوں میں سلطان نے خلیفہ عباسی بغداد والقادر باللہ کو نامہ لکھا (سلطان محمود غزنوی خلیفہ بغداد کو دعوت نامہ) کہ بلادِ خراسان کا اکثر حصّہ میرے تصرف میں ہے' باقی حصّہ جو حضرت کے غلاموں کے پاس ہے' وہ بھی مجھے عنایت ہو۔ خلیفہ کو کوئی اور چارہ نہ تھا' ناچار سلطان کی درخواست کو منظور کر لیا مگر پھر دوسری دفعہ اس نے خلیفہ عباسی کو خط بھیجا کہ ثمرقند مجھے عنایت کیجئے اور منشور لکھ کر بھیجئے۔ خلیفہ نے ایلچی کی زبانی کہلا بھیجا کہ معاذ اللہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا اگر میرے حکم کے بغیر ثمرقند کی تسخیر کا ارادہ کرے گا تو ایک عالم کو تیرے خلاف شورش پر آمادہ کردونگا۔ سلطان کو اس جواب سے بڑا رنج ہوا اور خلیفہ کے ایلچی سے کہا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ دارالخلافہ پر ہزار ہاتھی چڑھا کر لے جاؤں اور اُس کو برباد کر کے اُس کی خاک ہاتھیوں کی پیٹھ پر غزنی میں لاؤں۔ ایلچی یہ سن کر چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد

نامہ لایا اور سلطان محمود غزنوی کو دیا کہ امیر المومنین نے یہ جواب لکھا ہے۔ خواجہ ابونصر زوزنی نے کہ دیوانِ رسالت تھا' اس نامہ کو کھولا تو اُس میں دیکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن لکھا ہے اور بعد اس کے چند سطروں میں حروفِ مقطعات ال م لکھے ہیں اور آخر میں الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی رسول محمد والہ اجمعین تحریر ہے' باقی کچھ نہیں۔ سب دبیرو منشی حیران تھے کہ یہ کیا جواب ہے۔ تفاسیر میں ان حروف کی تفسیر دیکھی مگر کچھ نہ معلوم ہوا۔ خواجہ ابوبکر قہستانی نے جرأت کر کے عرض کیا کہ حضور نے جو ہاتھیوں کے پاؤں کا ڈراوا لکھا تھا اس کا یہ جواب الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل ہے یہ سنتے ہی سلطان کے ہوش اُڑ گئے جب ہوش میں آیا تو بہت رویا خلیفہ کے رسول سے معذرت کی بہت تحائف نذر کے لیے بھیجے اور ابوبکر کو خلعت خاص عنایت کیا۔ 410ھ میں ہندوستان کی فتوحات کا فتح نامہ خلیفہ القادر باللہ عباسی کے پاس سلطان محمود غزنوی نے بھیجا اور ایک سنگ (جو ہندوستان میں سلطان کو ملا تھا اور اُس کی یہ خاصیت تھی کہ زخم پر اُس کو لگائے تو فوراً اچھا ہو جاتا تھا) تحفہ بھیجا۔ خلیفہ نے ایک مجلسِ عظیم کو جمع کیا اور منبر پر بیٹھ کر بآواز بلند فتح نامہ کو اہل مجلس کے روبرو پڑھا۔ ان فتوحات کے سننے سے مسلمانوں کو عید کی سی خوشی ہوئی اور 412ھ میں علما و صلحا و اہل اسلام کی جماعت نے متفق ہو کر سلطان سے عرض کیا کہ بیت الحرام کی راہ اعراب و قرمطیون سے مسدود ہو رہی ہے اُن کے خوف سے اور خلفاء عباسیہ کے ضعف سے مسلمان حج سے محروم رہتے ہیں۔ سلطان نے اس عرض پر محمد ناصحی کہ قاضی القضاۃ ممالک محروسہ کا تھا' امیر حجاج بنا کے اور تیس ہزار زر سرخ دیکر روانہ کیا کہ اعراب کو راہ قافلہ سے پرے ہٹا دیں۔ بہت سے مسلمان قاضی صاحب کے ساتھ ہوئے۔ جب یہ قافلہ بادیہ فید میں پہنچا تو عربوں نے اُسے روکا۔ قاضی صاحب پانچ ہزار دینار اُن کو دیتے تھے مگر احمد بن علی شیخ اعراب معترض ہوا جس کو ایک تیرانداز نے مار ڈالا۔ اعراب بھاگ گئے تو اُس سال حج خوب ہوا۔

جب ولایت خوارزم مامون کے بعد اُس کے بیٹے ابوعلی کو ملی تو اُس نے سلطان محمود غزنوی کی بہن سے نکاح کیا اور اس رشتہ بندی سے سلطان کے ساتھ سچّی دوستی ہوگئی۔ جب مامون کی حکومت ختم ہوئی تو اُس کا جانشین ابوالعباس مامون ہوا۔ اُس نے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ خلوص عقیدت ظاہر کر کے اجازت چاہی کہ اُس کی بہن سے جو اُس کے بھائی کی بیوی تھی' خطبہ نکاح پڑھائے۔ سلطان نے اجازت دیدی اور اس طرح محبّت کی

بنیاد مستحکم ہوگئی۔ ابوالعباس مامون کہ آخر ایام میں سلطان نے اس کے پاس ایلچی بھیجا اور درخواست کی کہ ولایتِ خوارزم میں خطبہ اُس کے نام پڑھایا جائے۔ ابو العباس مامون نے اپنے اعیان دولت سے مشورہ کیا تو اکثر نے یہ کہا کہ جب تک آپ کا ملک دوسرے کی شرکت سے خالی ہے' ہم کمرِ خدمت باندھے ہوئے موجود ہیں اور اگر آپ کسی اور کے محکوم ہوتے ہیں تو ہم تلواریں لیے کھڑے ہیں' آپ کو معزول کرینگے اور کسی اور کو تخت پر بٹھائیں گے۔ سلطان کا ایلچی یہ صورت حال دیکھ کر چلا گیا۔ اعیانِ خوارزم شاہی نے یہ کہہ دیا مگر پھر وہ سلطان کے اقوال کے رد کرنے سے پشیمان ہوئے اور نیال تگین جو صاحب جیش خوارزم اور سر دفتر اہل جسارت و خسارت تھا' مہم کے واسطے تیار ہوا۔ ایک دن وہ اوباشوں کے گروہ کے ساتھ خدمت ابوالعباس مامون میں گیا۔ اندر سے خبر آئی کہ اُس کا انتقال ہو گیا کسی شخص کو اس ہولناک واقعہ کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کے بعد پسر ابوالعباس کو تخت پر بٹھایا۔ یہ خوارزمی گروہ خوب جانتا تھا کہ سلطان اس کا انتقام ہم سے لے گا' اس لیے سب نے مل کر قسم کھائی کہ اگر سلطان محمود غزنوی انتقام کے درپے ہو تو اتفاق کر کے اُس سے خوب لڑیں۔ جب سلطان محمود غزنوی کو اس عذر کی خبر ہوئی تو صلاح مشورہ کر کے وہ سپاہ کو آراستہ کر کے خوارزم کی طرف چلا۔ سلطان نے محمود طائی کو مقدمۃ الجیش بنا کے بھیجا۔ یہ لشکر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا کہ خمارتاش خوارزمیو نکے سپہ سالار نے غزنویوں پر چھاپا مارا بہت سے لوگ قتل کیے اور لشکر کو بھگا دیا۔ سلطان نے پھر اپنے خاص غلاموں کا لشکر بھیجا۔ اُس نے خوارزمیوں کو شکست دی خمارتاش کو گرفتار کیا اور اُس کو سلطان کی خدمت میں لائے۔ جب سلطان قلعہ ہزار اسپہ پاس پہنچا تو ایک سخت لڑائی صبح سے دوپہر تک ہوئی تو شام تک بہت سے آدمی سلطان کے ہاتھیوں اور گھوڑوں نے پامال کیے' پانچ ہزار آدمی قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ نیال تگین کشتی میں بیٹھ کر جیحوں سے عبور کرنا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے اُس کو کشتی میں باندھ لیا اور سلطان کے پاس لے آیا۔ سلطان نے ابو العباس مامون کی قبر کے پاس سولیاں کھڑی کیں ان پر نیال تگین اور اُس کے ساتھیوں کو چڑھایا اور مامون کی قبر پر یہ کندہ کرا دیا کہ "ہذا قبر مامون ابن مامون" یعنی (**بغی علیه حشمه و اجرعلیٰ دمه خدمه فقبض الیه السُّلْطَانُ یمین الدولة والمین الملة حتیٰ اقبض منهم و صلبهم علی الجذوع عبرة للناظرین وایة للعٰلمین**) خوارزم کی حکومت میر حاجب کبیر التونتاش کو

دی، قیدیوں کو غزنی بھجوایا پھر سب کا قصور معاف کر کے چھوڑ دیا۔

سلطان نے سنا تھانیسر کے ملک میں ہاتھی بڑے قوی ہیکل ہوتے ہیں اور اُن کو میدان جنگ میں لڑنا خوب آتا ہے۔ تھانیسر کے حکمران کو ان ہاتھیوں پر بڑا غرور تھا۔ سو سلطان فوج جرار کو لیکر گیا۔ اُس کو ایسے جنگل میں اوّل گزرنا پڑا کہ جس میں سوائے چرند پرند اور حیوانوں کے انسانوں نے اب تک قدم نہ رکھا تھا۔ گھوڑے کا سم اُس پر نہ پڑا تھا۔ اس میں دانہ پانی نہ تھا۔ اوّل سلطان ہی نے اس جنگل کو طے کیا۔

تھانیسر کے نیچے ایک ندی صاف پانی کی بہتی تھی، اُس کی تہ میں پتھر تھے اور اُس کے کنارے ناہموار اور تیر کی طرح نوکدار تھے۔ سلطان اس ندی پر وہاں پہنچا جہاں وہ درہ کوہ میں ملتی تھی وہاں دشمنوں نے ہاتھیوں کے پیچھے قیام کیا تھا، اُن کے پاس بہت پیادے اور سوار تھے۔ سلطان نے یہاں یہ حکمت اختیار کی کہ اپنے لشکر کو دو پایاب مقاموں سے ندی کے پار اُتارا اور دشمنوں پر دونوں طرف سے حملہ کیا۔ جب ان لشکروں میں آپس میں قریب آ کر لڑائی بھڑائی ہونے لگی تو سلطان نے اپنے لشکر کو اس درہ کوہ سے جس میں ندی بڑے زور سے بھڑ رہی تھی، ندی کے کنارے پر کھڑے ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیا کہ گھاٹیوں میں جو دشمن چھپے ہوئے ہیں اُن کو قتل کریں۔ شام تک سخت لڑائی ہوئی دشمن بھاگے، ہاتھی چھوڑ گئے جو سلطان کے پاس پکڑے آئے جن ان سے بڑے بڑے ہاتھی سلطان نے اپنے پاس رکھے۔ اس قدر ہندو مارے گئے کہ اُن کے خون سے ندی کے پانی کا ایسا رنگ بدل گیا کہ کوئی اُسے پیتا نہ تھا۔ رات ہوگئی ورنہ دشمن اور ہلاک ہوتے۔ یہ بیان تاریخ یمینی سے لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں اس مہم کو یوں بیان کیا ہے کہ محمود غزنوی کا ارادہ تھا کہ تھانیسر کو فتح کیجیے وہ ان دنوں بت پرستوں کا ایسا ہی معبد تھا جیسا کہ بلاتشبیہ مکہ خدا پرستوں کا۔ جب سلطان پنجاب میں آیا تو اس سبب سے کہ آنند پال سے جو شرائط و معاہدے ہو چکے تھے۔ اُن کا پاس تھا کہ اُنہیں کوئی فرق نہ آئے اور اس کا علاقہ لشکر سے پامال نہ ہو۔ اس لیے سلطان نے آنند پال کو لکھا کہ ہمارا ارادہ تھانیسر کا ہے۔ تم کو چاہئے کہ اپنے معتمد آدمیوں کو ہمارے لشکر کے ہمراہ روانہ کر دو کہ اثناء راہ میں وہ اپنے علاقوں کو بتاتے جائیں تا کہ لشکر سے اُن کو گزند نہ پہنچے۔ آنند پال نے اس بات کو غنیمت سمجھا۔ سامان رسد وغیرہ میں ہمہ تن مصروف ہوا کل تاجروں اور بنیے بقالوں کو حکم دے دیا کہ لشکر سلطانی کے لیے غلہ جمع کرو اور

کل اپنے ماتحتوں کو تاکید کی کہ لشکر سلطانی کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ساتھ سلطان کے خدمت میں بھیجے اور ایک عرضی لکھی کہ تھانیسر ہمارا معبد ہے اگر حضور وہاں کی رعایا پر خراج اور محصول مقرر کریں تو بہتر ہے اگر حضور میری درخواست منظور فرمائیں گے تو میں بھی پچاس ہاتھی سالانہ نذر کروں گا۔ سلطان نے اس پر حکم لکھا کہ بُت پرستی کی بیخ کنی کرنا اور شرع اسلام کا رواج دینا ہمارا کام ہے۔ جب دلّی کے راجا کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے اور راجاؤں کو لکھا کہ سلطان محمود غزنوی لشکرِ نامعدود سے تھانیسر کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر اس سیل کا بند نہ باندھو گے تو وہ سب پر پانی پھیر کر خاک میں ملائے گا۔ محمود غزنوی تھانیسر میں داخل ہوا اور دل کھول کر بتوں کو توڑا۔ سب سے بڑے بت کو غزنی بھیجا کہ وہاں پیروں کے تلے ہمیشہ روندا جائے۔ غنیمت بے حساب ہاتھ آئی۔ ایک یاقوت ملا' جس کا وزن ساٹھ تولہ تھا۔

سلطان نے 406ھ میں کشمیر کا ارادہ کیا۔ قلعہ لوہ کوٹ تک آیا' یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ سلطان نے اس کا محاصرہ کیا۔ جب اس محاصرہ پر مدت گزر گئی اور کشمیر کو کمک اور اطراف سے بھی پہنچ گئی جاڑے اور برف کی بھی شدت ہوئی تو سلطان نے محاصرہ چھوڑا غزنی کی راہ لی۔ اس سفر میں لشکر اُس صحرا میں پہنچا جہاں پانی کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا ایک خلق پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئی۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ہندوستان کے حملوں میں لشکرِ اسلام کو اس طرح کا صدمہ پہنچا کہ سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں' بہت سی مشقتیں اٹھانی پڑیں اور کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔ غزنی سلطان بے نیل ومرام واپس آ گیا۔

پنجاب تو مدتوں سے اہل اسلام کے قدموں میں تھا۔ اب سلطان محمود غزنوی کے ارادوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے بُلند اور فراغ ہو گئے کہ اُس نے یہ اولوالعزمی کی کہ وسطِ ہند کا دروازہ اہلِ اسلام کی فتح ونصرت کیلئے کھولے۔ اُس نے ایک لشکرِ جرار جمع کیا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ تاریخِ یمینی میں لکھا ہے کہ بیس ہزار سوار ماوراء النہر اس کے پاس تھے۔ فقط جہاد کے ارادہ سے وہ آئے تھے۔ سلطان کی اس فرزانگی کو دیکھیے کہ اُس نے سپاہی ثمرقند اور بخارا' ان ملکوں کے لئے جو ابھی فتح ہوئے تھے' یہ تدبیر نہایت معقول تھی اگر ہمراہ نہ لیتا تو وہ کب اس کے پیچھے بیٹھتے۔ ضرور ایسا دنگا فساد پیچھے مچاتے کہ سلطان کو آگے بڑھنا دشوار ہو جاتا پھر اس سپاہِ فراوان کو ہمراہ لیکر وہ سات دریاؤں

سے اُن مقامات پر اُترا جہاں اُن کے پاٹ کم تھے۔ اس مہم میں سلطان جس راہ سے قنوج آیا گیا' مؤرخوں نے مختلف طرح سے بیان کیا ہے مگر ہم تاریخِ یمینی کے موافق اس سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔ لشکر کو لیکر اوّل کشمیر میں آیا۔ کشمیر اور غزنی کے درمیان ایسے گھنے جنگل تھے کہ اُن میں ہوا کا گزر بھی دشوار تھا۔ اُن میں جانور نغمہ سرائی اور شور و غل مچاتے تھے۔ سلطان کے بیس ہزار ماوراء النہری سپاہی اس لئے آ گئے تھے کہ وہ اُن کو کہیں جہاد میں بھیج کر غازی و شہید بنا دے۔ سلطان نے اس لشکر کو ہمراہ لیکر قنوج کا ارادہ کیا۔

غزنی اور قنوج کے درمیان گھوڑوں اور اونٹوں کی تین مہینہ کی راہ تھی۔ سو سلطان نے رات دن سفر کرنا شروع کیا۔ وہ دریائے سندھ سے اُترا۔ پھر جہلم' راوی' بیاس' ستلج سے عبور کیا۔ یہ دریا ایسے عمیق ہیں کہ ان میں ہاتھی ڈوب جاتے ہیں۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اونٹوں اور گھوڑوں پر کیا گزری ہو گی جن ملکوں سے سلطان کا گزر ہوا وہاں کے حاکموں نے اُس کی اطاعت اختیار کی اور اپنے سفیر بھیجے۔ سِلی یا جانکی بن شاہی بن یمنی حاکم درہ ہائے کشمیر نے سلطان کو یہ جانا کہ وہ کوئی خدا کا فرستادہ ہے' اس کے پاس حاضر ہوا' راہ نمائی کا ذمہ لیا اور ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں لے گیا۔ آدھی رات کو کوچ کا نقارہ بجتا اور دوپہر کے بعد تک منزل طے ہوتی۔ 20 رجب 409ھ کو یہ لشکر جمنا پار اُترا۔ راہ میں سلطان کو ایسے بلند قلعے نظر آئے کہ اُن کے دیکھنے کیلئے گردن پیٹھ سے لگ جاتی تھی۔ اب وہ قلعہ برن میں پہنچا (یہ بلند شہر کا پرانا نام ہے) راجہ ہردت کے ملک میں یہ قلعہ تھا۔ جب اُس نے سنا کہ لشکرِ جرار نے حملہ کیا' اس نے تابِ مقاومت نہ دیکھی وہ دس ہزار آدمیوں سمیت سلطان کی خدمت میں آیا ان سب نے دینِ اسلام قبول کیا اور بُت پرستی کو ترک کیا۔

کچھ توقف کے بعد سلطان قلعہ مہابن کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں کا راجہ کل چند تھا۔ وہ کثرت مال جال اور مملکت پر بڑا مغرور تھا۔ بڑے بڑے راجہ اُس سے لڑتے ہوئے ڈرتے تھے اُس کے پاس ایسے مضبوط قلعے تھے کہ کبھی اُن کو زمانہ کے ہاتھ سے آسیب نہیں پہنچا تھا وہ اپنے لشکر کو ایک جنگل میں لے گیا کہ اُس میں درخت ایسے گھنے تھے کہ نہ دھوپ جا سکتی تھی نہ ہوا۔ جب سلطان وہاں پہنچا تو اُس کا لشکر اس جنگل میں اس طرح گھس گیا جیسے بالوں میں کنگھی جاتی ہے اور قلعہ کی راہ دریافت کر لی۔ سخت لڑائیاں ہوئیں مگر ہندوؤں کو ہر جگہ شکست ہوئی۔ بہت سے سپاہی اُن کے قتل ہوئے اور کچھ جمنا کے پار چلے گئے۔

غرض اس طرح پچاس ہزار ہندو عرصہ فنا اور ورطہ عنا میں پڑے۔ کل چند نے خنجر کھینچ کر پہلے اپنی بیوی کو مارا اور پھر اپنا سینہ چاک کیا۔ سلطان کو ایک سو اٹھاون ہاتھی ہاتھ آئے اور بہت سی غنیمت تھی۔

جب سلطان کو کل چند کی مہم سے فراغت ہوئی تو وہ متھرا میں گیا۔ وہاں عمارتیں دیکھیں جن کو یہاں کے لوگ کہتے تھے کہ وہ آدمیوں نے نہیں بلکہ دیوتاؤں نے بنائی ہیں۔ وہاں کی عادتیں بھی ایسی دیکھیں جو عاداتِ جاریہ کے خلاف تھیں اور اُن کا یقین مشاہدہ ہی سے آ سکتا ہے۔ شہر کی فصیل سنگ خارا کی بنی ہوئی تھی۔ اُس کے دو دروازے جمنا کے کنارے کی طرف ایسے مضبوط بنے ہوئے تھے کہ پانی سے اُن کو آسیب نہیں پہنچ سکتا تھا۔ شہر کے دونوں طرف ہزار قصر تھے اور ان میں بت خانے تھے اور وہ سر سے پاؤں تک لوہے کی میخوں سے مضبوط کئے گئے تھے۔ یہ سب عمارتیں گچ کی بنی ہوئی تھیں۔ سب مندروں سے بڑے شہر کے درمیان میں ایک مندر عظیم الشان و رفیع البنیان تھا کہ نہ تو اس کا تو بیان جا سکتا ہے نہ نقشہ کھچ سکتا ہے۔ سلطان نے شرفاء غزنی کو اس عمارت کی نسبت لکھا ہے کہ اگر ہزار دفعہ ہزار دینار خرچ کئے جائیں اور دو سو برس تک چابک دست کاریگر و دستکار بنائیں تو بھی ایسی عمارت نہیں بن سکتی۔ بتوں میں ہر ایک کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان یاقوتوں سے ہر ایک یاقوت کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ ہوگی۔ ایک بت کی آنکھیں صاف و چمکدار یاقوت ارزق کی تھیں۔ اس کا وزن ساڑھے چار سو مثقال تھا۔ ایک بت کے دو پاؤں سونے کے وزن میں چار ہزار چار سو مثقال کے تھے۔ ان بتوں میں کل سونا وزن میں اٹھانوے ہزار تین سو مثقال تھا۔ چاندی کے بت دو سو تھے مگر ان کا وزن بغیر توڑنے کے معلوم نہیں ہوسکتا تھا وہ ترازو میں نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ سلطان نے حکم دے دیا کہ سارے بتخانے نفطہء آگ سے جلا دیے جائیں۔ حالانکہ ان کو جلانے سے توڑے بغیر عمارتوں کا نقصان بہت ہوا ہوگا۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے بعض مندروں کو حسانت کے سبب سے نہ توڑا یا حصانت کے سبب سے نہ توڑ سکا۔ بعد اس کے سلطان نے قنوج (فتح قنوج) کی طرف کوچ کیا۔ قنوج تصحیف سے فتوح ہوتا ہے' یہ فالِ نیک پہلے سے موجود تھی۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصّہ پیچھے چھوڑا اور تھوڑی جے پال راجہ سے لڑنے کے لئے لے گیا۔ راجہ کے ساتھ بھی تھوڑے سپاہی تھے اور وہ اپنے کسی امیر

کے پاس جانے کو تھا۔ اس ملک میں سلطان نے جس قلعہ کو دیکھا اُس کو گرا کر زمین کے برابر کیا۔ یہاں کے باشندوں نے کیا اسلام قبول کیا یا تلوار لیکر لڑنے کو کھڑے ہوئے۔ بیشمار قیدی اور غنیمت سلطان کو ہاتھ لگی۔ 8 شعبان 408ھ، 1017ء کو سلطان کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر راجہ جے پال گنگا پار بھاگ گیا۔

قنوج کی فصیلوں میں سلطان داخل ہوا تو اس میں سات قلعے جدا جدا بنے ہوئے تھے اور اُس کے نیچے گنگا بہتی تھی۔ قنوج میں دس ہزار بتخانے تھے۔ جن کو ہندو کہتے تھے کہ دو دو تین تین ہزار برس گزرے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے بنائے تھے۔ سلطان نے ایک ہی دن میں ساتوں قلعے لے لئے اور سپاہ کو حکم اُن کے لُوٹنے کا دیدیا۔ باشندے یا تو بھاگ گئے یا پھر قتل و اسیر ہو گئے۔

قنوج کی تعریف ہندو مسلمان دونوں کرتے ہیں مگر اس کی وجہ کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ یہ شہر کیوں دولت سے مالا مال اور باشان و شکوہ گنا جاتا تھا۔ نہ تو وہاں کے راجہ کا ملک وسیع تھا کہ ہندوستان میں کسی اور راجہ کا نہ ہو۔ نہ اُس کی حکومت اور راجاؤں سے زیادہ تھی۔ اس زمانہ میں قنوج کے مؤرخ یہ بیان کرتے ہیں کہ اُس کی شہر پناہ پندرہ کوس کے گردے میں تھی۔ تیس ہزار قبولیوں کی دکانیں تھیں۔ راجہ کے پاس پانچ لاکھ پیادے تھے۔ تیس ہزار سوار تھے۔ اسی ہزار زرہ پوش تھے۔ اصل حال معلوم ہونا دشوار ہے۔ مگر ان مؤرخوں کے بیان میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ قنوج کی خواہ پہلے شان کچھ اور ہو۔ مگر اب تو وہ قصبہ کہنہ ہے۔ البتہ اس کے گرد عمارات کے کھنڈر باقی ہیں جو اربابِ بصیرت کو عبرت دلاتے ہیں۔ اب اوپر جو بیان قنوج کی فتح کا لکھا ہے وہ تاریخ یمینی سے لکھا ہے۔ اور تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ قنوج کا راجہ کنور رائے سلطان کے لشکر کی عظمت اور شوکت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور سوائے اس کے کچھ بن نہ پڑی کہ رومال سے ہاتھ باندھ کر مع اپنے اہل و عیال کے سلطان کے حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اُس پر بہت لطف و کرم کیا اور کسی طرح کی اذیت نہیں پہنچائی' خود تین روز تک مہمان رکھا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر کوئی دشمن تم کو ستائے گا تو ہم خود کر تمہاری مدد کرینگے۔ چنانچہ اس نے وعدہ کا ایفا بھی کیا۔

پھر سلطان منج دے کی طرف متوجہ ہوا' یہ برہموں کا قلعہ مشہور تھا۔ اس کے باشندے شتر بے مہار تھے۔ وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے مگر جب مقابلہ نہ کر سکے اور

اُن کو یہ بھی یقین تھا کہ مسلمان ہم کو جیتا نہ چھوڑیں گے تو وہ فصیلوں پر سے کود کود کر بھاگنے لگے مگر اس طرح کودنے میں پاش پاش ہو کر مر گئے۔

یہ شہر منج دے پرانا شہر منجھاؤں (منجم کی فتح) معلوم ہوتا ہے جس کے کھنڈر کانپور سے جنوب میں دس میل کے فاصلہ پر پڑے ہیں' وہ قنوجی برہمنوں کا مرکز ہے۔

پھر سلطان قلعہ آسی یا اسونی کی طرف متوجہ ہوا یہاں کا حاکم چنڈیل ھور تھا۔ وہ ہندوؤں کے امیروں اور سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اور ہمیشہ فتح پاتا تھا۔ اس قلعہ کے گرد گھنا جنگل تھا اور اس میں سانپ بھرے ہوئے تھے جن پر کوئی منتر نہ چلتا تھا اور ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ چاندنی اس میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ بڑی چوڑی اور گہری خندق قلعہ کے گرد تھی۔ چنڈیل بھور نے جب سلطان کے آگے بڑھنے کی خبر سنی تو اس کے دل میں بڑا ہول اُٹھا اس نے جان لیا کہ موت منہ کھولے میری طرف آ رہی ہے۔ اس لئے وہ بھاگا۔ سلطان نے اُس کے پانچوں قلعوں کے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں کے ملبے کے نیچے باشندے دب رہ گئے۔ سپاہی قتل اور اسیر ہوئے۔ ان کا مال اسباب لوٹا گیا۔ یہ قلعہ اسونی گنگا کے گوشہ شمال مشرق میں فتح پور سے دس میل پر ہے۔ یہ بہت پرانا شہر ہے اس کو سونی کمار نے (جو سورج کا بیٹا تھا) بنایا تھا اُس نے یہاں بلدان کیا اور اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا تھا۔

جب سلطان نے سنا کہ چنڈیل بھاگ گیا تو اُس کو افسوس ہوا اور وہ قلعہ شروا کی طرف چلا۔ یہاں کا راجہ چندر رائے تھا' ہندوؤں میں بڑے رتبے کا راجہ تھا۔ پور جے پال سے ہمیشہ اُس کی لڑائی رہتی تھی اور کشت و خون ہوتا تھا جے پال نے اپنے پرانے دشمن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کا پیغام بھیجا کہ اس رشتہ مندی کے سبب سے ہمیشہ کیلئے رشتہ اتحاد قائم ہوگا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بیاہنے کیلئے رائے چند کے پاس بھیجا۔ رائے چند نے اُس کے بیٹے کو قید کر لیا اور اُس کے باپ کے سبب سے جو اُس کے نقصان ہوئے تھے اُن کا معاوضہ چاہا۔ پس اب پور جی پال مجبور تھا کہ رائے چند کے قلعہ اور ملک پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کو بھی نہیں چھڑا سکتا تھا۔ غرض ان دونوں میں چھیڑ چھاڑ ہمیشہ رہتی تھی کہ سلطان محمود غزنوی اس ملک میں آ گیا۔ پور جی پال تو راجہ بھوج چند کے پاس جا کر چھپ گیا مگر چندر راجہ سلطان سے لڑنے کیلئے آمادہ ہوا۔ اس اثناء میں بھیم پال نے ایک خط اُس کو لکھا کہ سلطان محمود غزنوی کا حال ہندوستان کے راجاؤں کا سا نہیں ہے وہ ہندوؤں کا پیشوا

نہیں ہے اُس کے باپ کے نام سے فوجیں بھاگتی ہیں بہتر ہے کہ اس سے صلح کی جائے اگر تم اس سے لڑو گے تو پچھتاؤ گے آگے تمہیں اختیار ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کہیں چھپ جاؤ۔ چندر رائے نے بھیم پال کی صلاح کو مان لیا وہ اپنے ہاتھیوں اور خزانوں کو لیکر پہاڑوں میں جا چھپا۔ اس صلاح ورائے بتانے کا سبب یہ تھا کہ کہیں وہ سلطان کے دام میں ایسا نہ پھنس جائے کہ وہ مسلمان ہو جائے' جیسے کہ بھیم پال کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تھے۔ سلطان نے قلعہ شروا کو فتح کر لیا۔ مگر اس کا اصل مطلب یہ تھا کہ چندر رائے کو گرفتار کرے اس لئے وہ اس کی تلاش میں پندرہ فرلانگ ایسے جنگل میں چلا جس کے کانٹوں سے اُس کے لشکر کے آدمی زخمی ہوئے۔ آخر کو اُس نے 25 شعبان 410ھ (6 جنوری 1019ء) کو دشمن کو جالیا۔ سلطان نے اپنے دشمنوں پر حملہ کر کے اُن کو قتل کیا اور تین دن تک مردوں کی تلاشی۔ بہت سے ہاتھی گرفتار کئے۔ ایک ہاتھی جو اس راجہ کا مشہور تھا' وہ خود سلطان کی طرف چلا گیا۔ جس کا نام خدا داد رکھا گیا تمام غنیمت تین ہزار درہم کا مال غنیمت ہاتھ لگا اور قیدی اتنے ہاتھ لگے کہ دو سے لیکر دس درہم تک ایک قیدی فروخت ہوتا تھا۔ یہ قیدی غزنی کو روانہ ہوئے۔ دور دور سے سوداگر اُن کے خریدنے کو آئے۔ سارا ماوراء النہر، عراق، خراسان ان ہندی غلاموں سے بھر گیا۔ گورے' کالے' امیر' غریب سب غلامی میں آ کر برابر ہو گئے۔ یہ سرواوہ، سیون راہی جو کین ندی کے کنارہ پر کالنجر اور باندہ کے درمیان واقع ہے یا سرسواگدہ جو بھونج ندی کے کنارہ پر کوچ سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ جن پہاڑوں میں راجہ چندر رائے جا کر چھپا تھا وہ بندے لکھنڈ کے پہاڑوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے کیونکہ جب سلطان محمود غزنوی 8 شعبان کو قنوج میں ہو اور 25 شعبان کو ان پہاڑوں میں آ گیا ہو تو سوار ان کے اور پہاڑ نہیں ہو سکتے۔ سرسواگدھ بند یلکھنڈ کے راجاؤں کی تاریخ میں بڑا مشہور مقام ہے اور دو برس بعد چندو بھاٹ نے پرتھی راج دہلی کے راجہ کی لڑائیوں میں اس قلعہ کا ذکر کیا ہے کہ اُس کی حفاظت میں بہت سے راجہ مارے گئے۔

412ھ میں سلطان نے کشمیر کا قصد کیا۔ کوہ لوٹ کا محاصرہ کیا۔ ایک مہینہ اس میں صرف کیا مگر قلعہ کو ایسا مستحکم و بلند لوہا لاٹھ پایا کہ اُس کا فتح کرنا اپنے احاطہ قدرت سے باہر دیکھا۔ یہاں سے لاہور کی طرف گیا۔ مگر لشکر کو جو انبار اطراف میں تخت و تاراج کیلئے بھیجا۔ بہت مال و دولت ہاتھ لگی چونکہ جیپال کا پوتا ضعیف ہو گیا تھا اور اجمیر کے راجہ کے

پاس بھاگ گیا تھا۔ اس لئے سلطان شہر لاہور پر قابض ہوا اور اپنے امرائے معتمد میں سے ایک کو صوبہ پنجاب حوالہ کیا اور اُس کے اضلاع میں اپنے عامل صاحب تدبیر مقرر کیے۔ باج و تاراج کی جگہ ملک گیری اختیار کی' ایک لشکر یہاں متعین کیا اور اس ملک میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اول بہار میں وہ غزنی چلا گیا۔ پہلی دفعہ تھی کہ دریائے اٹک کے جانب شرق میں لشکر اسلام نے سکونت اختیار کی پھر یہیں ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد تھی۔

سلطان نے آب جیحوں سے عبور کیا۔ ماوراء النہر کے سرداروں نے اس کا استقبال کیا۔ ہر ایک نے اپنے مقدور کے موافق پیشکش دی۔ یوسف قدر خاں کہ ترکستان کا بادشاہ تھا' استقبال کے لئے آیا۔ اس میں دوستانہ ملاقات ہوئی' جشنِ شاہانہ بڑی تیاریوں سے ہوئے۔ تحفہ تحائف باہم لئے دیئے گئے۔ علی تگین کو جب خبر ہوئی تو وہ بھاگ گیا۔ سلطان نے اُس کو گرفتار کر کے ہندوستان کے کسی قلعہ میں محبوس کیا۔

کنور رائے راجہ قنوج اور سلطان کے باہم عہد ہو چکا تھا کہ اگر کوئی راجہ اس کو ستائے گا تو وہ اس کی امداد کرے گا اب کالنجر کے راجہ نندرائے نے اور راجاؤں کو اپنے ساتھ لیکر قنوج کے راجہ کو دبانا چاہا۔ اس راجہ کی اس حرکت سے کہ محمود غزنوی کی اُس نے اطاعت کر لی تھی' سب راجہ متنفر ہو گئے اور اس پر لعنت ملامت کرتے تھے۔ جب یہ خبر سلطان محمود غزنوی کو پہنچی تو وہ راجہ کالنجر سے لڑنے کے لئے چلا۔ وسط ہند کی وہ پہلے سیر کر چکا تھا مگر اُس کے آنے سے پہلے ہی راجہ کالنجر نے قنوج کے راجہ کا کام تمام کر دیا۔

غزنی سے جب فوج سلطان لیکر آتا تھا تو راجہ جے پال دوم جس کو پورجے پال فارسی کتابوں میں لکھا ہے۔ لشکر سلطانی کا دریائے جمن پر سدراہ ہوا۔ راجہ انند پال کا بیٹا ہمیشہ سلطان کی اطاعت کیا کرتا تھا مگر شامتِ اعمال جو آئی تو راجہ کالنجر کا طرفدار ہو گیا۔ اس دریا کی طغیانی لشکر سلطانی کے عبور کی مانع ہوئی مگر آٹھ امیر دریا سے پار اُتر گئے اور راجہ جے پال کے پوتے کو شکست دی ملک کو تخت و تاراج کیا اور بُت خانوں کو لوٹا۔ غرض وہاں نندرائے کے ملک میں سلطان آیا۔ اس راجہ نے بھی لڑائی کے ارادہ سے بڑا لشکر جمع کیا تھا۔ چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس ہاتھی جمع تھے۔ سلطان نے جو کسی بلندی پر چڑھ کر یہ لاؤ لشکر دیکھا تو دل میں پشیمان ہوا کہ میں یہاں کیوں آیا۔ خدا کی درگاہ میں التجا لایا فتح اور سلامتی کیلئے گڑگڑایا۔ خدا کی قدرت جب رات ہوئی تو نندرائے پر

ایسا خوف عظیم طاری ہوا کہ وہ سب اسباب چھوڑ چھاڑ کر فرار ہوا۔ جب دن ہوا تو سلطان نے دیکھا تو خود گھوڑے پر سوار ہو کر کمین گاہوں کو دیکھا اور پھر دستِ غارت دراز کیا پانچ سو اسی ہاتھی اُس کو یہاں سے ہاتھ لگے۔ غرض بعد اس فتح کے غزنی کو مراجعت کی۔ اس مہم میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کا حل ہونا دشوار ہے۔ اوّل وہ دریا جہاں سلطان محمود غزنوی اٹکا کون تھا۔ کوئی دریائے جمن تجویز کرتا ہے۔ تو کوئی رام گنگا بتلاتا ہے۔ غرض کچھ تحقیق نہیں۔ دوسرے کوئی پور جیپال کو نبیرہ جیپال لکھتا ہے۔ تو کوئی بیٹا بتلاتا ہے۔ اس مہم کا نام مہم راہب بھی ہے۔

412ھ، 1023ء میں سلطان کو خبر لگی کہ قیراط اور ناردین کے آدمیوں نے بغاوت اختیار کی۔ ان دونوں دیار کے باشندے بت پرست تھے۔ سلطان نے لشکر جمع کیا اور بہت سے آہنگر اور سنگتراش ساتھ لئے اور اُن کی طرف روانہ ہوا اوّل قیراط کو فتح کیا۔ یہ ملک قیراط کا سردسیر تھا۔ وہاں میوے پیدا ہوتے تھے اور ترکستان کے درمیان واقع تھا اور وہاں باشندے شیر پرست تھے۔ یہاں کے حاکم نے اطاعت کی اور اسلام قبول کیا اور باشندے بھی اپنے حاکم کی تقلید کر کے مسلمان ہوئے۔ حاجب علی بن ارسلان یا صاحب علی بن ایلار کو ناردین فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے قلعہ کو سرسواری فتح کر لیا اور اس مقام پر ایک قلعہ بنوایا اور علی قدر بن سلجوقی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اسلام نے اس ملک میں اشاعت پائی۔ اس مہم کی نسبت بہت سے محققین کو اشتباہ ہے۔ اوّل قیرات اور ناردین کے صحیح نام اور مقام دریافت کرنے میں بہت کوشش کی گئی۔ فارسی تاریخوں میں نام ایسی بے پروائی سے لکھتے ہیں کہ وہ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اب دونوں مقاموں کے نام مختلف طرح سے لکھے ہیں، کوئی قریت لکھتا ہے اور کوئی قرات اور ناردین لکھتا ہے۔ غرض بعد تحقیق کے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیراط اور ناردین کا وہ ملک ہے جس میں سوات، باجوڑ اور ایک حصہ کافرستان کا واقع ہے۔ طبقاتِ اکبری کا بیان ایسا ہے کہ جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ حقیقت میں یہی ملک ہے اور بہت سے بدھ موجود ہیں جو یہاں کی شیر پرستی کی شہادت دیتے ہیں۔ بدھ کا نام شاکی سنگھ تھا۔ سنگھ شیر کو کہتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں نے بودھوں کو شیر پرست لکھا ہے۔

413ھ، 1024ء میں راجہ کالنجر کی تادیب کے واسطے سلطان محمود غزنوی نے

لاہور سے قصد پھر کیا۔ جب سلطان گوالیار پہنچا اور وہاں کا محاصرہ کیا' چار روز بعد راجہ نے امان مانگی اور 35 ہاتھی نذرانہ میں بھیجے۔ سلطان نے امان دی اور کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قلعہ سارے ہندوستان میں استحکام کے اندر اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کا بھی محاصرہ کیا مگر نندراے نے تین سو ہاتھی ہدیتاً بھیجے اور امان چاہی۔ ان ہاتھیوں پر فیلبان نہ تھے۔ بادشاہ نے ترکوں سے کہا کہ ان پر چڑھو۔ ترک اُن کو پکڑ کر سوار ہونے لگے' ہندوؤں کو بڑا تعجب ہوا۔ راجہ نے ہندی اشعار سلطان محمود غزنوی کی تعریف میں لکھ کر بھیجے۔ پنڈتوں سے اُس کے معنی پوچھے۔ ان کے معنی سن کر راجہ بہت خوش ہوا اور اس کو پندرہ قلعوں کا حاکم مقرر کیا۔ راجہ نے بھی بہت سے جواہر، زرنقد اور اسباب اس کو پیش کئے۔ سلطان پھر غزنی کو واپس آ گیا۔

اب سلطان محمود غزنوی کا دل لوٹ مار کے حملوں سے بھر گیا تھا اور ایسی مہموں میں اُس کو مزہ نہ آتا تھا۔ قنوج کے فتح کے بعد جو حملے اس نے کئے وہ اپنی خوشی سے اس نے نہیں کئے بلکہ مجبوری تھے۔ اب ساری توجہ اس بات پر تھی کہ اسلام کی اشاعت میں گو وہ کوئی بڑا آدمی نہ شمار کیا جائے مگر یہ بات تو حاصل ہو کہ بت پرستی کے حق میں وبا سمجھا جائے اور بت شکن نام پائے۔ اس لئے اس نے ارادہ سومنات کا کیا۔

یہ حملہ اہلِ اسلام کا ایک مشہور جہاد ہے۔ اب تو ہندوستان کے لوگ سومنات کا مقام بھی نہیں جانتے لیکن وہ اس دور میں بڑے تیرتھوں میں گنا جاتا تھا۔ گرہن کے دن لاکھوں آدمی دور دور سے یہاں آتے تھے اور ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ روحیں بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں مسئلہ آواگون کے موافق آتی ہیں اور سمندر کا جوار بھاٹا نہیں ہوتا بلکہ سمندر اُس کی پرستش میں اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ اس مندر کا وہاں مقام ہے جہاں اب جزیرہ نما گجرات میں بھابری دار ہے۔ وہ مہادیو کا مندر تھا۔ جس مکان میں سومنات تھا' وہاں باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔ جواہر اور الماس جو در و دیوار میں جڑے ہوئے تھے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہوئے تھے۔ اُن کی جوت اور جگمگاہٹ سے وہاں دن رات برابر تھے۔ چھپن ستون مرصع جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔ دو سو من سونے کی زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں گھنٹے گھڑیالیں لٹکتی تھیں جس وقت پوجا کا وقت ہوتا تھا' وہ بجتے تھے۔ اُس کے مصارف کے واسطے دو ہزار گاؤں معاف تھے۔ دو ہزار پنڈے وہاں حفاظت کے واسطے متعین تھے۔ دروازہ کے سامنے سومنات کھڑا تھا۔ پورا پانچ گز لمبا تھا۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز

زمین کے باہر۔ گنگا اگرچہ چھ سو کوس پر ہے مگر روز تازہ گنگا جل آتا تھا اور اس سے سومنات کو اشنان ہوتا تھا۔ پانچ سو گائیں اور تین سو گویے تھے جو پوجا کے وقت بھجن گاتے تھے اور ناچتے تھے۔ اس قدر دولت اس مندر میں جمع تھی کہ کسی راجہ کے خزانہ میں نہ ہوگی غرض جب مہمِ سومنات کی غزنی میں تجویز ہونے لگی تو ہزاروں مسلمان ترکستان اور دوسرے ملکوں سے مذہبی جوش کے ساتھ ہو لئے۔ اُن کی نہ تنخواہ تھی نہ ورماہہ فقط غنیمت کی اُمید ہمراہ تھی۔ ماہ ستمبر 415ھ، 1064ء میں یہ فوج غزنی سے روانہ ہوئی اور ماہ اکتوبر میں ملتان میں پہنچی۔ یہاں ملتان سے راستہ بالکل جنگل ہی جنگل تھا۔ نہ راہ میں آدمی ملتا نہ کھانا' پینتالیس ہزار اونٹوں پر پانی اور غلہ لادا گیا۔ ہر سپاہی تاکید کی گئی کہ وہ اپنے کھانے پینے کا سامان رکھ لے۔

غرض یہ سب سامان درست کر کے 350 میل لق ودق میدانوں کو لپیٹ کر اجمیر کے پاس سلطان۔ اگرچہ کوئی راجہ ایسا نہ تھا کہ سلطان کے ارادہ سے واقف نہ تھا مگر کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ یہ طوفانِ ہمیر بجلی کی طرح آن پڑے گا اور پہاڑ کی طرح آن اڑیگا۔ اب راجہ اجمیر نے سوائے بھاگنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ راجہ بھاگا' دارالخلافہ خالی ہوا۔ اُس کا ہر ایک گھر بے چراغ ہوا۔ سامنے تارا گڑھ کا قلعہ نظر آیا۔ مگر سلطان محمود غزنوی نے اس کے محاصرہ کو بے سود جانا اپنا سفر منزل بمنزل طے کرنا شروع کیا۔ راہ میں جو اور قلعے پڑے اُن کو ٹھکراتا ہوا چلا گیا۔ گجرات کے مشہور شہروں میں سے اوّل وہ نہل واڑہ میں پہنچا۔ اگرچہ راجہ یہاں کا بڑا راجہ تھا مگر سلطان محمود غزنوی کے سامنے سے بھاگ گیا۔ یہ نمایاں فتح اہل اسلام کو حاصل ہوئی مگر سلطان محمود غزنوی نے کچھ اس کا خیال نہ کیا سیدھا سومنات کی دُھن میں چلا گیا۔ خدا نے اُس کو منزل پر پہنچایا۔ سمندر کے کنارہ پر ایک قلعہ عالیشان نمودار ہوا۔ اُس کا سر آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ پاؤں میں اُس کے سمندر لوٹ رہا تھا۔ فصیلوں پر جگہ جگہ پہرہ بندی تھی جب مندر والوں نے دیکھا کہ نشانِ محمودی لہرا رہا ہے اور اُس کے ساتھ سازوسامان' لاؤلشکر موجود ہے تو دیواروں پر کھڑے ہو ہو کر پھر پکار پکار کر کہتے تھے کہ تم اپنے لشکر کے گھمنڈ پر ہم کو لوٹنے آئے ہو۔ اس کی تم کو خبر نہیں کہ ہمارے دیوتا سومنات نے تم کو یہاں بلایا ہے۔ سارے ہندوستان میں شوالے' مندر' بت تم نے توڑے ہیں۔ اب اُس کی عوض میں ہمارا یہ دیوتا تمہاری گردنیں توڑے گا۔ ایلچی ایسے ایسے پیغام سلطان محمود غزنوی کے پاس لائے مگر اُس نے کان لگا کر سنا بھی نہیں کہ کیا کہتے ہو۔ تیوری

بدل کر منہ پھیر لیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو سلطان محمود غزنوی نے اپنے تیر اندازوں کو فصیل کے پہرہ والوں سے جا بھڑایا۔ ان تیر اندازوں نے وہ تیر برسائے کہ ہندوؤں کو فصیل چھوڑتے ہی بنی پھر ہندو اپنے دیوتا کے قدموں پر گر پڑے اور گڑگڑانے لگے۔ یہ روتے ہی رہے کہ مسلمان جھٹ سیڑھیاں لگا' کمندیں ڈال' فصیلوں پر چڑھ گئے اور تکبیر کے نعرے مارنے شروع کئے۔ راجپوتوں کا حال یہ ہے کہ جیسے وہ جلد سرد ہو جاتے ہیں' ویسے ہی جلد حرارت میں بھر آتے ہیں۔ غرض غیرت سے اُن کا خون جوش میں آیا۔ مسلمانوں سے ایسا لڑے کہ اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان بہت نقصان اٹھا کر اُلٹے پھرے۔ مسلمانوں نے تیسرے روز پھر حملہ کیا اور بہت نقصان اٹھایا اور جب سلطان محمود غزنوی نے بڑے زور کا حملہ کیا اور زینے لگا کر فصیل پر لشکر چڑھایا تو مندر والوں نے اپنی بہادری سے اُن کو سر کے بل گرایا اس سے پتہ چل گیا کہ وہ اپنے مندر کی حمایت میں آخر دم تک لڑنے کو موجود ہیں۔ اب آس پاس کے جو راجہ مندر چھڑانے کے لئے جمع ہوئے تھے انہوں نے باہر اپنے لشکروں کی صفیں آراستہ کیں۔ مجبوراً محاصرہ چھوڑ کر نئے دشمنوں سے لڑنا پڑا۔ دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہوئی لڑائی اتنی زور دار تھی کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کس طرف کا پلہ بھاری ہے یہ وہم ہونے لگا کہ لشکر اسلامِ ضعیف ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی مضطرب ہوا۔ (ایک سناٹے کے عالم میں تھا کہ دیکھئے) خدا کیا دکھاتا ہے۔ خدا کی درگاہ میں التجا لایا' عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں اور خرقہ شیخ ابوالحسن خرقانی پہنا بعدازاں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی فوج کے دل بڑھانے لگا۔ سپاہ جو اتنے دنوں سے سلطان محمود غزنوی کے پارکاب لڑی ہو' وہ ایسے وقت میں چھوڑ کر کہاں جا سکتی تھی۔ غرض سب نے یک جاں ہو کر اور تکبیر کہہ کر ایسا قدم بڑھایا کہ کوئی اُس کو روک نہ سکا۔ پانچ ہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا۔ ہندو بھاگ کر مندر میں گھسنے لگے' ایسی ہیبت لشکرِ اسلام اُن کے دل میں بیٹھی کہ مندر کے سپاہیوں کو بھی بچنے کی اُمید نہ رہی۔ چار ہزار سپاہی دل بڑا کر کے باہر نکلے اور کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگنے کا ارادہ کیا مگر سلطان محمود غزنوی نے اُن کے پکڑنے کے واسطے کشتیاں چھوڑیں۔ ان میں سے کچھ مارے گئے کچھ جان بچا کر چلے گئے۔ کچھ ڈوب کر مر گئے۔ اس فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی مندر کے اندر داخل ہوا اور سومنات کی ناک اُڑا دی اور توڑنے کا حکم دیا۔ پجاری دوڑ کر پاؤں میں گر پڑے اور عرض کرنے لگے اگر خدا بعالی اس مورت کو نہ توڑیں تو اُس کے

عوض میں جس قدر روپیہ کہیں گے ہم نذر کر دیں گے۔ یہ بات سن کر سلطان نے کچھ تامل کیا اور پھر فرمایا کہ میرے نزدیک بت فروش نام پانے سے بت شکن نام پانا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر اس پچگوی مورت پر ایک ایسا گرز مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حسب اتفاق اُس کے پیٹ میں اس قدر ہیرے موتی اور جوہرات بیش بہا نکلے کہ اُس نذرانہ کی اُس کے آگے کچھ اصل نہ تھی۔ یہ دیکھ کر سلطان محمود غزنوی باغ باغ ہو گیا۔ دو ٹکڑے اُس کے مدینہ بھیجے۔ دو غزنی کو بھجوائے جن میں سے ایک جامع مسجد میں اور ایک دیوانِ عام کے دروازہ پر ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ اس مہم میں کم از کم دس کروڑ روپیہ کا مال کو ہاتھ آیا ہو گا۔ ایسی غنیمت عمر بھر ہاتھ نہیں لگی تھی۔ انہل واڑہ کا راجہ پرم دیوگندابہ کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا۔ یہ قلعہ سمندر میں تھا۔ جب سمندر کا پانی اُترتا تو اُس تک رسائی ہوتی۔ سلطان محمود غزنوی نے لشکر بھیجا۔ اُس نے قلعہ فتح کر لیا مگر راجہ ہاتھ نہ آیا۔ بعد ان فتوحات کے سلطان محمود غزنوی انہل واڑہ آیا اور ساری برسات یہیں کاٹی۔ اس ملک میں آب و ہوا کی صفائی اور آدمیوں کی حسانت' دل آرائی' زمین کی شادابی' پانی کی روانی کو دیکھ کر یہ خطہ اُس کو پسند آیا پھر ارادہ کیا کہ غزنی مسعود کو دے دیجئے۔ اور اپنا یہاں علیحدہ دارالخلافہ بنائے اور سلطنت کو بڑھائے۔ سلطان محمود غزنوی کی اس عالی حوصلگی کو دیکھنا چاہئے کہ وہ سکندر ذوالقرنین بنا چاہتا تھا۔ یہاں رہنے سے یہ مطلب تھا کہ جہازوں کا بیڑا تیار کرے پھر لنکا اور پیگو کو فتح کرے اور وہاں کے سونے و جواہرات کی کانوں سے متمتع ہو۔ غرض ان خیالات سے یہاں رہ جانے کا ارادہ کیا تھا مگر اس کے مشیروں نے اُسے ڈھیلا کر دیا۔ انہوں نے عرض کی کہ خراسان کو کس محنت اور جانکاہی سے صاف کیا۔ اُس کو چھوڑنا اور گجرات کو دارالسلطنت مقرر کرنا مصلحت ملکی نہیں ہے۔ اس بات کو سلطان نے مان لیا اور مراجعت کا ارادہ کیا۔ سلطان نے فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو منتخب کرو جس کو یہاں مملکت اور حکومت سپرد کر جائیں۔ بہت امیروں نے آپس میں مشورہ کیا اور عرض کیا کہ اس ملک میں پھر ہمارے آنے کا اتفاق نہ ہو گا۔ یہاں کے کسی شخص کو حاکم مقرر کرنا چاہئے۔ اہالیانِ سومنات سے اس معاملہ میں کچھ گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ سب سے اچھا حسب و نسب اس ملک میں داب شلیموں کا ہے اور اُن میں سے ایک شخص یہاں ریاضت میں مشغول ہے۔ اگر اُس کو یہاں کی سلطنت عنایت کی جائے تو بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ دابشلیم بڑا تند خو ہے۔ یہ ریاضت اُس کی عصمت بی بی از بے

چادری ہے۔ جب اُس کو لڑائی جھگڑے سے ملک ہاتھ نہ آیا تو یہ سانگ بھرا ایک اور دابشلیم ہے۔ وہ بہت عاقل' دانا ہے' دربار حاکم بھی ہے سب اُس کی بات مانتے ہیں۔ اگر سلطان اُس کے نام فرمان بھیجے تو وہ سر آنکھوں سے حاضر ہو' وہ یہاں خوب راج کرے گا اور آپ کا خراج باج ادا کرتا رہے گا۔ سلطان نے ارشاد فرمایا کہ کسی ملک کے حاکم کو یہاں بلا کر راجہ بنانا مناسب نہیں۔ دابشلیم مرتاض ہی کو یہاں کا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس دابشلیم نے عرض کی کہ ایک دابشلیم میرا دشمن ہے۔ جس وقت حضور یہاں سے تشریف فرما ہوئے وہ مجھے دبا کر ملک چھین لے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اُس کو میرے حوالے کیجئے۔ سلطان نے اس دابشلیم کا ملک لے لیا۔ پہلے یہاں دستور تھا کہ بادشاہ کو مارا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے تخت کے نیچے نہایت تنگ و تاریک گھر بناتے اور اس کے اندر ایک سوراخ رکھتے اُسی میں سے دانہ پانی اندر جاتا اور راجاؤں کو قید کر دیتے تھے۔اب تک یہ مکان تیار نہ تھا۔ اس لئے دابشلیم مرتاض نے عرض کی کہ دوسرے دابشلیم کو آپ ہمراہ لے جایئے اور جب مانگوں تو اُسے میرے حوالہ کیجئے۔ خدا کی قدرت جب یہ دابشلیم غزنی سے گجرات آیا تو دابشلیم مرتاض اندھا ہو گیا تھا۔ اس لئے وہی قیدی گجرات کا راجہ ہوا اور جو گھر اُس کے قید کرنے کیلئے بنایا تھا اُس میں یہ دابشلیم مرتاض قید ہوا۔

جیسے اس ملک میں آنا دشوار تھا' ایسے ہی اُلٹا جانا مشکل تھا۔ جس راہ سے آیا تھا وہاں اجمیر اور انہل واڑہ کے راجاؤں کی فوجیں کمین میں بیٹھی تھیں۔ سلطان کی فوج نے کیسے کچھ مصائب اُٹھائے تھے اور کیا کیا لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُس سبب سے وہ کم ہو گئی تھی۔ سلطان جنگ کرنے کی مصلحت نہ جانتا تھا۔ اس لئے وہ اس راہ سے نہ گیا جس راہ آیا تھا۔ بلکہ بیابان اور ریگستان سندھ کی راہ اختیار کی۔ ملتان جانے کا قصد کیا۔ راہبر ساتھ لئے مگر راہبر نے راہ نہ بتائی بلکہ راہ سے بے راہ اور گمراہ کیا اور ایسی راہ پر ڈال دیا جہاں پانی کا پتا نہ تھا۔ جب رات دن سفر ہوا اور پانی نہ ملا تو ایک تلاطم سارے لشکر میں پڑ گئی۔ راہبر سے پوچھا کہ پانی کہاں سے ملے گا اُس نے جواب دیا کہ میں سومنات کا فدائی ہوں۔ تجھے اور تیرے لشکر کو ایسی جگہ لایا ہوں کہ بن پانی ماروں۔ سلطان نے غضب میں آ کر اُس کو وہیں مار ڈالا۔ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا تھا کہ مرغان آبی نظر آئے۔ اُس سے یقین ہوا کہ جہاں یہ جانور ہوں' وہاں پانی ضرور ہو گا۔ غرض اُن سے ایک چشمے کا پتہ مشکل سے ملا۔

اس عرصہ میں بہت سے آدمی مر گئے۔ کچھ دیوانے ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ ملتان کی راہ سے سلطان غزنی پہنچ گیا اور اسی سال میں خلیفہ القادر باللہ عباسی نے اُس کو لقب کہف الدولت والاسلام عطا فرمایا۔ اب اس مہم میں یہ باتیں قابل غور ہیں۔ اول گنداپہ جس میں راجہ انہل واڑہ جا کر چھپا، کیا مقام ہے۔ فارسی تاریخوں میں اُس کے نام مختلف طرح کے لکھے ہیں۔ غالباً وہ کھانڈاوار کاٹھیا واڑ میں ہے۔ دوم سومنات کی تحقیقات جو تاریخ فرشتہ میں لکھی ہے کہ وہ مرکب سوم اور نات سے ہے۔ سوم نام بادشاہ کا ہے' جس نے اُسے بنایا تھا اور نات اُس بُت کا نام ہے۔ یہ دونوں علم ملکر نام بت' تجانہ اور شہر کا ہو گیا ہے اور نات کے معنی ہندی میں بزرگ کے ہیں۔ اُس نے قیاس جگناتھ پہ کیا ہے مگر یہ اُس کی غلطی ہے۔ اصل یہ ہے کہ سنسکرت میں سوم چاند کو کہتے ہیں۔ مہادیو کی پرستش اس سوم نات کے نام سے بھی کی جاتی ہے' اس لئے اُس کو سومنات کہتے تھے۔ چاند کی پہلی اور چودھویں تاریخ کو اُس کا اشنان بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا شاید اس لئے اس کو سومنات کہتے تھے۔ پہلے مؤرخوں نے کچھ اس بت کے اعضا اور خط و خال نہیں بیان کئے' وہ لنگ کی شکل تھا۔ اس میں آنکھ ناک کچھ نہ تھے او لنگ ٹھوس ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مؤرخوں کا لکھنا کہ بتر سے ناک اُڑائی اور گرز سے پیٹ کو توڑا اس میں سے جواہرات نکلے غلط ہے۔ ابوریحان بیرونی کا لکھنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے سر کے اوپر یعنی لنگم پر سونے کی پوشش اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

تاریخِ فرشتہ میں جو حال سومنات کے توڑنے کا لکھا ہے' وہ ایک کہانی دراصل گھڑی ہوئی ہے مگر وہ دلچسپ ایسی ہے کہ ان مؤرخوں نے جو تحقیق سے غرض نہیں رکھتے' نقل کر دیا ہے۔ ابوریحان بیرونی نے صحیح لکھا ہے کہ سومنات لنگ تھا۔ یہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ لنگ کے پیٹ نہیں ہوتا جو اس میں جواہر بھرے جاتے۔ ہندوستان میں بارہ مندر لنگ کے ہیں' اُن میں سے ایک سومنات بھی تھا۔

فارسی تاریخوں میں سومنات کے پیٹ سے جواہر نکلنے کی کہانی لکھی جاتی ہے۔ انگریزی تاریخوں میں اس سے زیادہ بیہودہ یہ کہانی گھڑی جاتی ہے کہ سومنات کا دروازہ صندلی محمود غزنوی لے گیا تھا جس کو 1842ء میں انگریز سرکار بڑی دھوم دھام سے غزنی سے شمالی ممالک میں لائی اور اُس کو اپنی فتح کا نشان بنایا۔

ان تکالیف کے بعد بھی سلطان محمود غزنوی کو چین نصیب نہ ہوا اسے ایک دفعہ ہندوستان پھر آنا پڑا۔ سومنات سے جب واپس آیا تھا تو سیاہ سلطان محمود غزنوی کے تکلیف رساں اور مزاحم جوو کے جاٹ ہوئے تھے۔ وہ بہت سی فوج لیکر ملتان کی طرف گیا۔ اور ایک بیڑہ چودہ سو کشتیوں کا بنوایا۔ ہر کشتی میں تین شاخیں آہنی لگائیں۔ دو ادھر اُدھر اور ایک پیشانی پر غرض یہ کشتیاں ایسی بنیں کہ جو کوئی اُن کے سامنے آئے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ ہر کشتی میں تیس تیر انداز تھے۔ اُن کے پاس تیر لفظ اور قارورہ موجود تھے۔ اس بیڑہ میں سوار ہوکر جاٹوں پر حملہ کیا۔ جاٹوں نے اس بیڑہ کی خبر پا کر اُن جزیروں میں آمدورفت اور دشمن کے حملوں سے بچنا آسان تھا۔ جاٹوں نے بھی بعض کہتے ہیں کہ چار ہزار اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ہزار کشتیاں تیار کرائیں خود مسلح ہوکر اُن میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ اب یہ دونوں بڑے آپس میں خوب لڑے۔ جاٹوں کی کشتی جو سلطان محمود غزنوی کی کشتی پاس آتی تھی وہ ان آہنی شاخوں سے پاش پاش ہو جاتی تھی۔ بہت سے جاٹ ڈوب کر مر گئے اور بعض تلواروں کے نیچے آگئے۔ اب فوج سلطانی وہاں پہنچی جہاں جاٹوں کے اہل وعیال چھپے تھے۔ اُس نے ان سب کو قید کر لیا۔ اس فتح کے بعد سلطان نے غزنی کو مراجعت کی۔

اب محققینِ تاریخ میں شبہ نہیں کرتے کہ سلطان محمود غزنوی جاٹوں سے لڑنے آیا کیونکہ لاہور کی سلطنت بگڑنے پر یہ جاٹ ضرور متمرد ہو گئے ہونگے اور زور پکڑ کر لوٹ مار شروع کی ہوگی۔ بلکہ ایک فقرۂ کامل التاریخ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کی ریاست منصورہ پر جاٹوں نے حملہ کیا اور وہاں کے رئیس کو اپنے مذہب سے منحرف ہونے پر مجبور کیا۔ یہ تحقیق نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کے پاس پہاڑوں میں وہ کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔ غالباً نمکسار پہاڑوں کا سلسلہ ان کا لجا اور ماویٰ ہوگا۔ جن جاٹوں نے سلطان محمود غزنوی کا مقابلہ کیا تھا وہ شمال مشرق میں زیادہ پھیل گئے ہونگے' جس سے انکا صاحبِ قوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ محققین اس بیڑہ میں شاخسانے لگاتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ دریا ایسا وسیع نہ تھا کہ اُس میں یہ بڑے سما سکتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس قدر کشتیوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا۔ ایک بڑا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے گجرات سے مراجعت میں سختیاں و مصیبتیں اُٹھائیں' اس نے دریائے سندھ سے کیوں فائدہ نہ اُٹھایا۔ اگر وہ ایسا بیڑا بنا

سکتا تھا تو ضرور وہ مصائب کے دور کرنے کے لئے اسے بناتا۔ یہ بھی نہ تھا کہ وہ اس راہ سے ناآشنا تھا۔ محمد بن قاسم کی مہمات سے اور افغانوں کی قربت سے ضرور اُس کو اطلاع ہو گی۔

418ھ میں سلطان محمود غزنوی نے ابو الحرب ارسلان کو امیر طوس مقرر کیا کہ دریائے اموبہ (جیجون) سے جو سلجوقی اُتر کر ملک میں فساد کرتے ہیں، اُن کا خاتمہ کرے۔ امیر طوس نے جنگ ہائے عظیم کے بعد لکھا کہ جب تک سلطان خود یہاں رونق افروز نہ ہوں گے، سلجوقیوں کا فساد مٹنا ممکن نہیں۔ یہاں رستے میں مجدالدولہ فخر الدولہ کی کم سنی کے سبب سے اُس کی ماں سیدہ سلطنت کرتی تھی۔ وہ ہر روز دربار کرتی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر وزراء سے باتیں کرتی۔ اطراف سے جو خطوط آتے، اُن کا جواب بغیر کسی مدد کے لکھوا دیتی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کو خط لکھا کہ اُس کے نام کا سکہ و خطبہ اپنے ملک میں جاری کرے یا جنگ کیلئے آمادہ ہو۔ سیدہ نے جواب میں لکھا کہ جب تک میرا شوہر زندہ تھا، مجھے اندیشہ تھا کہ اگر سلطان یہ فرمائے گا تو کیا تدبیر کرنی ہو گی مگر اب مجھے کچھ اس کا فکر نہیں ہے۔ سلطان عاقل و فرزانہ ہے اور جنگ دوسر دارو۔ اگر مجھ پر ظفر ہوئی تو سلطان کا اس سے کچھ نام نہ ہو گا کہ ایک بیوہ عورت پر فتح پائی۔ اگر مجھ سے شکست پائی تو قیامت تک اس بدنامی کا داغ محو نہ ہو گا۔ (ع چہ مردی بود کز زنے کم بود۔) سلطان اس جواب کو سن کر اُس کی خصومت سے درگزر رہا مگر جب وہ مر گئی اور مجدالدولہ کو اختیار ہوا تو ملک میں ہرج مرج ہونے لگا۔ 420ھ کے اوائل میں غزنی سے عراق کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مازندران میں جب آیا تو شمس المعالی قابوس سلطان سے ملا۔ اور بہت تحفے تحائف نذر دیئے۔ چند روز کے بعد وہ کسی توہم کے سبب اپنے ملک چلا گیا۔ مگر سلطان کے پاس چار ہزار دینار اور سپاہ بھیج گیا پھر معذرت نامہ ایسا لکھا کہ سلطان بھی اُس کے پیچھے نہیں پڑا۔ مجدالدولہ کتابیں بہت پڑھا کرتا تھا۔ اُس نے بھی سلطان محمود غزنوی کو اپنی سپاہ کی شکایت میں خط لکھا۔ سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ایک لشکرِ گراں رے کو روانہ کیا اور امیر لشکر کو ہدایت کی کہ ایسی سعی کرے کہ مجدالدولہ ماخوذ و مقید ہو جائے۔ جب لشکرِ سلطانی رے میں آیا تو مجدالدولہ اس سے ملا۔ حاجب سلطان کہ امیر لشکر تھا، اُس نے مجدالدولہ اور اُس کے بیٹے ابو دلف کو گرفتار کر لیا۔ جب سلطان کو یہ خبر ہوئی تو وہ بلاتوقف رے میں آیا اور خزانہ رے سے بہت دولت و جواہر اور جامہ ابریشمیں سلطان کے پاس لائے۔ سلطان نے مجدالدولہ کو بلا کر

پوچھا کہ شاہنامہ تاریخ ملک فرس ہے۔ اور تاریخ طبری جس میں ارباب اسلام کے وقائع لکھے ہیں پڑھی ہیں اُس نے کہا کہ ہاں سلطان نے پوچھا کہ شطرنج بھی کھیلی ہے کہا ہاں۔ پھر سلطان نے کہا کہ کسی کتاب میں یہ بھی پڑھا ہے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ حکومت کرتے ہوں اور بساط شطرنج میں دو شاہ ایک خانہ میں ہوں۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ سلطان نے کہا کہ پھر تو نے کس واسطے اپنا اختیار دوسرے شخص کو دیدیا جو تجھ سے زیادہ بااقتدار تھا۔ غرض مجدالدولہ اور اُس کے بیٹے اور نواب کو قید کر کے غزنی روانہ کیا اور خلیفہ قادر باللہ عباسی کو نامہ لکھا کہ ہم نے رے میں آ کر مجدالدولہ کو گرفتار کیا۔ اُس کے گھر میں پچاس عورتیں تھیں، جن میں سے تیس کے اولاد تھی۔ اس سے سوال کیا کہ اتنی بیویاں کس مذہب کے موافق تو نے کیں۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارے اسلاف کی یہی عادت اور رسم تھی۔ ایک جماعت فرقہ باطنیوں کی اُس کی ملازم تھی۔ اُن سب کو دار پر کھینچا اور رے میں جو معتزلہ تھے، اُن کے کوچے لگا کے خراسان بھیج دیا۔ کہتے ہیں کہ مجدالدولہ کے کتب خانہ میں کتابیں بہت تھیں۔ اُن میں سے جن کتابوں میں اہل اعتزال اور حکما کے اقوال تھے اُن کو جلا دیا باقی کتابوں کو خراسان بھیج دیا۔ سلطان مسعود کو رے، سپاہان سپرد کر کے اور ایران فتح کر کے غزنی لوٹا۔

جس وقت سلطان سومنات سے پھرا ہے خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان محمود غزنوی کو القاب نامہ لکھا اور خراسان، ہندوستان نیمروز، خوارزم کا لوا بھیجا اور سلطان کو کہف الدولہ والاسلام کا اور اُس کے بیٹے مسعود کو شہاب الدولہ والملۃ کا۔ دوسرے بیٹے امیر محمد کو جلال الدولہ و جمال الملۃ اور اُس کے بھائی امیر یوسف کو عضدالدولہ و مؤیدالملۃ کا لقب دیا اور یہ بھی اجازت دی کہ جس کو چاہو اپنا ولی عہد مقرر کرو۔ یہ نامہ سلطان کے پاس بلخ پہنچا۔

پچیس برس کے عرصہ میں جو سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے ان سب کا نتیجہ یہ تھا کہ پنجاب کے مغربی اضلاع دولت غزنویہ کی تابع ہو گئے۔ مشرق میں، قنوج میں جنوب میں اور گجرات میں سلطان کی تخت و تاریع کی یاد باقی رہی۔ سلطان نے ہندوستان پر مستقل سلطنت کرنے کا قصد نہیں کیا۔ (سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے نتائج) پنجاب سے باہر جو اُس نے مہمات کیں، اُن کا مقصد فرمانروائی کرنے سے زیادہ بت شکنی اور دولت گھسیٹنا تھا۔ باپ نے تو صرف پیشور میں چھاؤنی ڈالی تھی، بیٹے نے پنجاب کو سلطنت

غزنویہ کا ایک تابع صوبہ بنا دیا۔

اہلِ عرب، ایرانی اور ترک خواہ وہ شہروں میں رہتے ہوں یا صحرا نشین ہوں۔ سلطان کی پوری پوری اطاعت کرتے تھے۔ بہت سے فرمان جو خود مختاری کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ وہ بھی اُس کے حکم کو مانتے تھے غرض، جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کہاں کہاں مختلف قومیں اُس کی زیرِ فرمان تھیں تو اُس کے جاہ و جلال کا اندازہ ہوتا ہے کہ کیسا بلند پایہ تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنی خاص حفاظت کیلئے ترک غلاموں کا پہرہ چوکی رکھا تھا۔ اس میں تاتاری سپاہی بھی ہوتے تھے۔ اُس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں فوج بھرتی کی تھی وہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھتا اور سب کو برابر جانتا تھا۔ اُس نے ان سپاہیوں کے افسر ایسی فراست سے مقرر کئے تھے کہ جن کی ماتحتی میں سپاہ کام بہت دیتی تھی۔ پہاڑی سپاہ میں اُن کے موروثی افسر تھے جو کبھی اُن کو بغاوت نہیں کرنے دیتے تھے۔ اکثر سپاہیوں کے افسروں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکی تھے۔ اُس نے بڑی وسیع سلطنت کا انتظام بہت تھوڑی فوج سے کر لیا تھا۔ ضرورت کے وقت فوج بھرتی کر لیا کرتا تھا۔ اگرچہ محمود غزنوی کی فوج میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ ہندوؤں کی فوج نے بھی کوئی کام اس کی زندگی میں کیا مگر بعد اُس کے غزنی کے انقلاباتِ عظیم میں ہندی سپاہ نے بڑے بڑے کارنمایاں سرانجام دیئے۔ سلطان جب تک زندہ رہا ہندوؤں سے خدمت کا کام لیتا رہا۔ کچھ مذہب و دین کا خیال نہیں کیا۔ اگرچہ اس کی سپاہ میں ترکی سب مسلمان تھے۔ مگر ان کے نام مسلمانوں جیسے نہ تھے۔ جس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ ترک بت پرست تھے مگر ناموں سے ایسا سمجھنا غلط ہے۔ ترکوں نے اسلام اختیار کیا لیکن اپنے نام رکھنے کا قدیمی طریقہ نہیں چھوڑا۔

عظیم سلطنت کا آغاز

سبکتگین کی وفات کے موقع پر اس کا بڑا بیٹا محمود غزنوی نیشاپور میں تھا جب کہ سولہ سالہ چھوٹا بیٹا اسمٰعیل بلخ میں تھا۔ سبکتگین کی وصیت کے مطابق امیر اسمٰعیل کو باپ کا جانشین بنا دیا گیا۔ ان دونوں بھائیوں میں ایک فرق یہ بھی تھا کہ محمود غزنوی کی ماں ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی جب کہ اسمٰعیل کی ماں امیر الپتگین مرحوم والی سلطنت غزنی کی بیٹی تھی۔ اس اعتبار سے حکومت پر اسمٰعیل کا حق فائق سمجھا جاتا تھا۔ بہرحال ان دونوں میں

جانشینی کی جنگ ہوئی ۔محمود غزنوی کامیاب رہا۔ اسمٰعیل گرفتار ہوا اور ساری عمر قید میں رہا۔ جہاں اسے تمام سہولتیں دی گئیں۔ غزنی کی ریاست پر قبضہ کرنے کے بعد محمود غزنوی نے اپنی ریاست کو ایک عظیم سلطنت میں تبدیل کرنے کی جدو جہد شروع کر دی۔ اس وقت تک سامانیوں کا شاہراہ ریشم پر سے قبضہ ختم ہو چکا تھا ان کی تجارت اور خوشحالی برباد ہو چکی تھی۔ سامانیوں کی جگہ ان تجارتی ریاستوں پر ترکستان کے سردار ایلک خان کا قبضہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت طاقتور ہو گیا۔ اس کا پایہء تخت کاشغر تھا۔ محمود غزنوی نے 997ء میں سامانیوں کی گرتی ہوئی سلطنت کو ختم کیا' اور ہرات' بست' بلخ اور خراسان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اور ساتھ عباسی خلیفہ القادر باللہ کو اُس نے اپنی اطاعت و خدمت کی پیشکش کا خط لکھا چونکہ سامانی سلطنت پچھلے سالوں میں اتنی طاقتور ہو گئی تھی کہ خود خلیفہ کو اس سے خطرہ رہتا تھا اور خلیفہ القادر باللہ عباسی (991ء ۔ 1031ء) کی تخت نشینی کے موقع پر سامانیوں نے اس کی تخت نشینی خطرے میں ڈال دی تھی لہٰذا خلیفہ القادر نے خوش ہو کر محمود غزنوی کو ایک قیمتی خلعت بھی بھیجی اور امین الملت و یمین الدولہ کا خطاب بھی دیا۔ سیاسی طور پر اس کا مطلب یہ تھا کہ اس علاقے میں سامانیوں کی بجائے اب محمود غزنوی براہ راست خلیفہ کا نمائندہ تھا ان دونوں کے درمیان اور کوئی قانونی عہدیدار نہیں تھا۔ خلیفہ اور اس کے فوراً بعد محمود غزنوی نے سلطان کا لقب اختیار کیا' جو اسلامی تاریخ میں پہلی بار کسی بادشاہ یا حکمران کا لقب بنا تھا۔ اس کے بعد محمود غزنوی نے ہرات اور سیستان کے حکمرانوں پر حملہ کر کے انہیں مطیع بنایا۔ 999ء میں اس نے کاشغر کے حکمران ایلک خان سے دوستی کی اور اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ساتھ ہی سامانی سلطنت کے حصے علیحدہ کر کے خراسان اور ماوراء النہر پر لیلک خان کا قبضہ تسلیم کیا۔ اس کی اور اپنی سلطنت کے درمیان آمو دریا (دریائے جیحوں) کو سرحد تسلیم کیا۔ اس نے پے در پے سامانی سلطنت کے ماتحت جتنے بھی حکمران خاندان تھے یا ریاستیں تھیں' ان سب کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ لیلک خان اور محمود غزنوی کے سیاسی اور خاندانی اتحاد کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ترکستان کے لاکھوں افراد نے اسلام قبول کر لیا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ غزنی پہنچ کر محمود غزنوی ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور ہندوستان کے چند قلعے فتح کر کے واپس آ گیا حالانکہ ہنڈ کے قریب تک کا علاقہ تو سبکتگین فتح کر چکا تھا۔ نیز تاریخ فرشتہ میں یہ بھی ہے کہ سبکتگین نے ہندوؤں کا مشہور بت

خانہ سودرہ کا مندر برباد کیا تھا۔ سودرہ سیالکوٹ کے نزدیک موجودہ سوہدرہ ہے اور پھر محمود غزنوی کی جے پال سے بڑی جنگ 1001ء میں پشاور کے پاس ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سبکتگین کی فتح کے بعد یہ سارا علاقہ دربارِ غزنوی سے آزاد ہو گیا تھا۔ لہٰذا ''یہ چند قلعے لمغان کے سرحدی علاقوں میں تھے''۔ یہ قلعے اس نے 1000ء میں فتح کئے۔ یہ اس کا ہندوستان پر پہلا حملہ تھا۔ محمود غزنوی عموماً ہندوستان پر سردیوں میں حملہ کرتا تھا۔ خزاں کے موسم میں یعنی موسم برسات میں وہ غزنی سے چلتا۔ سردیوں میں جنگیں کرتا اور اگلے سال مارچ اپریل میں واپس جاتا۔ کبھی دیر ہو جاتی تو مئی جون رستے میں گزر جاتے' لہٰذا ہندوستان پر اس کا ہر حملہ دو عیسوی سالوں کے چند مہینوں پر پھیلا ہوتا تھا۔

بھاٹنہ پر حملہ

تیسرا حملہ محمود غزنوی نے 1004-5ء میں بھاٹنہ پر کیا اور اسے فتح کر لیا۔ بھارتی مؤرخین نے اس سے بھیرہ' اُچ' بھٹنڈہ اور دوسرے کئی شہروں پر قیاس کیا ہے۔ لیکن میری رائے ان سے مختلف ہے۔ فرشتہ کہتا ہے وہ 395ھ میں غزنی سے بھاٹنہ روانہ ہوا پھر ملتان کی سرحد سے گزر کر بھاٹنہ میں مقیم ہوا۔ اب یہ لفظ بھاٹنہ ہے' بھاٹیہ یا بھٹنیر ان میں بھاٹنہ دراصل پتن منارہ تھا جو رحیم یار خان کے پاس ہے۔ اس حملے میں آنند پال کا کردار عجیب رہا ہے کیونکہ بھاٹنہ کا راجہ بجی رائے آنند پال کو خراج نہیں دیتا تھا اور اس نے محمود غزنوی کے افسروں کو بھی اردگرد کے علاقوں سے مار بھگایا تھا لہٰذا آنند پال نے محمود غزنوی کو مشورہ دیا کہ وہ اس پر حملہ کرے۔ محمود غزنوی 1002ء میں سیستان میں خونریز جنگ لڑ رہا تھا۔ تو پیچھے سے ہندوشاہیوں نے حملہ نہیں کیا۔ جب وہ سیستان سے فارغ ہوا تو اس نے آنند پال سے خراج مانگا۔ آنند پال نے کہا ''مجھے تو بجی رائے خراج نہیں دیتا میں کہاں سے آپ کو رقم لے کر دوں''۔ چنانچہ اس اشارے سے محمود غزنوی نے بجی رائے پر حملہ کیا۔ جنگ میں محمود غزنوی کی فوج تقریباً شکست کھا گئی تھی لیکن پھر انہوں نے ''سلطانی جنگ''...... خودکشی کے جذبے کی جنگ' بجی رائے سے شروع کی تو بھاٹیوں کو شکست ہو گئی۔ بجی رائے فرار ہو کر جنگل میں چھپ گیا۔ تُرکوں نے وہاں بھی پیچھا کیا تو اس نے خنجر کی مدد سے خودکشی کر لی۔ محمود غزنوی اس فتح سے واپس جا رہا تھا تو یہ مئی جون (1005ء) کا مہینہ تھا۔ سب دریا طغیانی پر تھے۔ محمود غزنوی کے سینکڑوں فوجی ان دریاؤں میں غرق ہو گئے اور کروڑوں کا مال

غنیمت لہروں میں بہہ گیا۔ اس حالت میں بھی آنند پال نے کوئی حملہ نہ کیا۔ لیکن ملتان کے اسماعیل امیر الفتح داؤد نے بار بار حملے کئے اور اس کی فوجوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ امیر ابوالفتح داؤد بن نصر شیخ حمید کا پوتا تھا۔ جس نے سبکتگین کی اطاعت قبول کی تھی اور جو اسے خراج دیا کرتا تھا۔

ملتان پر حملہ

1006ء میں محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کیا۔ اس نے انند پال سے دریائے سندھ کو ہنڈ کے مقام پر عبور کرنے اور اس کی سلطنت میں سے گزر کر ملتان پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی۔ آنند پال نے نہ صرف اجازت دینے سے انکار کیا بلکہ اس نے بھٹنڈہ کے راجہ سے مدد مانگی۔ ابوالفتح داؤد کی فوجوں کو ساتھ لیا۔ اُوبھنڈ پور کے مقام پر محمود غزنوی کو روکنے کی کوشش کی۔ اس جنگ میں متحدہ پنجابی فوجوں کو شکست ہوگئی۔ آنند پال نے راہ فرار اختیار کی۔ سلطان محمود غزنوی کے ایک دستے نے اس کا پیچھا کیا۔ سودرہ پہنچ کر آنند پال نے اپنے پایہء تخت جانے کی بجائے کشمیر کا رخ کیا اور وہیں روپوش ہوگیا۔ سلطان محمود غزنوی نے آگے بڑھ کر ملتان کا محاصرہ کیا۔ عنصری کے مطابق ملتان کے رستے میں اس نے دوسو قلعوں پر قبضہ کیا۔ جس کا مطلب ہے دوسو جاگیرداروں کے محل' ملتان کا محاصرہ سات دن جاری رہا۔ آٹھویں دن ابوالفتح نے ہر سال دس ہزار "مہریں" دینے کا وعدہ کر کے اطاعت قبول کی اور صلح کر لی۔ محمود غزنوی نے اسے ملتان کا حاکم رہنے دیا۔ اسی اثناء میں سلطان محمود غزنوی کو خبر ملی کہ ایلک خان کے ترکوں نے غزنی کی مغربی سرحدوں پر حملہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے بھٹنڈہ کا حاکم آنند پال کے بیٹے سکھ پال کو بنایا جو پشاور میں ابوعلی ہجوری کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مسلمان ہو چکا تھا اور اب باشا کے نام سے مشہور تھا۔ ڈاکٹر ناظم کا خیال ہے کہ محمود غزنوی نے سکھ پال کو ملتان کی ریاست دے دی اور پروفیسر حبیب کا خیال ہے کہ اسے ملتان کا نہیں' بھیرہ کا گورنر بنایا جائے دونوں ہی ناقابل قبول ہیں۔ کیونکہ اب ریاست ملتان' بھٹنڈہ اور ہندوشاہی سلطنت تینوں فتح ہو چکی تھیں۔ ملتان میں اس نے داؤد ہی کو رہنے دیا۔ بھٹنڈہ میں سکھ پال شاہ کو حاکم بنایا' اس کا اسلامی نام ڈاکٹر ناظم نے نواز شاہ بتایا ہے۔ جے پال کو چونکہ جنگ میں شکست ہوئی تھی' اس کا علاقہ اور قلعے قبضے میں نہیں آئے تھے۔ اس لئے اس نے معاہدہ کیا کہ وہ ایلک خان کے خلاف اسے 500 گھڑ

سوار' 1000 پیادے اور ایک سو ہاتھی دے گا۔ ایلک نے خراسان اور بلخ پر قبضہ کر لیا تھا۔ خراسان پر سیاوش تگین اور بلخ پر جعفر تگین کو کوتوال مقرر کیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر ہرات کا گورنر ارسلان جاذب فرار ہو کر غزنی میں پناہ گزیں ہوا۔ محمود غزنوی نے واپس آ کر ایک بڑی فوج تیار کر کے بلخ پر حملہ کیا۔ جعفر تگین تو فوراً بھاگ گیا۔ لیکن ایلک خان نے چین کے بادشاہ کدار خان سے' جسے عربی اور فارسی کے مؤرخین قدر خان لکھتے ہیں' فوجی مدد مانگی۔ کدار خان پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اس کی مدد کو آیا۔ جنگ میں محمود غزنوی کو فتح ہوئی تو ایلک اور کدار نے بھاگ کر دریائے جیجوں عبور کیا اور اپنی جان بچائی۔

سکھ پال پر حملہ

محمود غزنوی، ایلک خاں اور کدار خاں کے تعاقب کی تیاریاں کر رہا تھا کہ 1007ء میں بھاٹنہ کے حاکم سکھ پال نے بغاوت کر دی۔ تمام مسلمان افسروں کو اپنی ریاست سے نکال دیا اور اسلام سے منحرف ہو گیا۔ محمود غزنوی نے اس پر حملہ کیا۔ پہلے چند جاگیرداروں کو بھیجا جنہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ چار لاکھ دینار جرمانہ اس سے وصول کیا گیا پھر بقیہ زندگی وہ سلطان محمود غزنوی کی جیل میں پڑا رہا۔ فرشتہ نے یہاں سکھ پال کی بجائے اب سارا لکھا ہے۔

آنند پال سے جنگ

سکھ پال کا انجام دیکھ کر آنند پال نے اپنی سلطنت کے لئے بھی خطرہ محسوس کیا۔ اب اس نے پورے ہندوستان کے بڑے راجوں کی فوجوں کو یکجا کر کے جنگ کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ اُجین' گوالیار' کالنجر' قنوج' دہلی اور اجمیر کے راجوں نے زیادہ سے زیادہ فوجیں آنند پال کی ماتحتی میں دے دیں۔ محمود غزنوی دریائے سندھ عبور کر کے چھچھ کے علاقے میں حضرو کے قریب ایک میدان میں خیمہ زن تھا۔ ان کے سامنے ہی آنند پال کی فوجیں بھی صف آرا تھیں۔ چالیس روز تک یہ دونوں اسی طرح آمنے سامنے پڑے رہے۔ آنند پال کا لشکر روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پنجاب کے عوام ...... مرد اور عورتیں سب ...... اس جنگ میں شریک ہونے لگے۔

سلطان محمود غزنوی نے اپنی فوج کے اردگرد خندق کھدوالی۔ جنگ کا آغاز محمود

غزنوی نے کیا لیکن تیس ہزار گکھڑ جو ننگے سر اور ننگے پیر تھے ..... یعنی فوجی نہیں تھے بلکہ عام کسان تھے' وہ سندھ کے لوہانوں جیسی حالت میں تھے۔ خندق پار کر کے ترک فوجوں کے اندر داخل ہو گئے اور اپنے نیزوں بھالوں' تیروں اور تلواروں سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملے میں تین ہزار مسلمان فوجی مارے گئے۔ محمود غزنوی نے گھبرا کر واپسی کا ارادہ کیا کہ اچانک نفت (مٹی کے تیل) سے بنایا گیا ایک گولہ پھٹنے سے آنند پال کا ہاتھی ڈر گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ ہندو لشکری سمجھے بادشاہ ڈر کر بھاگ رہا ہے' یوں ان کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی تو ترکوں' افغانوں اور خلجیوں نے تعاقب کر کے آٹھ ہزار افراد کو قتل کیا اور یہ جنگ بھی جیت لی۔ اس جنگ کے لئے سلطان محمود غزنوی' غزنی سے 31 دسمبر 1008ء کو روانہ ہوا تھا۔ لہٰذا یہ جنگ تقریباً مارچ 1009ء میں ہوئی اور جون 1009ء میں محمود غزنوی واپس غزنی چلا گیا۔ اس جنگ میں تیس ہاتھی اور بے شمار قیمتی مال و اسباب محمود غزنوی کے ہاتھ آیا جو وہ ساتھ لے گیا۔ لیکن آنند پال اور اس کی فوجیں ابھی باقی تھیں۔

نگرکوٹ پر حملہ

نگر کوٹ اس جگہ تھا جہاں اب کانگڑہ ہے' جو کہ بھارت کے صوبہ ہماچل پردیش میں ہے۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا جسے قلعہ بھیم کہتے تھے۔ اسے راجہ بھیم نے بنایا تھا۔ یہ قلعہ دراصل ایک مندر تھا' جسے ہندو لوگ مورتیوں کا گڑھ کہتے تھے۔ قلعے میں فوج نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی' صرف برہمن پجاری تھے۔ اس کی دولت کی شہرت دور دور تک تھی۔ اب سلطان محمود غزنوی نے اس پر حملہ کیا۔ تین دن کے محاصرے کے بعد پجاریوں نے قلعہ نما مندر کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں سے محمود غزنوی کو کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپے کے برابر دولت ملی یعنی سات لاکھ سونے کی اشرفیاں' سات سو من سونے اور چاندی کے اوزار برتن دو من خالص سونا' دو ہزار من خالص چاندی اور بیس من جواہرات' محمود غزنوی نے غزنی جا کر شہر سے باہر ایک مکان بنایا۔ اس میں سونے اور چاندی کے تخت بچھائے وہاں اس دولت کی عوامی نمائش لگائی' جو تین دن جاری رہی۔ تمام رعایا' کیا شہری اور کیا دیہاتی' اس نمائش کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آتے رہے۔'' اب دریائے سندھ سے لے کر نگر کوٹ تک کا علاقہ غزنوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

نارائن پور پر حملہ

اکتوبر 1009ء میں اس نے ریاست الور میں نارائن کوٹ پر حملہ کیا۔ راجہ نارائن کوٹ بڑی بہادری سے لڑا لیکن اسے شکست ہوگئی اور اس نے اطاعت قبول کرتے ہوئے پچاس ہاتھی، دو ہزار سپاہی دینے کے علاوہ سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنی حکومت بچالی۔ اس موقع پر اس نے گجرات کا رخ بھی کیا۔ کسی قلعے پر حملہ تو نہیں کیا لیکن عتبی کے بقول ملک کے بدمعاشوں کو تہہ تیغ کیا ہر پہاڑی اور ہر وادی میں قتل عام کیا۔

غور پر قبضہ

سلطان محمود غزنوی نے 1010ء میں غزنی کے قریب واقع ایک خودمختار سردار محمود غزنوی بن سور پر حملہ کر کے غور پر قبضہ کرلیا۔ انہی غوریوں نے بعد میں غزنوی سلطنت کو ختم کیا۔

ملتان پر دوبارہ حملہ

اسی سال 1010ء میں محمود غزنوی نے پھر ملتان پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔ شہر میں اسماعیلیوں اور ہندوؤں کا قتل عام کیا گیا اور بہت سارے لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ ملتان کا حاکم شیخ ابوالفتح یا ابوالفتوح داؤد بن نصر گرفتار ہوگیا، جو باقی زندگی غورک کے قلعے میں نظر بند رہ کر مر گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے محمد بن قاسم کی مسجد کو، (جس کو جلم نے بند کرا دیا تھا) دوبارہ کھول دیا اور مرمت کر کے بحال کر دیا۔

آنند پال سے معاہدۂ صلح

داؤد کی شکست کے بعد محمود غزنوی نے پھر ہندوستان میں مزید فتوحات کا ارادہ بنایا۔ آنند پال اب تک پھر اپنی فوج کی تشکیلِ نو کر چکا تھا۔ محمود غزنوی نے اس سے الجھنے کی بجائے، اس سے دوستی کا معاہدہ کیا۔ آنند پال نے محمود غزنوی کو تھانیسر پر حملے سے باز رہنے کی درخواست بھی کی اور اس کے صلے میں محمود غزنوی کو معاوضہ دینے کی پیشکش کی لیکن محمود غزنوی نے کہا کہ غیر مسلموں کی تمام عبادت گاہوں کو مسمار کرنا ضروری ہے چنانچہ 1012ء میں محمود غزنوی تھانیسر پر حملہ کیا جو اس وقت دہلی کے بادشاہ کے ماتحت تھا۔ تھانیسر کے مندر میں ایک بت تھا، جس کا نام چکر سوامی (مالک الملک) تھا۔ ہندوؤں کے دل میں اس کی

اتنی ہی عزت تھی جتنی مسلمانوں کے لئے خانہ کعبہ کی۔ شاہ دہلی نے اردگرد کے راجوں سے مدد لے کر مزاحمت کی تیاریاں شروع کی ہی تھیں کہ محمود غزنوی نے چکر سوامی مندر کو فتح کر لیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی پر چڑھائی کرے لیکن امیروں' وزیروں نے مشورہ دیا کہ جب تک آنند پال موجود ہے اور پنجاب فتح نہیں ہو جاتا' دہلی پر حملہ کرنا مناسب نہیں چنانچہ وہ واپس غزنی چلا گیا دو لاکھ لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ لے گیا۔ ''اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ غزنی بھی ہندوستان کا ایک شہر سمجھا جانے لگا۔ لشکرِ سلطانی کے ہر رکن کے پاس کئی کئی لونڈیاں اور غلام تھے''۔ چکر سوامی کانسی کا ایک بُت تھا جس کے ایک ہاتھ میں ''چکر'' نامی ہتھیار تھا' یعنی پہیئے کی شکل کا۔ محمود غزنوی اسے ساتھ لے گیا اور غزنی کے اُس میدان میں اسے ڈال دیا جہاں گھڑ دوڑ اور دوسری کھیلیں ہوتی تھیں۔ محمود غزنوی یہاں سے بہت سے نوکر اور غلام ساتھ لے گیا۔ پروفیسر محمد حبیب کے بقول اس نے بہت سے فوجی ہندوستان سے بھی بھرتی کئے جو بالآخر ایک الگ ہندو رجمنٹ کی شکل اختیار کر گئے ان کا جرنیل بھی ایک ہندو تھا۔

1012ء میں آنند پال طبعی موت مر گیا' اس کا بیٹا ترلوچن پال اور پوتا بھیم پال ہندو شاہی سلطنت کے وارث بنے۔ بھیم پال کو اس کے ہم عصر راجے ''نڈر بھیم'' کہا کرتے تھے۔

ترلوچن پال

1012ء میں باپ کی وفات کے بعد ترلوچن پال ہندو شاہی پنجابی سلطنت کے پایہء تخت نندنہ میں ''شاہ'' بنا۔ اگلے ہی سال اُس نے محمود غزنوی کو خراج بھیجنا بند کر دیا۔ قلعہء نندنہ کو بالناتھ کا قلعہ بھی کہتے ہیں۔ ترلوچن پال نے یہ خبر سنی تو اپنے بیٹے بھیم پال کو اپنی جگہ متعین کر کے خود مہاراجہ کشمیر سے مدد لینے کشمیر چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ مدد پہنچتی' غزنوی فوجوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ 1013ء میں کافی خونریز جنگ کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ بھیم پال بھی بھاگ گیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر محمود غزنوی نے کشمیر کا رخ کیا۔ دریائے تو ہی (موجودہ توی) کے کنارے جنگ ہوئی اور مہاراجہ کشمیر کی اور ہندو شاہی فوجوں کی متحدہ کمان کو جو کہ جنرل تنگا کے ماتحت تھی' شکست ہوگئی۔ ترلوچن پال ایک بار پھر

کشمیر کی طرف بھاگا۔ اپنی بچی کھچی فوجوں کو جمع کیا اور ایک بار پھر محمود غزنوی سے لڑا لیکن پھر شکست کھائی اور بھاگ کر سرہند (مشرقی پنجاب) چلا گیا جسے اُس نے اپنا پایہء تخت بنایا۔ یہ ہندوشاہی سلطنت کا آخری پایہء تخت تھا (پہلا کابل' دوسرا گردیز' تیسرا المغان' چوتھا اوبھنڈ پور' پانچواں نندنہ اور چھٹا سرہند) یہاں 1013ء سے 1018ء تک بھیم پال امن و امان سے اپنی فوج کی تعمیرِنو کرتا رہا۔ لیکن محمود غزنوی نے اس پر کوئی حملہ نہ کیا۔ البتہ سرس وا (شروا) کے حاکم چندرائے سے بھیم پال کی مسلسل فوجی جھڑپیں چلتی رہیں اور آخر ایک موقع پر چندرائے نے بھیم پال کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

محمود غزنوی کا کشمیر پر حملہ

406ھ (1015ء) میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر کے سرحدی قلعے "لوہ کوٹ" پر حملہ کیا۔ حملے کی خبر ملتے ہی مہاراجہ کشمیر کی فوجیں بھی مرکز سے یہاں پہنچ گئیں مگر اسی دوران برفباری شروع ہو گئی اور غزنوی فوجوں کو مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ واپسی پر رستے سے بھٹک کر وہ ایک ایسے جنگل میں پھنس گئے جہاں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ محمود غزنوی کے بہت سے فوجی اس پانی میں ڈوب کر مر گئے۔ مال و اسباب الگ بہہ گیا اور بہت سا جانی و مالی نقصان ہوا۔ چند روز بھٹکنے کے بعد وہ اس جگہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور سیدھے واپس غزنی چلے گئے۔ اس لیے یہ مہم بری طرح ناکام رہی۔

خوارزم کی فتح

1016ء میں خوارزم پر ابوالعباس مامون کی حکومت تھی۔ محمود غزنوی نے اپنی بہن کی شادی اس سے کر دی تھی۔ ابھی اس کی شادی کو ایک سال ہی ہوا تھا کہ خوارزم میں بغاوت ہوئی اور ابوالعباس قتل ہو گیا۔ محمود غزنوی نے فوراً حملہ کیا' بغاوت کو کچل دیا اور اپنے جرنیل التون تاش کو وہاں کا حاکم بنایا اور اسے خوارزم شاہ کا خطاب عطا کیا۔

وادیٔ گنگا کی فتح

27 ستمبر 1018ء کو محمود غزنوی' غزنی سے وادیٔ گنگا کی فتح کی غرض سے چلا۔ 2 دسمبر 1018ء کو اس نے دریائے جمنا کو عبور کیا اور بڑی تیزی سے پوری وادی کو فتح کر لیا

جس میں برن (بلند شہر)' مہابن (متھرا) کا قلعہ' متھرا شہر اور قنوج اہم مقامات تھے۔ برن (بلند شہر) کا راجہ ہردت دس ہزار جوانوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکل کر آیا اور محمود غزنوی سے مل کر ان سب نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ محمود غزنوی' بلند شہر کو چھیڑے بغیر آگے قلعہ مہابن کو چلا گیا۔ مہابن کے راجہ کل چند کو شکست ہوئی تو اس نے بیوی بچوں کو قتل کر کے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد وہ جمنا پار کر کے شہر متھرا پہنچا جو کرشن واسودیو (کرشن بھگوان) کی جنم بھومی تھا۔ یہ ایک عظیم الشان شہر تھا جو بلند و بالا عمارتوں اور فن کے تعمیراتی شاہکاروں سے بھرا ہوا تھا۔ سلطان محمود غزنوی متھرا کی ان بے شمار مذہبی عمارتوں کے فن تعمیر سے بے حد متاثر ہوا لیکن ان کے گرانے سے اپنے فوجیوں کو روکنے سے باز رہا۔ متھرا شہر میں بہت زیادہ غارت گری' لوٹ مار اور آتشزنی کی گئی' وہاں سے واپس آتے ہوئے منج' اسنی اور سرس وا کے قلعوں کو بھی فتح کرتا گیا۔ قلعہ میرٹ والوں نے دو لاکھ پچاس ہزار روپے اور تیس ہاتھی پیش کئے۔ قلعہ مہاجن کے راجہ گل چند نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی لیکن غزنوی فوج نے اسے آ لیا تو اس نے خنجر سے پہلے اپنی بیوی اور بیٹے کے سر کاٹ دیئے پھر خودکشی کر لی۔ یہاں سے بہت سامال و دولت اور اسی ہاتھی ملے۔ متھرا کے بارے میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے امیروں کو ایک خط لکھا تھا جس میں وہ کہتا ہے:

> ''اس شہر میں ایک ہزار بلند ترین محل ہیں جن میں سے زیادہ تر سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ اور مندر تو اتنی تعداد میں ہیں کہ میں انہیں توڑتے توڑتے تھک گیا ہوں۔ لیکن ان کا شمار نہیں کر سکا۔ اگر کوئی اس قسم کی عمارت بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ ایک لاکھ اشرفیاں (ایک اشرفی دس ماشے سے ایک تولے تک کے وزن کا سونے کا سکہ) صرف کرنے کے بعد دو سو سال کے عرصے میں بہت ہی مشاق اور ماہر معماروں کے ہاتھوں اس کام کو انجام دیا جا سکے۔''

متھرا سے سلطان محمود غزنوی نے بے شمار مال غنیمت کے علاوہ پانچ سونے کے بُت (جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے تھے) حاصل کیے۔ ان کی قیمت پچاس ہزار اشرفی تھی۔ ان میں ایک بُت میں نیلے یاقوت کا ٹکڑا جڑا تھا جس کا وزن چار سو مشقال (ایک مشقال: تقریباً پونے دو ماشے یعنی تقریباً ڈیڑھ گرام۔ کل وزن 600 گرام) تھا۔ کل سونا

چاندی اتنا تھا کہ سو اونٹوں پر لادا گیا۔ اس کے علاوہ پچپن ہزار غلام اور 350 ہاتھی بھی مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے۔ یہاں سے چل کر اُس نے بزمدابن کے قلعوں کو فتح کیا۔ منج کے فوجیوں کو جب شکست ہونے لگی تو سب نے اپنے بیوی بچوں کو آگ کے ایک بڑے الاؤ میں پھینکا اور خود ''شیطانوں'' کی طرح لڑتے ہوئے آخری آدمی تک مر مٹے۔ غزنی واپس جا کر سلطان نے متھرا کی نقل میں ایک نہایت وسیع و عریض کی عالیشان مسجد سنگ مر بنائی اور خوبصورت قندیلوں سے اسے بھر دیا۔ لوگ اس کی روشنیوں کو دیکھ کر اسے ''عروسِ فلک'' کہتے تھے۔ مسجد کے ساتھ ایک بہت بڑا مدرسہ بھی بنایا گیا۔ دیکھا دیکھی دیگر تمام امیروں نے بھی محلات' مسجدیں اور مدرسے بنائے۔

کالنجر پر حملے

1019ء سے لے کر 1023ء تک سلطان نے کالنجر پر بار بار حملے کیے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کالنجر کا چنڈیلہ راجہ گنڈا اور قنوج کا نیا پرتی ہار راجہ ترلوچن پال اور مہاراجہ آنند پال کا بیٹا ترلوچن پال ہندو شاہ تینوں نے مل کر مزاحمت کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ترلوچن پال شاہ کو اس کے فوجیوں نے 1020ء میں کالنجر کے رستے میں قتل کر دیا' جب کہ اسی اثنا میں اس کا بیٹا بھیم پال جیل سے بھاگ کر اپنی فوجوں سے آن ملا لیکن یہ ایسا راجہ تھا جس کے پاس کوئی خطہء زمین نہیں تھا۔ 1026ء تک بھیم پال زندہ رہا اور اس کی وفات کے ساتھ ہی ہندو شاہی خاندانِ حکومت اور ہندو شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا البتہ اس خاندان کے بہت سے نوجوان کشمیر جا کر سرکاری ملازمتوں پر فائز ہو گئے۔

لاہور کی فتح

1021ء میں سلطان محمود غزنوی نے لاہور کو فتح کیا اور بقول فرشتہ ''سپاہیوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے خوب جی کھول کر شہر، آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں کو لوٹا اور بے شمار مالِ غنیمت لے کر سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔''

سومنات کی فتح

اکتوبر 1025ء میں سلطان محمود غزنوی 30 ہزار باقاعدہ گھڑ سوار فوج اور بے شمار

غلام ترک رضا کاروں کا لشکرِ جرار لے کر سومنات پر حملہ آور ہوا۔ صحرائی سفر کے انتہائی تفصیلی انتظامات کیے گئے تھے۔ راستے میں راجوں نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ جنوری 1026ء میں یہ لشکر سومنات پہنچ گیا۔ کئی دن تک خونریز جنگ ہوتی رہی۔ پچاس ہزار ہندو جنگ میں مارے گئے اور سومنات کا مندر فتح ہو گیا۔ یہاں سے سلطان کو دو کروڑ دینار مالیت کا مالِ غنیمت ملا (جب کہ ایک دینار 64ء8 گرین سونے کے وزن کا ہوتا تھا۔) کل تقریباً 84 میٹرک ٹن سونے کی مالیت کا مال تھا۔



باب 3

سلطان محمود غزنوی کے تاریخی حملے

پہلا حملہ

اگست 1001ء میں دس ہزار منتخب گھڑ سوار فوج کے ساتھ اس نے غزنی سے پشاور کی طرف پیش قدمی کر دی۔ یہاں پر لاہور کا راجہ جے پال 12 ہزار گھڑ سوار اور 30 ہزار پیادہ فوج اور 300 ہاتھوں کے ہمراہ اس کے مقابلہ پر آیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ہندو بڑی بے باکی سے لڑے لیکن آخر کار وہ محمود غزنوی کے منظم گھڑ سوار دستوں کے سامنے پسپا ہو گئے اور انہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ میدانِ جنگ میں ان کے پانچ ہزار سپاہی مارے گئے۔ جے پال اور اس کے پندرہ سرکردہ سرداروں کو محمود غزنوی نے قیدی بنا لیا۔

اس فتح سے محمود غزنوی کو بہت زیادہ شہرت اور دولت حاصل ہوئی۔ مالِ غنیمت میں ہیرے جواہرات سے مزین سولہ ہار بھی اس کے قبضے میں آئے' جن کو صرف جے پال زیب تن کرتا تھا۔ ان کی مالیت 82 ہزار پاؤنڈ تھی۔ اس فتح کے بعد محمود غزنوی نے بھٹنڈہ کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے قلعے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ آئندہ موسم بہار میں اس نے جے پال کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ اسے سالانہ خراج ادا کرے گا لیکن اس نے اس کی پنجاب کی طرف پیش قدمی کے دوران مخالفت کرنے والے افغان سرداروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ ضعیف ہندو راجہ جے پال نے محمود غزنوی کی طرف سے ہونے والی شکست اور شکست کی وجہ سے ذلت محسوس کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو حکومت کرنے کا نااہل سمجھتے ہوئے اپنے بیٹے آنند پال کی حمایت میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی تیار کردہ چتا پر دیوتاؤں کے لیے اپنی قربانی پیش کر دی۔

دوسرا حملہ

محمود غزنوی نے 1004ء میں سیستان میں ایک فوجی مہم سے واپس آنے کے بعد یہ دیکھا کہ ہندوستان سے خراج مکمل طور پر ادا نہیں کیا گیا۔ لاہور کے راجہ آنند پال نے اپنا حصّہ ادا کر دیا تھا لیکن بھاٹیہ کے ایک باجگزار راجہ بیجی رائے نے اپنا حصّہ روک لیا اور مسلمانوں سے نہایت تلخ رویہ اختیار کرنے کے علاوہ ان گورنروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا' جنھیں محمود غزنوی نے ہندوستان میں تعینات کیا تھا۔ محمود غزنوی ملتان کے راستہ سے راجہ کے علاقہ میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ بھاٹیہ کو ایک نہایت بلند فصیل سے قلعہ بند کیا گیا ہے اور اس کے اردگرد ایک گہری اور کشادہ خندق ہے۔ راجہ نے اپنی راجپوت فوج کو جنگ کے مطابق ترتیب دیا اور ہندوستانی مسلمانوں سے اس قدر بے باکی سے لڑے کہ لگاتار تین دنوں کی جھڑپوں میں مؤخرالذکر پسپا ہو گئے۔ تمام مضبوط مورچوں پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور مسلمانوں کو اس قدر نقصان کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اب میدان جنگ کو چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے۔ آخرکار چوتھے روز محمود غزنوی نے اپنی فوج کے سامنے اپنا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کیا اور سجدے میں گر گیا اور اپنے ہاتھ دعا کے لیے پھیلا دیے۔ اس نے چلا کر کہا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے فتح کی بشارت دے دی ہے''۔ اس نے بذات خود بڑے حملے کی قیادت کی۔ سپاہیوں کے زبردست نعروں سے فضا گونج اٹھی اور مسلمانوں نے اس قدر شدت سے حملہ کیا کہ دشمن کو شہر کے دروازوں تک دھکیل دیا گیا۔

اگلی صبح بھاٹیہ کے قلعہ کو مکمل طور پر محصور کر لیا گیا اور صرف چند دنوں میں چاروں طرف کی خندقوں کو بھر دیا گیا۔ بیجی رائے نے جب یہ دیکھا کہ اپنی پوزیشن کو مستحکم رکھنا ناممکن ہو گیا ہے تو اس نے قلعہ کو خالی کر دیا اور اس کے دفاع کے لیے ایک مختصر سی چھاؤنی کو وہاں چھوڑنے کے بعد اس نے اپنے باقی ماندہ دوستوں کے ہمراہ دریائے سندھ کے کناروں پر اُگے جنگل میں پناہ لے لی۔ محمود غزنوی کی فوج کے ایک دستے نے جنگل میں اس کا تعاقب کیا۔ انہوں نے اس کے مورچے پر حملہ کیا اور اسے تنگ گھاٹیوں کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بہترین دوست اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور جب اسے قیدی بنایا جانے لگا تو اس نے اپنی تلوار سے اپنی زندگی ختم کر لی۔ اس کے پیروکار' جنھوں نے اپنے آقا کی موت کا بدلہ لینے کی کوشش کی' ان میں سے بے شمار کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ایک حملے

کے ذریعے بھاٹیہ پر قبضہ کرلیا گیا۔ دو سو اسی ہاتھی، بے شمار غلام اور دیگر مال غنیمت بادشاہ کے ہاتھ لگا اور وہ ایک فاتح کی حیثیت سے غزنی کی طرف لوٹا۔

تیسرا حملہ

ملتان کے پہلے مسلمان حکمران شیخ حمید سعدی نے امیر سبکتگین کی اطاعت کر لی تھی اور اسے خراج ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد ناصر کا بیٹا اور اس کا پوتا ابوالفتح داؤد غزنی کے سلطان کا مطیع رہا لیکن 1005ء میں اس نے لاہور کے راجہ آنند پال سے ساز باز کر کے اطاعت کا جواء اتار پھینکا۔ اب محمود غزنوی نے ملتان کو دوبارہ فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لہٰذا موسم بہار کے آغاز میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ اس نے اس مقام کی طرف پیش قدمی کی۔ پشاور کی پہاڑیوں میں آنند پال کی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا لیکن غزنی کی فوج نے انہیں زبردست شکست سے دوچار کیا اور دریائے چناب کے کنارے پر سودرا کے قصبہ تک ان کا تعاقب کیا۔

آنند پال اپنے دارالحکومت کو چھوڑ کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود غزنوی بھٹنڈہ کے راستے ملتان کی طرف بڑھا اور سات روز تک اس کا مکمل محاصرہ کیا۔ آرکار داؤد کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے اس وعدے پر معافی دے دی گئی کہ وہ 20 ہزار طلائی درہم سالانہ خراج کے طور پر ادا کرے گا۔ ہوسکتا ہے سلطان ہندوستان میں اپنا قیام طویل کر لیتا لیکن اس کے سسر اور کاشغر کے بادشاہ ایلق خان کی طرف سے اس کے مغربی علاقوں پر حملے کے باعث اسے مجبوراً غزنی کی طرف لوٹنا پڑا۔ اس نے ہندوستان کے معاملات ایک ہندو شہزادے سیوک پال کے سپرد کیے، جو پشاور کے حاکم ابوعلی کے اثر ورسوخ سے مسلمان ہوگیا تھا۔

چوتھا حملہ

سلطان کے نائب سیوک پال کی بغاوت نے محمود غزنوی کو 6-1005ء میں دوبارہ ہندوستان کی سرزمین پر لاکھڑا کیا کیونکہ اس نے سلطان کے تمام افسروں کو ان کے محکموں سے نکال دیا تھا۔ محمود غزنوی نے سب سے پہلے اپنے دستے کے ایک حصّہ کو پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ دستوں نے ہندو فوج کے سامنے غیر متوقع طور پر ظاہر ہو کر انہیں زبردست شکست سے دوچار کیا۔ سیوک پال کو قیدی بنا لیا گیا اور اسے 4 لاکھ درہم جرمانے کے طور پر ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور ساری زندگی سرکاری قیدی کے طور پر رکھا گیا۔

پانچواں حملہ

ملتان کی بغاوت میں آنند پال کی حمایت اور غدارانہ رویہ محمود غزنوی کے سینے میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ 1008ء میں موسم بہار کے اوائل میں ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ ایک عظیم مہم کے سلسلہ میں ہندوستان کی طرف گامزن ہوا۔ آنند پال‘ جو مسلمانوں کی طاقت سے باخبر تھا اور اسے سابقہ نقصانات ابھی تک یاد تھے۔ اس نے ہندوستانی راجاؤں میں مذہبی جوش و خروش پیدا کرنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ وہ ارضِ مقدس سے اپنے مشترکہ دشمن کو نکالنے کے لیے جدوجہد کریں۔ اس کی اپیل کا خیر مقدم کیا گیا اور اجین‘ گوالیار‘ قنوج‘ دہلی‘ اجمیر اور کالنجر کے راجاؤں نے اپنی دستیاب فوجوں کو جمع کیا اور دریائے سندھ کی جانب پیش قدمی کر دی۔ پنجاب کی سرزمین پر جمع ہونے والے سب سے بڑی فوج پشاور کی سرحدوں پر میدانوں کے سامنے نمودار ہوئی پھر ہر روز اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جنگ کی تیاریوں کے لیے ملک کے ہر علاقے سے مال و زر مہیا کیا گیا اور اس قدر حب الوطنی کا مظاہرہ کیا گیا کہ ملک کے طول و عرض سے ہندو عورتوں نے اپنے زیورات پگھلا کر قومی مقصد کے لیے ذرائع فراہم کرنے کے لیے سونے اور چاندی کی صورت میں روانہ کیے۔ پنجاب کے شمال مغربی پہاڑی علاقہ کے ایک طاقتور قبیلے کھکھڑ کے افراد 30 ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ متحدہ فوجوں میں شامل ہو گئے۔ اسلامی فوجیں چاروں طرف سے گھر گئیں تو انہوں نے عام حملے کے خدشے کے پیش نظر خود خندق کھودنے کا فیصلہ کر لیا۔

دونوں فوجیں چالیس روز تک آمنے سامنے بے حس و حرکت پڑی رہیں۔ دونوں طرف سے پیش قدمی کرنے کے معاملہ میں ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ آخرکار اس سکوت کو ہندوؤں نے توڑا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مہیا کردہ موقع سے فائدہ اٹھایا‘ جنہوں نے دشمن کو مشتعل کرنے اور انہیں خندقوں کی طرف پیش قدمی کرنے پر اکسانے کے لیے چھ ہزار تیراندازوں کو سامنے بھیجا تھا۔ کھکھڑوں نے تیراندازوں پر حملہ کر دیا اور سلطان کی موجودگی و جدوجہد کے باوجود پسپا ہو گئے۔ ہندو انتہائی غیض و غضب کے ساتھ مسلمانوں کے مورچوں میں داخل ہو گئے اور زبردست خون ریزی شروع ہو گئی۔ نہایت مختصر وقت میں پانچ ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ تاہم ہندوؤں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے مسلمانوں کی ایک منظم فوج نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ دریں اثناء ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو ہندوؤں

کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔

محمود غزنوی کے ذہن میں دین اسلام کی تبلیغ اور ہندوؤں کے بتوں کی تباہی کا خیال جوش مار رہا تھا۔ اس نے فتح کے فوراً بعد مقدس شہر نگر کوٹ کی طرف پیش قدمی کی اور پہلی مرتبہ ان کے بتوں کو توڑا اور ان کے مندروں کو زمین بوس کر دیا۔ اس نے پورے ملک کو آگ اور تلوار سے تباہ کرنے کے بعد بھیم کے مشہور قلعہ کا محاصرہ کر لیا' جس کا شمار پنجاب کی مقدس خانقاہوں میں ہوتا تھا اور مال و زر کا ذخیرہ تھا۔ یہ ایک ڈھلوانی پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا' جس سے شعلے نکلتے تھے' جنہیں موجودہ دور میں جلتے ہوئے مقدس فوارے کا جوالا مکھی کہا جاتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں یہ سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ اس میں ایک شاندار مندر تھا۔ اس کی چھت اور دروازے قیمتی دھات کے تھے یہ شاستروں کی تعلیم کے لیے ایک مشہور و معروف مدرسہ تھا۔ چھاؤنی نے جنگ میں حصّہ لینے کے لیے قلعہ کو چھوڑ دیا۔ اس کے اندر موجود راہب' جنگ اور خون خرابے سے بہت کم واقف تھے چنانچہ انہوں نے اطاعت کے لیے درخواست کر دی اور مندر کے دروازے کھولنے کے بعد فاتح کے سامنے اوندھے منہ گر کر رحم کے لیے بھیک مانگی' جو انہیں دے دی گئی۔ سونے اور چاندی کی سلاخوں' جواہرات' سچے موتیوں' مونگھیوں' ہیروں اور لعلوں کی شکل میں مال غنیمت' جسے بھیم پر فاتح کے قبضہ کے دنوں میں مضافاتی بادشاہتوں سے جمع کر کے اس مندر میں رکھا گیا تھا' محمود غزنوی کے ہاتھ لگا' جو اس وسیع و عریض خزانے کے ہمراہ غزنی واپس لوٹا۔ 1009ء میں سلطان نے اپنے دارالخلافہ کے باہر میدان میں ایک بہت بڑا اجلاس منعقد کیا' جس میں اس نے اپنے امراء اور حیران و پریشان لوگوں کے سامنے پنجاب سے سونے کے تختوں' قیمتی پتھروں' اور بے بہا قیمت کے زیورات کی شکل میں لائی گئی دولت کو پیش کیا۔ اس نے اپنے سرکاری افسروں کو ان کے منصب اور رتبے کے مطابق قیمتی تحائف بھی دیئے۔

چھٹا حملہ

1011ء میں محمود غزنوی نے تھانیسر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ہندو اس کا اسی طرح احترام کرتے تھے' جس طرح مسلمان مکہ مکرمہ کا کرتے ہیں۔ آنند پال نے بے سود ہی بادشاہ کو تھانیسر کے خزانے پیش کیے اور اس سے وعدہ کیا کہ شاہی خزانے سے ہر سال اسی قدر ادا کرے گا اور اس کی مہم پر اٹھنے والے جملہ اخراجات کی ادائیگی کرے گا۔ اس کے

علاوہ پچاس ہاتھی اور نہایت بیش قیمت تحائف پیش کرنے کا وعدہ کیا لیکن محمود غزنوی نے سارے ہندوستان سے بت پرستی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اس نے اس پیشکش کو رد کر دیا اور شہر پر قبضہ کر لیا' اس کے شہریوں کو لوٹ لیا' ان کے بڑے بڑے عظیم الشان مندروں کو تباہ اور بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ان بتوں میں سب سے اہم بت کو "جگسوم" کہا جاتا تھا اور اس کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ یہ روزِ تخلیق سے موجود ہے۔ اسے بے شمار ٹکڑوں کی صورت میں غزنی' مکہ مکرمہ اور بغداد روانہ کیا گیا تاکہ گلیوں میں پاؤں تلے روندا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی نے اس موقع پر دو لاکھ قیدی غزنی روانہ کیے۔ اس دفعہ بہت سا مال غنیمت بھی حاصل کیا گیا۔

ساتواں حملہ

1013ء میں محمود غزنوی نے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ بلوات کے پہاڑوں میں واقع نندونہ کے خلاف پیش قدمی کی اور بھرپور حملہ کے بعد چھاؤنی کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ آنند پال کے بیٹے اور جانشین جے پال دوئم نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ سلطان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس نے اپنی فوج کے ہمراہ کشمیر کا رخ کیا۔ محمود غزنوی نے پہاڑی علاقے میں ایک حاکم کو تعینات کیا اور بغیر کوئی دقیقہ فروگزاشت کیے کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ اس پر لاہور کے راجہ نے صوبہ کو خیرباد کہا اور پہاڑوں کی طرف فرار ہو گیا۔ محمود غزنوی نے کشمیر کی تمام عظیم الشان دولت کو لوٹ لیا اور وہاں کے باشندوں کو دینِ اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور لوٹ مار کے بیش بہا قیمتی سامان کے ساتھ اپنے دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا۔

آٹھواں حملہ

دو سال کے بعد سلطان نے چند باغی سرداروں کو سزا دینے اور چند قلعوں کو فتح کرنے کے لیے' (جن پر گزشتہ مہم کے دوران حملہ نہیں کیا گیا تھا') دوبارہ کشمیر کا رخ کیا۔ ان میں سب سے اہم لوکوٹ کا قلعہ تھا' جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لیے بہت مشہور تھا۔ موسم گرما کے دوران اس مقام کو فتح کرنے کے لیے سلطان کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور موسم سرما شروع ہونے پر سلطان کو اس مہم کو ترک کر کے مجبور ہو کر غزنی واپس جانا پڑا۔

نواں حملہ

1017ء کے موسم بہار میں سلطان ایک لاکھ گھڑ سوار اور 20 ہزار پیادہ فوج کے ہمراہ قنوج کی طرف بڑھا۔ اس نے کشمیر کے شمالی پہاڑوں کا راستہ اختیار کیا۔ قنوج کا راجہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا حامل تھا لیکن دفاع کے لیے پوری طرح تیار نہ ہونے کے باعث اس نے امن پر صلح کر لی۔ اس کے بعد اس نے میرٹھ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس کے بادشاہ ہردیت رائے نے بھی اطاعت قبول کر لی پھر جمنا کے کنارے پر آباد مہاون کی طرف بڑھا اور اسے تسخیر کر لیا۔ راجہ کیل چند نے مایوسی کی حالت میں پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کیا اور اس کے بعد اپنی تلوار کی نوک کو اپنی جانب کر کے اپنا خاتمہ بھی کر لیا۔ تب اس نے متھرا کے بہترین شہر کی طرف رخ کیا۔ وہ کرشن باسدیو کے لیے وقف تھا۔ قلیل مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اس نے لوٹ مار شروع کر دی گئی۔ تمام بتوں کو یا تو پاش پاش کیا یا جلا دیا گیا۔ زیادہ تر مندروں کو مسمار کیا اور سونے و چاندی کی صورت میں بہت بڑا خانہ لوٹ لیا۔

محمود غزنوی بیس روز تک قنوج میں ٹھہرا۔ اس دوران شہر میں خوب آتش زنی اور غارت گری کی گئی۔ چند چھوٹے راجاؤں کو مطیع کرنے کے بعد سلطان لوٹ مار کی دولت اور بے شمار قیدیوں سمیت غزنی کی طرف لوٹا۔ اس کی فوج نے اپنی طرف سے جو لوٹ مار کی تھی، وہ سرکاری خزانے کی لوٹ مار سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ محمود غزنوی ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران ہندوستان کے فن تعمیر کی خوبصورتی سے بڑا متاثر ہوا۔ اپنے دارالخلافہ میں پہنچنے کے بعد اس نے وہاں پتھر اور سنگِ مرمر کی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اس نے اسے قالینوں، فانوس اور سونے و چاندی کے ساز و سامان سے مزین کیا۔ وہ اسے ''آسمانی دلہن'' کہتا تھا۔ اس کے درباری امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ دارالحکومت کو نجی محلات اور سرکاری عمارات سے مزین کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے سرکاری خزانے کی مدد سے شاہی مسجد کے قرب و جوار میں ایک عظیم الشان جامعہ، نہایت عالم فاضل مصنفین کی کتب پر مبنی دارالمطالعہ (کتب خانہ)، قدرتی عجائبات اور فن کے نمونوں پر مشتمل عجائب گھر تعمیر کرایا۔ فن تعمیر کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوا اور مختصر سے وقت میں محمود غزنوی کا

دارالخلافہ خوبصورت مساجد' بارہ دریوں' فواروں' تالابوں' محرابی نالوں اور چوبچوں سے مزین ہو گیا۔ وضع قطع اور کاریگری کے لحاظ سے گزشتہ ادوار کی کوئی عمارت ان کی برابری نہیں کر سکتی تھی۔ 1019ء میں سلطان محمود غزنوی نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ کے پاس اپنی فتوحات کی ایک سرگزشت روانہ کی۔ اس نے اسے شہر کے مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے کرۂ ارض کے دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی فتوحات پر بہت خوشی منائی۔

دسواں حملہ

1021ء میں ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج نے قنوج کی راجہ کنور رائے پر حملہ کر دیا کیونکہ اس راجہ نے محمود غزنوی سے الحاق کر لیا تھا۔ سلطان نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ قنوج پہنچتا' اس پر بندیل کھنڈ کالنجر کے راج نندا نے قبضہ کر لیا۔ اس نے کنور رائے اور اس کے متعدّد سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی موت کا بدلہ لینے کی لیے سلطان کالنجر کی طرف روانہ ہوا اور نندا رائے کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس فتح کے بعد محمود غزنوی نے کشمیر کی طرف پیش قدمی کی اور راستے میں لوکوٹ کے ناقابلِ تسخیر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تب وہ لاہور میں داخل ہوا اور آنند پال کے قنوج کے راجہ کے خلاف متحدہ فوج میں شمولیت کے باعث انتقاماً اس نے اپنے فوجی دستوں کو شہر کی لوٹ مار کا حکم دے دیا۔ یہاں پر بے شمار دولت اس کے ہاتھ لگی اور راجہ نے جب اپنے آپ کو دشمن کا مقابلہ کرنے میں ناکام پایا تو پناہ حاصل کرنے کے لیے اجمیر کی طرف بھاگ گیا۔ اسی سال موسم بہار میں محمود غزنوی نے مفتوح صوبوں پر اپنے صوبیدار تعینات کیے اور غزنی روانہ ہو گیا۔

اس نے لاہور کا انتظام اپنے پسندیدہ مشیر اور جنرل ملک ایاز کے سپرد کیا' جس کا نام بہت سی روایات اور اپنے آقا کے ارشادات میں موجود ہے۔ ملک ایاز نے لاہور کا قلعہ اور فصیل تعمیر کرائی۔ شہر کو وسیع اور خوبصورت بنایا۔ محمود غزنوی کے اس مقبول عام حاکم کے دور میں لاہور علم و فضل کا گہوارہ بن گیا اور غزنی سے لوگ یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ ان میں حضرت مخدوم شیخ علی گنج بخش ہجویریؒ بھی تھے۔ شہر کے باہر جن کا مزار داتا گنج بخشؒ کے نام سے مشہور ہے اور مسلمان اس کی بہت تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔

محمود غزنوی نے اپنے نام کی نسبت سے لاہور کو محمود غزنوی پور کہنا شروع کر دیا۔
اس نے لاہور میں سکے مضروب کرائے' جن پر عربی اور ہندی کی مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

القادر بالله

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ حکومت کے دائیں ہاتھ' دین پناہ محمود غزنوی نے اللہ کے نام سے اس درہم کو 418 ہجری میں محمود غزنوی پور میں مضروب کرایا''۔

پیشانی (ہندی)

ایک تمک' محمد اوتار' نری پتی محمود غزنوی
''غیر مرئی صرف ایک ہے۔
مجسم محمود غزنوی ہے
بادشاہ محمود غزنوی''۔

حاشیہ (ہندی)

''اللہ کے نام پر اس کو 418 ہجری میں محمود غزنوی پور میں مضروب کیا گیا''۔

گیارہواں حملہ

دو سال بعد محمود غزنوی نے کالنجر کے راجہ نندا رائے کو مزہ چکھانے کے لیے دوبارہ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی۔ کیونکہ گزشتہ مہم کے دوران وہ سزا سے بچ گیا تھا۔ وہ اس کے خلاف لاہور کے راستے سے بڑھا اور گوالیار سے گزرنے کے بعد اس نے اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن راجہ نے اطاعت کر لی اس طرح وہ محفوظ رہا۔ نندا رائے نے بروقت اطاعت اور قیمتی تحائف پیش کر کے اپنے آپ کو آفت سے بچا لیا۔ انہیں قبول کر لیا گیا اور اپنے علاقوں کے قبضہ پر بحال رکھا گیا۔

بارہواں حملہ

محمود غزنوی کافی عرصہ سے کاٹھیاواڑ کے ایک ساحلی شہر سومنات کے مشہور و معروف مندر کی دولت اور تقدس کے بارے میں سنتا چلا آ رہا تھا۔ وہاں پر ہندوستان کے سبھی حصوں سے پجاری جمع ہوتے تھے۔

سومنات کا مندر

ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ سوما دیوتا' جس کے نام پر یہ مندر مشہور تھا' اس کو تمام ارواح پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس کے بارے میں اس عقیدے کا اظہار کیا جاتا تھا کہ وہ تمام تناسخوں کو' باقاعدہ بناتا ہے اور روحوں کو سزا و جزا دینے کی طاقت بھی اسی کے پاس ہے۔ مندر بہت عالیشان تھا اور تمام پجاری اس کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

بہرحال بت پرستی کے اس جیسے مراکز کو تباہ کرنے کے لیے تہیہ کر کے اس نے ستمبر 1024ء میں غزنی سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس کے ہمراہ ترکستان اور ہمسایہ ممالک کے 30ہزار نوجوان رضا کار تھے۔ انہوں نے اس مندر کو تباہ کرنے کے لیے سلطان کی فوج میں بلامعاوضہ شمولیت اختیار کر لی تھی۔ ملتان کے صحرا کو عبور کرنے کے بعد وہ اجمیر پہنچا۔ اس نے اس میں لوٹ مار مچا دی اور دیگر قلعوں کو تسخیر کرتا اور بلامزاحمت تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا سومنات پہنچ گیا۔

مندر کے قلعہ کا راجپوتوں نے بڑی جوانمردی سے دفاع کیا اور مسلسل تین روز تک مسلمانوں کے حملوں کو عظیم نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ آخرکار محمود غزنوی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور زمین پر سجدہ ریز ہو کر اللہ سے مدد کی درخواست کی اور دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سرکیشین جرنیل ابوالحسن کا ہاتھ تھام کر حوصلہ افزائی کی خاطر اپنی فوج میں جوش وخروش پیدا کرنے کے لیے کچھ اس قدر گرم جوشی سے نعرہ لگایا کہ وہ سب ایک طوفان کی صورت میں قلعہ پر ٹوٹ پڑے اور چھاؤنی کے پانچ ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی ماندہ فوج اپنی جان بچانے کے لیے کشتیوں پر سوار ہو گئی لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور بے شمار کشتیوں کو ڈبو دیا۔ اب محمود غزنوی مندر میں داخل ہوا۔ اس کے بیٹے چند امراء اور سردار اس کے ہمراہ تھے۔ جیسے ہی وہ ایک عظیم الشان ایوان میں داخل ہوا تو اس نے اپنے سامنے پتھر کا ایک نو فٹ بلند بت دیکھا۔ سلطان نے مجسمے کے قریب پہنچ کر اپنے گرز کی ایک ہی کاری ضرب سے اس کا ناک اڑا دیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ بت کے دو ٹکڑے غزنی روانہ کر دیے جائیں۔ ایک کو جامع مسجد کی دہلیز پر پھینک دیا جائے اور دوسرے کو اس کے محل کے صدر دروازے پر رکھ دیا جائے۔ اسی وقت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لیے بھی دو اور ٹکڑے روانہ کیے گئے۔ برہمنوں نے سلطان کے

سامنے پیش کش رکھی کہ اگر وہ بتوں کو چھوڑ دے تو وہ اسے بہت بڑی مقدار میں سونا دیں گے۔ حتیٰ کہ محمود غزنوی کے درباریوں نے بھی اسے مشورہ دیا کہ ایک بت کی تباہی سے بت پرستی ختم نہیں ہوسکتی۔ لیکن محمود غزنوی نے یہ بات کہتے ہوئے اس خیال کی تضحیک اڑائی کہ اگر اس نے دولت کی خاطر اس بت کو چھوڑ دیا تو آنے والی نسلوں میں اس کا نام ''بت فروش'' کے طور پر لیا جائے گا' جب کہ اس کا مقصد اس کے بجائے ''بت شکن'' کہلانا ہے۔ بت کو اسی وقت پاش پاش کر دیا گیا تو اس کے اندر سے اس دولت سے کہیں زیادہ مالیت کے ہیرے جواہرات برآمد ہوئے' جس کی پیشکش راہبوں نے کی تھی۔ سومنات میں مختصر قیام کے بعد سلطان کے کچھ میں گنداوا اور شاندار شہر انہلواڑہ کو فتح کیا اور اس ملک کے راجہ کو گجرات کی سلطنت عنایت کرنے کے بعد سندھ کے راستے غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

سومنات کی مہم اور گجرات کے معرکہ میں اڑھائی سال صرف ہوئے۔

تیرہواں حملہ

ہندوستان کیلئے محمود غزنوی کی آخری مہم کا آغاز 1027ء میں ہوا۔ یہ مہم دریائے سندھ کے کناروں پر آباد جاٹ قبائل کے خلاف تھی۔ انہوں نے گجرات سے واپسی پر مسلمانوں کی فوج سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ ان قبائل کو تسخیر کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان پر مزید کسی حملے کا ارادہ نہیں کیا۔

محمود غزنوی کے دوسرے حملے

(امیر ناصر الدین) سبکتگین کے مرنے کے بعد امیر اسماعیل (جو کہ اس کا بڑا بیٹا تھا) اس کا جانشین ہوا اور اس نے چاہا کہ امیر محمود غزنوی کو میراث سے محروم کر دے' لیکن امیر محمود غزنوی اس پر غالب آیا اور باپ کا جانشین ہوگیا۔ اس نے بلخ کی جانب چڑھائی کر دی اور خراسان پر قبضہ کر لیا۔ جب اس نے اس ملک کو دشمنوں کی گندگی سے صاف کر دیا۔ تو اس کی حکومت کی شہرت ہر طرف ہوگئی اور بغداد کے خلیفہ القادر باللہ عباسی نے ایک نہایت فاخرہ خلعت اس کو بھیجا کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اس طرح کے کسی بادشاہ کو نہیں بھیجا تھا اور ''امین الملت ویمین الدولہ'' کا خطاب عنایت کیا۔

سلطان 390ھ/1000ء میں بلخ سے ہرات کو روانہ ہوا وہاں سے سیتان گیا وہاں کے حاکم خلف بن احمد کو مطیع بنا کر غزنی واپس آ گیا اور غزنی سے ہندوستان کی طرف

متوجہ ہوا۔ چند قلعے فتح کر لیے اور پھر واپس آ گیا۔ اس نے ایلک خاں کے ساتھ (رشتہ) دامادی استوار کر لیا اور طے پایا کہ ماوراء النہر ایلک خاں کے پاس رہے گا اور سارا ملک سلطان کا ہو گا۔

ماہ شوال 391ھ/ 1000ء میں اس نے پھر غزنی سے ہندوستان کا ارادہ کیا اور دس ہزار سوار لے کر پشاور آ گیا۔ راجا جے پال' دس بارہ ہزار سوار' بہت سے پیادے اور تین سو ہاتھی لے کر مقابلے پر آ گیا۔ جنگ شروع ہوئی۔ فریقین ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور دادِ شجاعت دی آخر کار سلطان محمود غزنوی کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ راجا جے پال پندرہ افراد کے ہمراہ' (جن میں اس کے بھائی اور لڑکے تھے) گرفتار ہوا۔ اس لڑائی میں پانچ ہزار کفار قتل ہوئے۔ (کہتے ہیں کہ جے پال کے گلے میں ایک مرصع حمائل تھی کہ جن کو ہندوستان کی زبان میں مالا کہتے ہیں۔ مبصروں نے اس کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار دینار تجویز کی تھی اور اس کے دوسرے بھائیوں کے گلوں میں قیمتی مالائیں تھیں۔) یہ فتح ہفتہ کے روز آٹھ محرم الحرام 392ھ/28 نومبر 1000ء کو ہوئی۔

وہاں سے محمود غزنوی قلعہ بہند (ویہند) کو جہاں جے پال رہتا تھا روانہ ہوا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب موسم بہار آیا تو وہ غزنی واپس چلا گیا محرم 393ھ/ نومبر 1002ء میں وہ پھر سیستان گیا اور خلف (بن احمد) کو مطیع بنا کر غزنی لے آیا پھر ہندوستان کا قصد کیا اور بھاتیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ نواح ملتانی سے گزر کر بھاتیہ کی حدود میں قیام کیا۔ وہاں کا راجا بجیرا اپنی سپاہ اور ہاتھیوں کی کثرت اور قلعہ کے استحکام کی بدولت مغرور تھا۔ اس نے اپنے لشکر کو سلطان کے مقابلہ کے لیے چھوڑا اور خود چند آدمیوں کے ہمراہ دریائے سندھ کے کنارے جا پہنچا۔ سلطان نے یہ خبر پا کر اپنا لشکر اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ جب سلطان کا لشکر اس کے پاس پہنچ گیا' تو اس نے خنجر مار کر خود کو ہلاک کر لیا' لوگ اس کا سر بادشاہ کے پاس لائے۔ سلطان نے اس کے آدمیوں پر تلوار چلائی۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ مالِ غنیمت میں بہت سے غلام' ہاتھی اور ہندوستان کی نفیس چیزیں ہاتھ آئیں اور وہ غزنی چلا گیا۔ تمام مالِ غنیمت میں دو سو اسی ہاتھی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ چونکہ ملتان کا حاکم داؤد بن نصر ملحد تھا' لہٰذا سلطان کو دینی غیرت نے ابھارا کہ اس کو بھی تنبیہ کرے۔ پس وہ ملتان کے ارادے سے روانہ ہوا اور اس کا لحاظ

رکھتے ہوئے کہ وہ خبردار نہ ہو جائے' مخالف راستے سے روانہ ہوا۔ جے پال کا لڑکا آنند پال جو راستے میں تھا' مزاحم ہوا۔ سلطان نے لشکر کو لڑائی' تاراجی اور غارت گری کا حکم دیا۔ آنند پال شکست کھا کر کشمیر کے پہاڑوں میں بھاگ گیا اور سلطان ہند کے راستے سے ملتان پہنچا اور سات روز تک ملتان کا محاصرہ جاری رکھا۔ ملتان کے حاکم نے ہر سال بیس ہزار درہم ادا کرنا قبول کیا اور احکام شرعیہ کے جاری کرنے کا عہد کر کے توبہ و معذرت کی اور سلطان اس قرار پر صلح کر کے غزنی واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ 396ھ/1005-06ء میں ہوا۔

397ھ/ 1006-07ء میں سلطان ترکوں سے جنگ میں مشغول ہوا۔ وہ ربیع الآخر 398ھ/ 1007ء میں اس کارزار سے فارغ ہوا' تو اسے یہ خبر ملی کہ راجا ہند کا پوتا سو کپال' جو ابو علی سجوری کے ہاتھوں قید ہو کر اسلام لے آیا تھا' مرتد ہو کر فرار ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے قید کر دیا' بعدازاں اسی قید میں وہ مر گیا۔

سلطان محمود غزنوی 399ھ/9-1008ء میں دوبارہ ہندوستان آیا اور آنند پال سے جنگ کر کے اس کو شکست دی۔ تیس ہاتھی اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ وہ وہاں کے قلعہ بھیم نگر کو روانہ ہوا اور اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اہلِ قلعہ نے امان چاہی اور قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ سلطان اپنے چند آدمیوں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوا۔ سونا' چاندی' الماس اور جو کچھ بھیم کے زمانے سے جمع ہوا تھا' لے کر واپس چلا آیا اور حکم دیا کہ اس کی قیام گاہ کے سامنے سونے اور چاندی کے چند تخت رکھ کر وہ سارا مال وسیع میدان میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ سپاہ اور رعایا اس کو دیکھ کر تعجب کرے۔ یہ واقعہ چوتھی صدی ہجری کے ابتدا میں ہوا۔

سلطان محمود غزنوی نے پھر 401ھ(1010-11ء) میں غزنی سے ملتان کا قصد کیا اور جو کچھ ملتان میں باقی رہ گیا تھا اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ قرامطیوں اور ملحدوں میں سے اکثریت کو قتل کرا دیا۔ (کچھ کے) ہاتھ کٹوا دیے اور بعض کو قلعہ میں بند کر دیا جو وہیں مر گئے۔

جب سلطان کو یہ خبر ملی کہ ہندوستان میں تھانیسر نام ایک شہر ہے اور وہاں کے بڑے بت خانے میں ایک بت ہے' جس کا نام جگر سوم ہے۔ اور ہندوستان کے لوگ (ہنود) اس کی پرستش کرتے ہیں' سلطان نے جہاد کے ارادے سے لشکر جمع کیا اور 402ھ (1011-12ء) میں تھانیسر کی طرف متوجہ ہوا۔ نرو جے پال کو جب یہ خبر ملی تو اس نے اپنا ایلچی بھیجا اور پیغام ارسال کیا کہ اگر سلطان اپنے اس ارادے سے باز آ جائے تو میں پچاس

ہاتھی بطور پیشکش بھیجوں گا۔ سلطان نے اس پر توجہ نہ کی۔ جب وہ تھانیسر پہنچا' تو پورے شہر کو خالی پایا۔ لشکریوں کو جو کچھ ملا وہ انہوں نے لوٹا۔ بتوں کو توڑا اور بت جگر سوم کو غزنی لے گئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس بت کو شاہی محل کے سامنے ڈال دیا جائے۔ تاکہ مخلوق کے پیروں تلے روندا جائے۔

سلطان نے 403ھ (1012-13ء) میں غرجستان کو فتح کر کے اس کے حاکم ''شار'' کو گرفتار کر لیا اور اس سال کے آخر میں ابوالفوارس بن بہاؤ الدولہ' اپنے بھائیوں کے غلبے کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی کی پناہ میں آ گیا۔ سلطان نے (ان کو) خطوط لکھے اور ان میں صلح ہو گئی۔ اسی سال عزیز مصر کا ایلچی کہ جس کو ''مہارتی'' کہتے تھے' پہنچا۔ علماء اور فقہا نے سلطان سے کہا کہ یہ ایلچی قرامطہ کا مذہب رکھتا ہے' سلطان نے اس کی تشہیر کرا کے اسے نکال دیا۔

404ھ (1013-14ء) میں سلطان نے قلعہ نندنہ پر (جو کوہ بالناتھ میں واقع ہے') چڑھائی کر دی۔ نروجے پال نے تجربہ کار آدمی قلعے کی حفاظت کے لیے چھوڑے اور خود درۂ کشمیر میں داخل ہو گیا۔ سلطان نے نندنہ پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ گری کا تمام مال و اسباب جمع کر کے نقب شروع کی۔ اہل قلعہ نے امان حاصل کر کے قلعہ سپرد کر دیا' سلطان اپنے چند خاص آدمیوں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو کچھ سامان وہاں تھا' سب لے لیا اور سارغ کو وہاں کا کوتوال مقرر اور درۂ کشمیر کی جانب رخ کیا' کیونکہ نروجے پال وہاں تھا۔ نروجے پال وہاں سے بھی فرار ہو گیا۔ سلطان اس درہ میں داخل ہوا' تو بہت سے غلام' سونا اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ بہت سے کافروں کو دینِ اسلام میں داخل کیا۔ ان کو اسلام کے آئین سکھائے اور غزنی چلا گیا۔

407ھ (1016-17ء) میں اس نے کشمیر کا رخ کیا اور لوہ کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب زیادہ عرصہ گزر گیا' آندھی' برف' سردی کی شدت ہو گئی اور کشمیریوں کو مدد پہنچ گئی تو سلطان نے (قلعہ کا) محاصرہ چھوڑ دیا اور بہار کے موسم میں غزنی چلا گیا۔

اسی سال ابوالعباس بن مامو وارزم شاہ نے خوارزم سے ایک خط سلطان محمود غزنوی کو لکھ کر اس کی بہن کی خواہش کی' تو سلطان نے اپنی بہن کو خوارزم بھیج دیا۔ 407ھ (1016-17ء) میں بدمعاشوں کی ایک جماعت نے ہجوم کر کے خوارزم پر چڑھائی کر دی

اور اس کو قتل کر دیا۔ سلطان غزنی سے بلخ آیا اور وہاں سے خوارزم کا ارادہ کیا۔ جب خوارزم کی سرحد پہنچا' تو اس نے محمد بن ابراہیم طائی کو لشکر کا مقدمۃ الجیش بنا کر پہلے روانہ کیا' جس وقت انہوں نے منزل کی اور صبح کی نماز میں مشغول ہوئے' تو خمارتاس جو خوارزمیوں کا سپہ سالار تھا' کمین گاہ سے نکلا اور ان پر حملہ آور ہوا۔ ایک کثیر جماعت کو قتل کر کے اس جمعیت کو منتشر کر دیا۔ سلطان کو یہ خبر ملی تو اس نے اپنے غلاموں کی ایک زبردست فوج ان کے تعاقب پر مقرر کر دی۔ انہوں نے اس کا پیچھا کیا اسے گرفتار کیا اور سلطان کے پاس لے آئے۔ سلطان قلعہ ہزار اسپ پر پہنچا تو خوارزم بڑی جمعیت اور تیاری کے ساتھ فوج آراستہ کر کے مقابلے پر آ گئے۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ آخر خوارزمیوں کو شکست ہوئی اور الپتگین بخاری جو ان کا سپہ سالار تھا' قید کر لیا گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کے ہمراہ خورزم جانے کا قصد کیا۔ اس نے پہلے ابوالعباس کے قاتلوں کو قصاص میں قتل کرایا اور اپنے امیر حاجب التون تاش کو خوارزم شاہ کا خطاب دے کر خوارزم کی ولایت اس کے سپرد کر دی اور وہاں سے بلخ آ کر ہرات کی ولایت اپنے لڑکے امیر مسعود کو دی اور ابوسہیل محمد بن روزنی کو اس کا وکیل بنا کر اس کے ہمراہ روانہ کر دیا اور گورگان کی ولایت میر محمد کو دے کر ابوبکر قہستانی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔

409ھ/19-1018ء میں سلطان محمود غزنوی نے ولایت قنوج کو فتح کرنے کے ارادے سے فوج کشی کی۔ وہ سات ہولناک دریاؤں کو عبور کر کے جب قنوج کی سرحد پر پہنچا' تو وہاں کے حاکم کورہ نامی نے اطاعت قبول کر کے امان چاہی اور پیشکش بھیجی۔ سلطان وہاں سے برن کے قلعہ پر پہنچا اور اس قلعہ کا حاکم ہردت' قلعہ اپنے عزیزوں اور ہم قوم لوگوں کے سپرد کر کے خود کنارہ کش ہو گیا۔ اہلِ قلعہ مقابلے کی تاب نہ لائے۔ دس لاکھ درہم کہ جن کے دو لاکھ پچاس ہزار روپے ہوتے ہیں اور تیس ہاتھی پیش کر کے امان حاصل کر لی۔ پھر سلطان وہاں سے قلعہ مہاون پر دریائے جمنا کے کنارے پہنچا۔ اس قلعہ کے حاکم کل چندر نے ارادہ کیا کہ ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے پار جائے اور فرار ہو جائے۔ سلطان کے لشکریوں نے حملہ کر دیا۔ جب اس کے نزدیک پہنچے' تو اس نے اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کر لیا۔

زیستن چوں بکام خصم بود

مردن از زیستن بسے بہتر

قلعہ فتح ہو گیا۔ پچاسی ہاتھی اور بے انتہا مالِ غنیمت لشکرِ اسلام کے ہاتھ آیا۔

وہاں سے سلطان شہر متورہ (متھرا) پہنچا یہ متورہ (متھرا) ایک بڑا شہر ہے جس میں بڑے بڑے بت خانے ہیں اور (متھرا) کشن (کرشن) بن باسدیو کی جائے پیدائش ہے۔ ہندو اس کو خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب سلطان اس شہر میں پہنچا تو کوئی شخص جنگ کے لیے نہیں نکلا۔ سلطان کے لشکر نے سارے شہر کو غارت کر دیا' بت خانوں کو جلا دیا' بہت کچھ مال و دولت ہاتھ آیا۔ ایک سونے کے بُت کو سلطان کے حکم سے توڑا گیا' اس کا وزن اٹھانوے ہزار تین مثقال پکا سونا تھا اور اس میں سے یاقوت کجلی کا ایک ٹکڑا نکلا جس کا وزن چار سو پچاس مثقال تھا۔

کہتے ہیں کہ چندرانے کے پاس (جو ہندوستان کے راجاؤں میں سے ایک راجا تھا) ایک ہاتھی تھا جو نہایت قوی ہیکل اور مشہور تھا۔ سلطان اس کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں خریدنا چاہتا تھا' مگر حاصل نہ ہوا۔ اتفاق سے قنوج سے واپسی کے وقت وہ ہاتھی فیل بان کے بغیر رات میں ہاتھیوں میں سے بھاگ کر سلطان کے خیمے کے نزدیک آ کھڑا ہوا' سلطان اس کو پا کر بہت خوش ہوا۔ اس کا نام ''خداداد'' رکھ دیا۔ غزنی پہنچ کر قنوج کے مال غنیمت کو شمار کیا گیا' تو دس لاکھ درہم' تین ہزار غلام اور تین سو پچاس ہاتھی تھے۔

روایت ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی نے سنا کہ راجا نندا نے قنوج کے راجا کو اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے سلطان محمود غزنوی کی اطاعت قبول کر لی تھی' تو سلطان نے نندا کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور 410ھ/ 20-1019ء میں سلطان پھر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا جب دریائے جون (جمنا) پر پہنچا۔ تو نروجے پال کو جو سلطان کی فوج کے سامنے بھاگ چکا تھا' نندا کی اعانت اور مدد میں پھر سلطان کے مقابلے پر آ گیا اور لشکر آراستہ کیا چونکہ بیچ میں گہرا دریا تھا' لہٰذا سلطان کے حکم کے بغیر کوئی اس دریا کے پار نہ ہوا۔ اتفاقاً سلطان سے خاصہ کے ساٹھ غلام ایک دم دریا کے اس پار پہنچ گئے اور نروجے پال کے سارے لشکر کو منتشر کر کے شکست دے دی۔ نروجے پال چند کافروں کے ہمراہ بھاگ گیا۔ غلام سلطان کے سامنے نہیں آئے۔ بلکہ انہوں نے اس شہر کا قصد کیا' جو اس نواح میں تھا۔ شہر کو خالی پا کر لوٹ مار شروع کر دی اور بت خانوں کو منہدم کر دیا۔

سلطان دوسرے دن یہ خبر پا کر سوار ہوا اور کمین گاہوں کو اچھی طرح دیکھا۔ اس

نے لشکر کے انخلاء کو دیکھ لیا اور اس کے مکر و فریب سے اطمینان ہو گیا' تو تخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بے شمار مال و دولت لشکرِ اسلام کے ہاتھ آئی۔ اتفاق سے نندا کے لشکر کے پانچ سو اسی ہاتھی جنگل میں ملے۔ بطور مالِ غنیمت ان کو حاصل کیا اور سلطان مظفر و منصور غزنی واپس چلا گیا۔

اس زمانے میں خبر ملی کہ قیرات اور نور دو درے ہیں۔ جہاں کے رہنے والے سب کافر ہیں اور ان کے ٹھکانے مستحکم ہیں۔ سلطان نے فوجوں کو حاضری کا حکم دیا اور لوہار' بڑھئی اور سنگتراشوں کی ایک بڑی جماعت لے کر اس علاقے کو چل پڑا۔ اس مقام کے نزدیک پہنچا' تو پہلے قیرات کا ارادہ کیا۔ قیرات بہت سرد مقام ہے۔ وہاں میوہ بہت ہوتا ہے۔ اس شہر کے لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ اس علاقے کے حاکم نے اطاعت قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ اس علاقے کے تمام باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

صاحب علی ابن آلت ارسلان کو نور کی فتح کے لیے مقرر کیا۔ اس نے وہاں جا کر اس علاقے کو فتح کر لیا اور قلعہ بنوایا۔ علی بن قدر جوق کو اس قلعہ کی کوتوالی پر مقرر کیا۔ اس علاقے میں اسلام طوعاً و کرہاً پھیلا۔

412ھ/ 22-1021ء میں سلطان نے کشمیر کا ارادہ کر کے لوہ کوٹ کا محاصرہ کیا۔ تقریباً ایک ماہ تک وہاں قیام کیا۔ اس قلعہ کی بلندی اور استحکام کی وجہ سے اس پر فتح نہ پا سکا۔ وہاں سے نکل کر لاہور و باکرہ روانہ ہوا۔ لشکر ان پہاڑوں کی گھاٹیوں میں تخت و تاراج کی غرض سے منتشر ہو گیا۔ حد سے زیادہ مالِ غنیمت لشکر اسلام کے ہاتھ لگا۔ سلطان موسمِ بہار کے آغاز میں مظفر و منصور غزنی واپس آ گیا۔

413ھ/ 23-1022ء میں سلطان نے پھر ولایتِ نندا کا ارادہ کیا۔ گوالیار کے قلعہ پر پہنچا' تو اس کا محاصرہ کر لیا جب چار دن گزر گئے' تو اس قلعہ کے حاکم نے ایلچیوں کو بھیجا اور پینتیس ہاتھی پیشکش گزرانے اور امان چاہی۔ سلطان نے اس کی صلح کی درخواست منظور کر لی اور قلعہ کالنجر کی جانب متوجہ ہوا۔ اور اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے میں ایک مدت گزر گئی' تو اس قلعہ کے حاکم نندا نے تین سو ہاتھی پیشکش گزران کر پناہ چاہی۔ چونکہ انہوں نے ان ہاتھیوں کو فیل بانوں کے بغیر قلعہ سے باہر نکال دیا تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ ترک ہاتھیوں کو پکڑ کر ان پر سوار ہو جائیں۔ اہل قلعہ نے یہ مشاہدہ کر کے تعجب کیا اور

ترکوں سے عبرت حاصل کی۔

نندا نے ہندی زبان میں سلطان کی مدح میں ایک شعر لکھ کر بھیجا۔ سلطان نے اس شعر کو ہندوستان کے فصیحاء اور دوسرے شعراء کو جو اس کی ملازمت میں تھے' سنایا' سب نے تعریف کی' سلطان نے اس پر فخر کیا اور پندرہ قلعوں کی حکومت کا شاہی فرمان دوسرے تحائف کے ہمراہ (بدلے میں) اس کے پاس بھیج دیا۔ نندا نے بھی اس کے عوض بے انتہا مال و جواہر سلطان کی خدمت میں ارسال کیے اور سلطان وہاں سے فتح یاب ہو کر غزنی پہنچا۔

414ھ/ 24-1023ء میں سلطان نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ اس لشکر کے علاوہ جو اطراف ولایت میں تھا' چون ہزار سوار اور ایک ہزار تین سو ہاتھی آئے۔

415ھ/25-1024ء میں سلطان (محمود غزنوی) بلخ پہنچا۔ اس زمانے میں علی تگین ماوراء النہر کے لوگوں پر ظلم کر رہا تھا۔ سلطان اس کو دفع کرنے کے ارادے سے جیحوں سے گزرا۔ ماوراء النہر کے سردار استقبال کے لیے آئے۔ حتیٰ کہ یوسف قدر خاں بھی (جو تمام ترکستان کا بادشاہ تھا) استقبال کے لیے آیا۔ محبت اور دوستی کے طور پر بادشاہ سے ملاقات کی۔ سلطان اس کے آنے سے خوش ہوا۔ جشن منعقد کیے گئے۔ ایک نے دوسرے کو ہدیئے اور تحفے پیش کیے۔ سلطان نے ہندوستان کے تحفے' قیمتی جواہر' اور فیلان کوہ پیکر دیے۔ صلح اور رضا کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ علی تگین فرار ہو گیا۔ سلطان نے لوگوں کو اس کے تعاقب میں مقرر کیا' یہاں تک کہ اس کو گرفتار کر لیا۔ سلطان نے اس کو قید کر کے ہندوستان کے قلعوں میں سے کسی قلعہ میں بھیج دیا اور (سلطان) وہاں سے غزنی چلا گیا اور اس نے موسم سرما غزنی میں گزارا۔

اس نے اپنی عادت کے مطابق سومنات کو فتح کرنے کے ارادہ سے پھر ہندوستان پر لشکر کشی کر دی۔ سومنات سمندر کے کنارے ایک بڑا شہر ہے اور برہموں کی عبادت گاہ ہے اور اس بُت خانے میں بہت سے سونے کے بت تھے۔ سب سے بڑے بت کو منات کہتے تھے۔ کتب تواریخ میں دیکھا گیا ہے کہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے زمانے میں اس بت کو خانہ کعبہ سے نکال کر یہاں لے آئے تھے' لیکن برہموں کی قدیم کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کرشن کے زمانے سے (جس کو چار ہزار سال کا عرصہ ہوا) یہ بت برہموں کا معبُود ہے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان شہر نہروالہ پٹن پہنچا۔ تو اس نے شہر خالی دیکھا۔ حکم دیا کہ غلہ لے لیں اور سومنات کا راستہ اختیار کریں۔ جب سومنات پہنچے تو وہاں کے رہنے والوں نے قلعے کے دروازوں کو سلطان کے لشکریوں پر بند کر دیا۔ لڑائی اور کوشش کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ غارت گری اور تاراجی عمل میں آئی۔ بہت سی مخلوق قتل اور گرفتار ہوئی۔ بت خانوں کو منہدم کر کے نیست و نابود کر دیا۔

سلطان نے وہاں سے واپسی کا علم اٹھایا چونکہ ہندوستان کے راجاؤں میں سے ایک بڑا راجا پرم دیو نام راستے میں تھا اور اس وقت کے لحاظ سے اس سے جنگ کرنا مناسب نہ تھی' اس لیے سندھ کے راستے سے ملتان کا ارادہ کیا۔ اس راستے میں بعض مقامات پر پانی کی کم یابی اور بعض جگہ پر چارے کی نایابی سے لشکریوں کو بہت تکلیف پہنچی اور بڑی مصیبت و پریشانی کے ساتھ وہ 417ھ/1026ء میں غزنی پہنچا۔

اسی زمانے میں قادر باللہ نے سلطان کو خط لکھا اور خراسان' ہندوستان' نیمروز اور خوارزم کے جھنڈے بھیجے۔ سلطان' اس کے بیٹوں اور بھائیوں کے لیے اس خط میں خطاب لکھے۔ سلطان محمود غزنوی کو کہف الدولہ والا سلام' امیر مسعود کو شہاب الدولہ و جمال الملت' امیر محمد کو جلال الدولہ و جمال الملت اور امیر یوسف کو عضد الدولہ و موید الملت خطاب لکھے اور ان میں سے تو جس کو اپنا ولی عہد کرے گا۔ ہم بھی اس کو قبول کریں گے اور یہ خط سلطان کو بلخ میں ملا۔

اس سال سلطان' جتانی (جاٹوں) کو سزا دینے کے ارادے سے کہ (جنہوں نے سومنات سے واپسی کے وقت سلطانی لشکر کے ساتھ بے ادبی کی تھی اور مختلف قسم کی تکالیف پہنچائی تھیں۔) ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ ملتان کی جانب روانہ ہوا اور جب وہ ملتان پہنچا' تو حکم دیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں بنائی جائیں اور ہر کشتی پر لوہے کے تین نہایت قوی اور مضبوط سینگ لگا دیے جائیں۔ ایک کشتی کے سامنے کے رخ پر اور بقیہ دونوں پہلوؤں پر۔ چنانچہ جو کچھ بھی ان سینگوں کے مقابلے پر آتا' ٹوٹ پھوٹ جاتا اور ناپید ہو جاتا۔ ان تمام کشتیوں کو دریائے جیحوں (سندھ) میں ڈلوا دیا۔ اور ہر کشتی میں بیس آدمی تیر و کمان اور نفت کی شیشیوں کے ساتھ بٹھا دیے اور جاٹوں کے استحصال کی تیاری کی۔ جاٹ خبردار ہو گئے اور انہوں نے اپنے اہل و عیال کو سندھ کے جزیروں میں بھیج دیا۔ خود مقابلے کے لیے تنہا

بیٹھ گئے اور چار ہزار کشتیاں اور (دوسری روایت کے مطابق آٹھ ہزار کشتیاں) دریا میں ڈالی گئیں۔ ہر کشتی میں ایک مسلح جماعت تھی۔ جب طرفین کا مقابلہ ہوا' تو سخت جنگ ہوئی۔ جاٹوں کی جو کشتی سلطان کے آدمیوں کی کشتی کے پاس آتی' کشتی کے سینگ سے لگتی اور ٹوٹ جاتی۔ یہاں تک کہ سارے جاٹ ڈوب گئے اور جو باقی رہ گئے تلواروں سے قتل ہوئے۔ سلطان کا لشکر ان کے اہل وعیال کے پاس پہنچا اور سب کو قید کر لیا سلطان کامیاب اور فتح یاب ہو کر غزنی واپس چلا گیا۔

418ھ/1027ء میں سلطان محمود غزنوی نے امیر طوس ابوالحرب ارسلان کو باوردا میں نامزد کیا۔ تاکہ وہ جائے اور ترکمانوں کو ختم کر دے۔ امیر طوس نے زبردست لڑائیوں کے بعد سلطان کو لکھا کہ ان کے فساد کا تدارک نہیں ہو سکتا' تاوقتیکہ سلطان بذات خود یہاں آ کر جنگ نہ کرے۔ سلطان خود وہاں پہنچا اور ترکمانوں کو ختم کر دیا اور پھر وہاں سے رے گیا اور رے کے خزانے دفینے' (جو وہاں کے حکام نے برسوں سے جمع کر رکھے تھے') بغیر کسی دقت کے سلطان کے ہاتھ آئے۔ وہاں باطل مذہب اور قرامطہ بہت تھے (جن پر یہ الزام) ثابت ہو گیا وہ قتل کرا دیے۔ رے کی ولایت کو اصفہان مسعود کے سپرد کیا اور خود غزنی واپس چلا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد سلطان دق کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ روزانہ یہ مرض بڑھتا گیا۔ لیکن سلطان بظاہر اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں میں صحت مند ظاہر کرتا تھا۔ اسی حالت میں وہ بلخ پہنچا۔ جب موسم بہار آیا تو غزنی چلا آیا۔ مرض زیادہ بڑھ گیا اور غزنی میں جمعرات کے روز 23 ربیع الاوّل 421ھ کو اسی مرض میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا۔ اس کی مدتِ سلطنت پینتیس سال ہوئی۔

کہتے ہیں کہ سکراتِ موت کے وقت سلطان نے حکم دیا کہ اس کے خزانے اور قیمتی مال اس کو دکھائے جائیں۔ اسے ان خزانوں کے چھوڑنے کا بہت صدمہ تھا۔ آہیں بھرتا تھا۔ اس نے ان میں سے ایک کوڑی بھی کسی کو نہیں دی۔ بارہ مرتبہ اس نے ہندوستان جا کر جہاد کیا۔



باب 4

رومیلا تھاپر کا تجزیہ

سومنات کا مندر اور سلطان محمود غزنوی

"رومیلا تھاپر برصغیر کی معروف مؤرخ اور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک کی پروفیسر ہیں۔ 1931ء میں پیدا ہونے والی رومیلا نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری 1959ء میں لندن یونیورسٹی سے حاصل کی جس کے بعد انہوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں قدیم ہندوستان کی تاریخ کی پروفیسر کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیں۔ بعدازاں وہ لندن چلی گئیں۔ اپریل 2003ء میں انہیں ساؤتھ لائبریری آف کانگرس کی میٹنگ کی صدارت کا اعزاز حاصل ہوا جس پر بھارت میں بہت زیادہ شور شرابہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنوری 2005ء میں رومیلا تھاپر کو بھارتی حکومت کی جانب سے پدما بھوشان ایوارڈ دیا گیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بھارتی صدر عبدالکلام کے نام خط میں انہوں نے لکھا کہ جب بھارتی حکومت نے کئی ماہ قبل انہیں ایوارڈ دینے کی پیشکش کی تھی تو میں نے منع کر دیا تھا' اس لئے مجھے اپنا نام ایوارڈز ملنے والوں کی فہرست میں دیکھ کر حیرانگی ہوئی ہے۔ وہ اس سے قبل 1992ء میں بھی اس ایوارڈ کو رد کر چکی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ صرف پروفیشنل اور تعلیمی اداروں سے ایوارڈ وصول کرنا پسند کرتی ہیں اور کسی ریاست کی جانب سے ملنے والے ایوارڈ قبول نہیں

کرتیں۔ ان کے حقیقت پسندانہ خیالات کی وجہ سے بھارتی متعصب میڈیا انہیں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے رومیلا تھاپر کے مشہور تحقیقاتی مقالے ''سلطان محمود غزنوی اور سومنات کا مندر'' کا حوالہ پیش ہے۔''

محمود غزنوی کا 1026ء میں سومنات کے مندر پر حملہ ہندو مسلم دشمنی کا باعث نہیں بنا بلکہ درحقیقت پانچ مختلف تجزیوں سے حیران کن انکشافات سامنے آتے ہیں۔

محمود غزنوی کے سومنات کے مندر پر حملے اور بتوں کو تباہ کرنا پچھلے دو سو سالوں میں ہندوستان کی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔ کچھ مصنفین کے بقول یہ کئی ہزار سالوں سے ہندو مسلم چپقلش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ واقعات کا باریک بینی سے تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط فہمی ہندو مسلم تعلقات کا صحیح طرح مطالعہ نہ کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔

1026ء میں سلطان محمود غزنوی نے سومنات کے مندر پر حملہ کر کے بتوں کو تباہ کر دیا۔ اس حوالے سے مختلف ذرائع سامنے آتے ہیں' البتہ کچھ جگہ پر یہ آراء ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ کوئی بھی واقعہ کئی صدیوں کے فاصلے سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچتا ہے' جس کی وجہ سے اس کا بدل جانا ایک یقینی امر ہے۔ ایک مؤرخ کے طور پر ہمیں صرف واقعہ کو دیکھنا چاہیئے اور آج وہ کس طرح کا لگ رہا ہے' اس کیلئے صدیوں کے تاریخی واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

میں آپ کے سامنے پانچ مختلف تجزیوں کے واقعات رکھنا چاہوں گا جنہوں نے محمود غزنوی کے سومنات کے مندر پر حملے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان میں ترکی ایران تاریخ' جینا کی تعلیمات' سومنات سے ملنے والی سنسکرت تعلیمات' برطانوی ہاؤس آف کامن میں ہونے والا بحث مباحثہ اور واقعے کے متعلق پایا جانے والا عام تاثر۔

ان کے بیانات سے قبل ہی سومنات کا پس منظر بیان کرنا چاہوں گی۔ مہا بھارت میں اسے پرابھاس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اگرچہ بعد میں کوئی نیا مندر نہیں بنایا گیا لیکن یہ عبادت کی جگہ تھی۔ جس طرح برصغیر کے مختلف حصوں میں یہ چیز عام تھی' وہاں بدھ مت' جین' شیوا اور مسلمانوں کی آبادی تھی۔ نویں اور دسویں صدی میں شیوا مندر' سومنات مندر کے نام سے مشہور تھا۔ چالنکیہ اور سولنکی 11ویں اور 13ویں صدی میں گجرات میں حکومت کر

رہے تھے۔ کاٹھیاوار میں کم طاقتور حکمران تھے' جو چالکیہ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

سوراشٹر زرعی لحاظ سے زرخیز زمین تھی البتہ اس کی خوشحالی کا راز تجارت بھی تھا۔ سومنات کے ساتھ موجود بندرگاہ گجرات کی تین بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی۔ ان دنوں مغربی بھارت تجارتی لحاظ سے بہت امیر تھا کیونکہ اس کی بندرگاہیں عرب اور ایران سے ملتی تھیں۔ یہ تجارتی روابط کئی صدیوں پر محیط ہیں۔

عرب کے سندھ پر حملے ان کے تجارتی روابط سے کم اہم رہے۔ عرب تاجروں نے مغربی ساحل کے ساتھ قیام کیا اور مقامی لوگوں سے شادیاں بھی کیں۔ کچھ عربوں نے مقامی لوگوں کی ملازمت بھی اختیار کی۔ یہ عرب تاجر ہرمز اور غزنی میں مقیم تھے' (جو 11ویں صدی کے بعد بھی بہت زیادہ خوشحال تھے۔) تجارت کا دارومدار مغربی ایشیا سے گھوڑوں کی درآمد اور کچھ حد تک شراب' لوہا اور ٹیکسٹائل کی آمد پر مشتمل تھا البتہ سب سے بہترین تجارت گھوڑوں کی تھی۔ ان سے حاصل ہونے والی آمدن کا معقول حصہ مندروں پر بھی خرچ کیا جاتا تھا۔ تجارت کے علاوہ سومنات کے لوگوں کی آمدن کا اہم ذریعہ باہر سے آئے ہوئے لوگوں پر ٹیکس عائد کرنا تھا۔ یہ ملتان کی طرح آمدن کا مقام ذریعہ تھا۔

تاریخی حوالوں سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ مقامی راجے آنے والے زائرین کے قافلوں پر حملے کرتے تھے اور ان کی دولت لوٹ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ساحل کے ساتھ کئی لٹیرے گشت کرتے رہتے تھے' جنہیں بیروج کہا جاتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہاں تجارت پھلتی پھولتی رہی۔ گجرات میں ہندو مہاراجے امیر ترین لوگ تھے اور وہ ہندو مندروں کیلئے بہت زیادہ امداد دیتے تھے۔ محمود غزنوی کے 1026ء میں سومنات کے مندر پر حملے سے متعلق مشہور مؤرخ البیرونی نے صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ محمود غزنوی کے حملے سے سو سال قبل وہاں ایک پتھر رکھا گیا تھا۔ یہ بات تمام تاجروں کیلئے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث تھی۔ البیرونی کا کہنا ہے کہ ملتان کے ایک ماہر ریاضیات نے مختلف حساب کتاب کے بعد سومنات کے مندر پر حملے کے وقت کا تعین کیا ہے' جو 1025ء سے 1026ء بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حملے کا مقامی ذرائع سے پتہ چلتا ہے۔

مشرقی اسلامی دنیا سے تعلق رکھنے والے ایک مشہور شاعر فرخ سیستانی نے محمود غزنوی کے بت کو توڑنے کی کہانی کو نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے کیونکہ وہ اس

سفر میں محمود غزنوی کے ہمراہ تھے۔ وہ لفظ سومنت کو سومنات لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قرآن میں بیان کئے گئے کعبہ میں رکھے جانے والے تین بتوں لات، عزیٰ اور منات کا حصہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے عزیٰ اور لات کو توڑ دیا تھا لیکن منات کو لوگ گجرات لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، جہاں اس کی عبادت شروع ہو گئی تھی۔ چونکہ منات کالے رنگ کا بت تھا اس لئے سومنات کے رہنے والے لوگوں نے وہاں موجود بُت کو بھی سومنات کا نام دیدیا۔ اس سوچ کو ترکی ایرانی مکتبہء فکر کے لوگوں نے تسلیم کیا ہے لیکن دوسرے اس پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہیں۔ بہرحال اس کہانی کی اہمیت اپنی جگہ موجود ہے کیونکہ بت کو توڑنے کی خواہش نہ صرف محمود غزنوی کی اپنی تھی بلکہ وہ حضورؐ کے احکامات کی بھی تعمیل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اور بھی کئی مندروں پر دھاوا بولا اور وہاں موجود بتوں کو توڑا لیکن سومنات کا مندر اپنی اہمیت اور شکل کی وجہ سے خصوصی اہمیت اختیار کر گیا۔ ان کا تعلق مسلمانوں کے سنی فرقے سے تھا اس لئے انہوں نے اسماعیلیوں اور اہل تشیع فرقے کو بھی نشانہ بنایا۔ یہ افسوسناک ہے کہ ملتان کے مندر پر پہلے اسماعیلیوں نے حملہ کیا، جس کے بعد 11ویں صدی میں محمود غزنوی نے ان پر حملہ کیا اور ان کی مسجد بند کروا دی۔ انہوں نے یہ کام اسلام کو منتشر ہونے سے روکنے اور غلط پیغام کو آگے پہنچنے سے روکنے کیلئے کیا کیونکہ وہاں اسلام کو ایک نیا زاویہ دینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی نے ملتان اور منصورہ پر حملہ کر کے 50 ہزار کفار کے ساتھ ساتھ 50 ہزار منکروں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ سومنات کے مندر کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ وہ اس طرح بھارت کی سندھ اور گجرات کے راستے گھوڑوں کی تجارت کا ناطقہ بند کرنا چاہتا تھا۔ اس سے وہاں عربوں کی اجارہ داری ہو جاتی تھی۔ ان دنوں افغانستان کے ساتھ مغربی بھارت کے گھوڑوں کی تجارت کا بہت زیادہ چرچا تھا کیونکہ یہ ریاست غزنی کی دولت کا ایک اہم ذریعہ تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا اس واقعے کے متعلق تضادات بڑھتے چلے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تصور بگڑتا چلا گیا۔ اس حوالے سے یہ شک پایا جاتا ہے کہ وہ خاتون منات تھی یا مرد شیوا۔ اگرچہ زیادہ تر لوگ اسے منات سمجھتے ہیں۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ منات مسلمانوں کے جذبات کے قریب تر ہے۔ مختلف کہانیاں ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے اس

بت کی ناک اڑا دی اور اس کے پیٹ میں سے سونے تراش لئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مشہور ترکی مؤرخ نے اس حملے کو سونے کی کان قرار دیا۔ ایک روایت ہے کہ اس میں بیس آدمیوں کے برابر سونا موجود تھا۔ ایک سونے کی چین نے دو سو افراد کو گھیرا ہوا تھا۔ مندر کی تاریخ 3000 سال پرانی بتائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کو سومنات کے اس قدر قیمتی مندر بن جانے پر زیادہ حیرانی نہیں ہونی چاہیے۔ 14 ویں صدی میں بارانی اور اسامی کی تصانیف اس واقعہ کی مزید تفصیلات پر بحث کرتی ہیں۔ یہ دونوں شاعر تھے اور ان میں سے سلطان دہلی سے منسلک تھا جبکہ دوسرا دکن کے بادشاہ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں نے محمود غزنوی کو مسلمانوں کے عظیم ہیرو کے طور پر پیش کیا ہے۔

دونوں شاعر محمود غزنوی کو مسلمانوں کا ہیرو بتاتے ہیں۔ بارانی کہتے ہیں کہ ان کی تحریروں کا مقصد مسلمان حکمرانوں کو اسلام کے بنیادی حقوق و فرائض سے آگاہ کرنا ہے۔ ان کے مطابق مذہب اور بادشاہت جڑواں ہیں اسلئے حکمران کو چاہیے کہ وہ بادشاہت کے اسلامی قوانین سے آگاہی حاصل کرے کیونکہ اسے زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا گیا ہے۔ سلطان کو اسلام اور شریعہ کی حفاظت کرنی چاہیے اور اسلامی ثقافت و اقدار کا تقدس کرنا چاہیے۔ سلطان محمود غزنوی اس لحاظ سے ایک بہترین حکمران تھے کہ ان میں یہ دونوں خاصیات موجود تھیں۔

آسامی نے ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں پر ایک مشہور نظم گائی ہے جو فارسی باوشاہوں پر فردوسی کی جانب سے لکھی جانے والی نظم سے ملتی جلتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہت عطیہء خداوندی ہے جو وہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے جس کو اس نے اسلام سے پہلے فارس کے بادشاہوں اور ہندوستان کے شہنشاہوں کو عطا کیا اور ہندوستان میں محمود غزنوی نے مسلمانوں کی حکمرانی کے لئے یہ کام کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو عرب محمود غزنوی سے قبل برصغیر میں موجود تھے انہیں تاریخ میں وہ اہمیت حاصل نہیں ہوسکی جو محمود غزنوی کے حصے میں آئی۔ ان دونوں شاعروں کی آراء تاریخی حوالوں سے اہم ہیں اور اس کے تاریخی حقائق کو جاننے کیلئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

محمود غزنوی کا کردار بھی تبدیل ہوا ہے۔ شروع میں ایک حملہ آور سے وہ برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کے بانیوں میں شمار ہونے لگے۔ اگرچہ دوسرا حصہ ضروری نہیں کہ

درست بھی ہو۔ درحقیقت اس کا مقصد بھارت میں سلطان کے کردار کو ایک لازوال عظمت دینا تھا۔ اس سے قبل تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمان حکمرانوں کے اندر شک کا پہلو موجود تھا۔ مسلمان حکمران نہ صرف غیر مسلموں اور اقلیتوں پر حکومت کر رہے تھے بلکہ بہت بڑی تعداد میں نوزائیدہ مسلمان بھی برصغیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے' جو کئی ایسی سرگرمیوں میں مصروف تھے جن کا براہ راست اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کو دوہری محنت کرنا پڑی اور خطے میں انقلاب لانے کیلئے بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑی۔ کیا ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ محمود غزنوی کا سومنات کے مندر پر حملہ اور علاقے میں لوگوں کے خلاف سخت پالیسی اپنانا اس ایجنڈے کا حصہ تھا، جس کے تحت وہ یہاں کے لوگوں کی سوچ اور اقدار کو تبدیل کرنا چاہتا تھا۔

اس کیلئے ہم جینا سے ملنے والی معلومات کا جائزہ لیتے ہیں۔ گیارہویں صدی میں مالوہ، دھانا پلا دربار سے تعلق رکھنے والے ایک جینا شاعر نے محمود غزنوی کے گجرات پر حملوں کی تفصیل بیان کی ہے جس میں سومنات کے مندر پر ہونے والا حملہ بھی شامل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود غزنوی نے جینا کے ماننے والوں کی تعلیمات کو رد نہیں کیا' جن کے مطابق سانپ کو لوگ گرو مانتے تھے اور ستاروں کے ذریعے سورج کی روشنی کو مدھم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے شیوا کے مقابلے پر جینا کی تعلیمات زیادہ مقبول ہو گئیں۔

12 ویں صدی کے شروع میں جینا سے ملنے والی ایک اور دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ چالکیہ بادشاہ راکشاساس، دیتیاس اور اسوراس کے ہاتھوں بہت زیادہ پریشان تھا کیونکہ وہ مندروں کو تباہ کر رہے تھے۔ رشی اور برہمنوں کے خلاف مہم چلانے میں مصروف تھے۔ کچھ کے خیال میں اس میں ترک بھی شامل تھے' لیکن زیادہ کردار مقامی راجاؤں کا تھا۔ بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سومنات کے گرد طواف کا سلسلہ شروع کیا تو اسے محسوس ہوا کہ مندر بہت پرانا اور شکستہ ہو چکا ہے۔ اس نے اس موقع پر کہا کہ یہ بات قابل افسوس ہے کہ مقامی راج آنے والے زائرین کو لوٹتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے سومنات کے مندر کو بہتر کرنے کیلئے کچھ نہیں کیا۔ اس بادشاہ نے کمبے میں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی' جو گجرات کے چانکیہ اور مالوہ کے پرامراس کے درمیان جنگ کے نتیجے میں شہید ہو گئی تھی، لیکن یامارہ بادشاہ نے جینا کے ساتھ چانکیہ کی جانب سے تعمیر کئے جانے والے

دوسرے پرانے مندروں کو مسمار کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب بھی مندر اقتدار کا منبع بننے لگے تو یہ حملوں کی زد میں آ گئے' قطع نظر اس بات کے کہ مذہبی معاملات میں ان کا کیا کردار رہا۔

جینا کی کچھ تعلیمات سومنات کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتی ہیں۔ ہمارا چندرا کے وزیر نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ مندر سے لکڑی کے تختوں کو پتھروں سے تبدیل کرا دے۔ اگرچہ مندر بہت شکستہ ہو چکا تھا لیکن مکمل طور پر تباہ نہیں ہوا تھا۔ جب مندر کی دوبارہ تعمیر شروع کی گئی تو کمارا پالا اور ہما چندرا نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ہما چندرا کی خواہش تھی کہ وہ بادشاہ کو جینا اچاریہ کے روحانی اختیارات سے روشناس کروائیں۔ کمارا پالا اس معجزے سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے جینا مذہب اختیار کر لیا۔ محمود غزنوی سے دو صدیوں قبل بھی کئی حملہ آوروں نے ان جگہوں پر حملہ کیا لیکن سومنات کے مندر پر حملہ اور اسے تباہ کرنا ایک ایسا امتیاز ہے جو صرف محمود غزنوی کے حصے میں آیا۔

کچھ تاجروں کی جانب سے بھی محمود غزنوی کے حملے کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔ ایک تاجر جوادی (جو بہت جلد بہت امیر ہو گیا اور اس نے تجارت میں بہت نام پیدا کیا،) نے بھی محمود غزنوی کے حملے کو بہت اہم قرار دیا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ جاننا بہت مشکل ہے کہ کیا محمود غزنوی کے حملوں کا مقصد شیوا کی اجارہ داری اور اقتدار کا خاتمہ تھا یا پھر وہ مال و دولت سے بھرپور مندر کو مسمار کرنا چاہتے تھے؟ مقامی راجاؤں کی جانب سے لوٹنے کے واقعات کا تمام تحقیقات میں تسلسل سے ذکر آیا ہے۔ کمارا پالا نے جو مندر کی تزئین و آرائش پر بہت زیادہ رقم خرچ کی تو کیا اس کا مقصد اپنی اجارہ داری کو لازوال کرنا تھا؟ کیا محمود غزنوی نے اسلئے مندر کو مسمار کیا تاکہ علاقے میں کمارا پالا کی بجائے ان کی بادشاہت ہو؟

1264ء میں ایک تاجر کی نے عربی اور سنسکرت زبان استعمال کرتے ہوئے علاقے میں مسجد کی تعمیر کے احوال ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ خوجہ ابراہیم کے صاحبزادے خوجہ نورالدین فیروز ایک مانے ہوئے تاجر تھے۔ جیسا کہ ان کے نام کے پہلے حصے خوجہ/ خواجہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے سومنات کے قریب ایک جگہ مہاجان پالی میں ایک مسجد تعمیر کروائی جو دھرم مستانہ کہلاتی تھی۔ اس کیلئے جگہ مقامی راجہ سری چاودا سے

حاصل کی گئی تھی' جو نانا سمہا کے بیٹے تھے۔ اس کے علاوہ کاٹھیاوار، مالدیوہ، چانکیہ وگلیہ اور ارجنیدوا کے بادشاہ کو بھی اس کے متعلق علم تھا۔ زمین کیلئے جگہ کی منظوری دو مقامی اداروں پنچا کلا اور جماتھا سے لی گئی تھی۔ پنچا کلا ایک مضبوط مقامی کمیٹی تھی' جس میں کئی صوفی، افسران، تاجر اور مقامی معزز لوگ شامل تھے۔ اس کا چیئرمین پروہتا سومنات کے مندر کے رکھوالوں میں سے تھا۔ کچھ شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پروہتا نے براہسپاتی سے جگہ لی۔ اس جگہ کے حاصل کرنے والے عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا آدمی تھا۔ ان میں ٹھاکر، رانکے، راجا اور تاجر شامل تھے جن کا تعلق مہاجان پالی سے تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ سومنات کی حکومت اور مندر کی حفاظت پر بھی معمور تھے۔

اس معاہدے میں شامل دوسری کمیٹیوں میں جماعت شامل تھی' جو بحری جہاز کے مالکان، ملاحوں اور مذہبی اساتذہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ان میں گھوڑوں کی حفاظت' دیکھ بھال کرنے والے لوگ اور تیل بدلی کرنے والے کارکن بھی شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثریت کا نام اپنے علاقے یا ذات کے حوالے سے پہچانا جاتا تھا۔ کہ یہ سب مسلمان ہو گئے تھے، چونکہ جماتھا نے مندر کی تعمیر کیلئے مختص رقم کا بندوبست کرنا تھا اسلئے انہوں نے سب لوگوں کی ذات پات کا تفصیلی جائزہ لیا۔ سومنات اور پٹنا کے مندروں سے متصل جائیداد سے بھی ایک معقول آمدنی متوقع ہوئی جبکہ ایک تیل کی مل اور دو دکانوں کی آمدن بھی مسجد کیلئے مختص کر دی گئی۔ دکانیں اور تیل کی مل مقامی لوگوں سے خریدی گئی تھیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسجد کیلئے جگہ کسی فاتح کی بجائے تاجر نے خریدی اور اس کیلئے بھی قانونی چارہ جوئی کے تمام تقاضے پورے کئے گئے' کیونکہ علاقے کے تمام اشرافیہ اور معزز لوگ اس میں شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد کا سومنات کے مندر کے ساتھ متصل علاقوں سے رابطہ موجود تھا۔ اس سے کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا محمود غزنوی کے حملوں کے 200 سال بعد مقامی لوگوں نے حملہ آوروں کو اس معاہدے کے بارے میں یاد نہیں کروایا؟ کیا ان کی یادداشت بہت محدود تھی یا پھر ان کیلئے وہ چیزیں غیر اہم تھیں؟

کیا مقامی لوگ عرب اور مغربی ایشیائی تاجروں کے درمیان فرق روا رکھتے تھے کیونکہ عربوں کو ترک اور جنوبی ایشیائی لوگوں کو تاجیکا کہا جاتا تھا؟ یا پھر اوّل الذکر ان کے

درمیان زیادہ مقبول تھے اور مؤخرالذکر کی اہمیت نسبتاً کم تھی؟ ایک بات تو طے ہے کہ وہ آج کل کے مسلمانوں کی طرح سب کے سب مسلمان تھے۔ ہرمز گھوڑوں کی تجارت کے حوالے سے مشہور تھا۔ اسلیئے نورالدین کے بیانات اہمیت کے حامل ہیں۔ کیا تجارتی منافع نے تمام چیزوں کو پس پشت ڈال دیا؟ کیا مندر اور اس کے منتظمین بھی گھوڑوں کی تجارت میں شامل تھے اور خاصا منافع کما رہے تھے، اگرچہ (وہاں جماعتیں مسلمان تھیں) اور محمود غزنوی کی طرح سب مسلمان تھے۔

15 ویں صدی میں اکثر گجرات کے لوگ ترک کے خلاف جنگ کے متعلق بات کرتے پائے جاتے ہیں۔ سومنات سے ملنے والی ایک اور تحریر جو اگرچہ سنسکرت میں ہے لیکن اس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ یہ وہرہ یا بوہرہ کے خاندان کی تفصیل بھی بیان کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بوہرہ بنیادی طور پر عرب تھے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سومنات شہر پر ترسکاس نے حملہ کیا تھا اور دہرہ فرید جو بوہرہ محمد کے صاحبزادے تھے، نے شہر کے دفاع کی ذمہ داری سنبھالی اور مقامی راجہ بسرا ہما دیوا کی جگہ سنبھالی۔

حالات و واقعات کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سومنات کے مندر پر حملے کی کوئی آسان وجوہات تلاش کرنا ممکن نہیں لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ آج ہم محمود غزنوی کے حملے کو ہندو مسلم دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جو آج تک چلی آ رہی ہے؟ کے ایم منشی کا کہنا ہے "محمود غزنوی کی جانب سے ان کے مندر کو تباہ کرنے کا واقعہ ایک ہزار سالوں تک ہندو نسل کی فطرت میں رچ بس گیا ہے۔ اب وہ اس قوم کے لئے نہ بھولنے والی تباہی بن چکا ہے۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ محمود غزنوی کے سومنات پر حملے کو 1843ء میں لندن میں ہاؤس آف کامن میں بھی زیر بحث لایا گیا تھا جن میں سومنات کے مندر کے دو دروازوں کا ذکر آیا ہے۔ لارڈ ایلن برگ نے دروازوں کی واپسی کے لئے مشہور قرارداد منظور کی جس میں افغانستان میں برطانوی فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ محمود غزنوی کے مزار سے دروازے اتار کر واپس بھارت لائیں۔ ان کے متعلق خیالات تھا کہ وہ سومنات کے مندر سے لوٹ کر لے جائے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان دروازوں کی واپسی کا مقصد برطانیہ کا افغانستان پر تسلط ظاہر کرنا تھا اگرچہ وہ افغانستان میں اس قدر طاقتور نہیں تھے اور انہیں انگریز افغان

جنگ میں بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ افغانی قوم ہندوستانی قوم کی طرح مذہب اور فرقوں میں منقسم نہیں تھی بلکہ انہوں نے مشترکہ طور پر مسلح جدوجہد کر کے انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

بھارتی ہندو بھی یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ انگریزوں کے خیر خواہ ہیں اور اس طرح انگریزیوں نے ان کے جذبات کی تکمیل کی۔ اس قرار داد نے ہاؤس آف کامن میں طوفان برپا کر دیا پھر یہ واقعہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان طویل عرصے تک رنجش کی وجہ بنا رہا۔ اپوزیشن نے یہ نکتہ اٹھایا کہ ایلن برگ ہندوؤں کو نواز کر ملک میں مذہبی تعصب پھیلا رہے ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے کہ وہ دروازے قومی عظمت کی نشان تھے اور یہ کسی مذہب یا نسل کی بنیاد پر نہیں کیا جا رہا۔ اس سلسلے میں پنجاب کے حکمران رنجیت سنگھ کی شاہ افغانستان شاہ شجاع سے کی گئی درخواست کا بھی حوالہ پیش کیا گیا۔ اگرچہ ان کے خط کا معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے حملے کے دوران مندر کے دروازوں کو لوٹ کر لے جانے کے بارے میں کسی مؤرخ نے کوئی بیان نہیں دیا۔ اس لئے دروازوں کی کہانی کو ایک تصوراتی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔

اس حوالے سے جن مؤرخین کا حوالہ دیا جاتا ہے ان میں گبن' دو ایرانی شاعر فردوسی' سعدی اور فرشتہ شامل ہیں۔ فرشتہ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے سترہویں صدی میں ہندوستان کی تاریخ کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ فرشتہ کا بیان اتنا ہی دلچسپ ہے جتنا ماضی میں پہلے مؤرخین کا' جس کے مطابق وہاں بہت بڑا مندر موجود تھا جب اسے توڑا گیا تو اس کے پیٹ سے ہیرے جواہرات برآمد ہوئے۔

ایلن پر تنقید کرنے والے واقعہ کے اثرات سے خوفزدہ تھے۔ ان کے خیالات میں دروازوں کے اکھاڑنے سے برصغیر میں نسلی' مذہبی تعصب کی جنگ چھڑ جائے گی اور خاص طور پر مسلمانوں کے جذبات کو بہت ٹھیس پہنچے گی۔ ایلن برگ کے حامیوں کا کہنا تھا کہ ہندو ایک طویل عرصے سے اپنے آپ کو کمتر نسل تصور کرتے ہیں اس کام کا مقصد ان کے احساس کمتری کو ختم کرنا تھا جو ایک سو سالوں سے ان کے دلوں میں موجود تھا۔ دروازے اکھاڑ کر واپس لائے گئے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دروازے ہندوؤں کی بجائے مصر کے تیار کردہ تھے۔ ویسے بھی محمود غزنوی جیسا غیور سلطان کس طرح ایک ہندو مندر سے اتارے گئے

دروازوں کو اپنے مزار پر لگوانا پسند کرتا۔ بعدازاں ان دروازوں کو آگرہ کے قلعے میں رکھ دیا گیا جہاں وہ دیمک کی خوراک بن گئے۔

کے ایم منشی نے سومنات کے مندر کی تعمیر کا مطالبہ کیا اور انہوں نے والٹر سکاٹ سے متاثر ہوکر کئی ناول لکھے لیکن زیادہ گہرا تاثر بنکن چندرا چاٹر جی کے 1927ء میں شائع ہونے والے ناول ''جئے سومنات'' سے پیدا ہوتا ہے۔ منشی کی خواہش تھی کہ ہندوؤں کی اسلام کی آمد سے قبل کا دور واپس لوٹ آئے۔ اس نے کہا کہ سومنات کے مندر کی تباہی مسلمانوں کی برصغیر میں عظمت کی اہم نشانی بنا۔ 1951ء میں منشی (جو اس وقت مرکزی حکومت کے وزیر تھے) نے سومنات کے مندر کی تعمیر پر کہا ''بھارت آج بہت خوش ہے کہ بھارتی حکومت کے تعاون سے سومنات کے مندر کی تعمیر کا آغاز ہو چکا ہے۔'' نہرو نے اس پر احتجاج کیا کہ بھارتی حکومت سومنات کے مندر کی تعمیر میں حصہ لے رہی ہے ان کا کہنا تھا کہ یہ کام نجی سطح پر ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس اقدام سے سیکولر انڈیا کے نعرے کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ بھارتی صدر راجندرا پرساد کی جانب سے اس کا سنگ بنیاد رکھنا انہیں کسی صورت قابل قبول نہیں تھا۔

سومنات کے مندر پر حملے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس حملے سے ایک طرف فتح کا عنصر اجاگر ہوا تو دوسری جانب مزاحمت کا عمل بھی پروان چڑھا۔ ہمیں مختلف مؤرخین کے واقعات کو اس خاص ماحول اور واقعہ سے منسلک کر کے دیکھنا چاہیے صرف اس صورت میں ہم ایک بہتر نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔ بہرحال حقائق بتاتے ہیں کہ کچھ ہندو گروہوں نے جان بوجھ کر یہ کوشش کی کہ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ہندو مسلم دشمنی کو پروان چڑھایا جا سکے۔ فارسی مؤرخین نے شروع میں ایک کامیاب حملے کو بعد میں سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کیا حالانکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس لئے میں یہ بات واضح طور پر کہہ سکتی ہوں کہ محمود غزنوی کا سومنات کے مندر پر حملے کسی طور بھی سیاسی مقاصد نہیں تھے اور یہ کسی بھی لحاظ سے ہندو مسلم دشمنی کی بنیادی نہیں تھا البتہ چند ہندو گروہوں نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر اپنے مقاصد اور مفادات پورے کرنے کی کوشش کی جو یقیناً درست نہیں۔

باب 5

غزنوی خاندان کے وادیٔ سندھ پر اثرات

عموماً کہا جاتا ہے کہ ارض پاکستان میں غزنوی حکومت قائم ہونے سے کوئی دور رس مادی تبدیلیاں نہیں آئیں۔ نہ کوئی نئے آلات پیدا وار آئے' نہ پرانے آلاتِ میں تبدیلی ہوئی اور نہ معاشی ڈھانچے میں کوئی ردوبدل ہوا۔ صرف یہ فرق پڑا کہ بدھ مت جو اکثریتی مذہب تھا ختم ہوگیا اور اس کی جگہ اسلام آ گیا۔ گویا سارے بدھ مسلمان ہو گئے اور کافی ہندو بھی مسلمان ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں غزنوی عہد حکومت کا وادیٔ سندھ کو صرف ایک تحفہ ملا اور وہ ہے اسلام۔

بہرحال غزنوی عہد حکومت میں کافی تبدیلیاں ہمارے معاشرے میں آئیں جن کے اثرات آگے چل کر ناقابل تنسیخ ثابت ہوئے۔ لہٰذا ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

(i) وادیٔ سندھ کی شیرازہ بندی

غزنوی دور میں ایک بار پھر ارض پاکستان کی اندرونی شیرازہ بندی ہوئی اور یہ خطہ ایک لڑی میں پرو دیا گیا۔ انتظامی' معاشی' سماجی' ثقافتی اور لسانی طور پر یہ علاقہ جنوبی ایشیاء سے ایک بار پھر منفرد ہوا اور اس کا خودمختارانہ تشخص اجاگر ہوا۔

(ii) پیداواری نظام

غزنویوں کے آنے سے پہلے معیشت کے دو بڑے شعبے تھے' زراعت اور صنعت وحرفت لیکن پیداوار اندرون ملک کھلی منڈی میں فروخت نہ ہوتی تھی۔ کسان اپنی پیداوار میں سے بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھتے تھے اور بیشتر حصہ مقامی سرکاری افسر کو (جسے چودھری کہتے تھے) دے دیتے تھے۔ کچھ حصہ مندروں اور وہاروں کو دیا جاتا تھا اور کچھ حصہ دستکاروں کو ۔ اس کے بدلے میں مندر اور وہار اپنی مذہبی عبادات اور تعلیمات کی

خدمت سرانجام دیتے تھے اور دستکار سارا سال زرعی آلات اور کسانوں کی ضرورت کی دوسری چیزیں بنا کر اُنہیں دیتے رہتے تھے۔ اشیائے پیداوار میں ایک طرح کا بارٹر سسٹم تھا۔ اسی طرح سے چودھری کے پاس جو اناج جمع ہوتا تھا۔ اس کا ایک حصہ اپنے سے اوپر کے حاکم یا سردار کو دے دیتا تھا اور یونہی زرعی دولت میں سے مقررہ حصہ مقامی راجے اور پھر بادشاہ تک پہنچ جاتا تھا۔ زرعی آمدن میں سے حکمرانوں کو یہ حصہ دینا بٹائی کہلاتا تھا۔ راجہ کے پاس اپنی فوج بھی ہوتی تھی۔ جب کبھی جنگ ہوتی تو یہ سب علاقائی سردار' ٹھاکر' جاگیردار اپنے اپنے راجہ کو فوج مہیا کرتے تھے بلکہ اپنی اپنی فوج لے کر خود جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ مختلف راجاؤں کے درمیان جنگیں انہی فصلوں سے حصہ وصول کرنے کی خاطر ہوتی رہتی تھیں اور یہ سب توسیع پسندی کی جنگیں تھیں تا کہ زیادہ زرعی زمین اور زیادہ علاقے پر قبضہ کریں پھر زیادہ سے زیادہ بٹائی وصول کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر راجہ سلطنت سازی کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

غزنوی حکمرانوں نے بٹائی کی مقدار بڑھا دی اور فوجی طاقت کے ذریعے ہر سال جبری بٹائی وصول کرتے تھے۔ سرکاری آمدن شاہی خزانے میں جانے کے علاوہ حکومت کے سول اور فوجی افسروں میں بھی تقسیم ہوتی تھی اور یوں شہری زندگی میں دولت کی ریل پیل ہو گئی جب کہ زراعت مزید پسماندہ ہوگئی اور کسان مزید بدحال ہو گئے لیکن دور دراز کی تجارت جو پہلے بہت کم تھی' اب بہت زیادہ ہوگئی۔ شہروں میں غزنوی افسروں نے اپنے رہنے کے لئے شاندار محل تعمیر کرائے۔ یوں لاہور شہر جو ایک چھوٹا سا پسماندہ قصبہ تھا اور چھوٹے سے راجے کا صدر مقام تھا اب ایک شاندار بین الاقوامی شہر بن گیا۔ لاہور کی عظمت کا آغاز غزنویوں سے ہوتا ہے اور اس کی شان انہیں کی مرہون منت ہے۔

(iii) اقطاعی نظام

غزنوی فوج کے تمام جرنیل اور بڑے افسر ترک غلام تھے۔ خود غزنوی خاندان بھی ترک تھا اور غلاموں کی اولاد سے تھا۔ غزنوی حکمرانوں نے تمام جرنیلوں کو زمینوں کے بڑے بڑے قطعات دے دیئے۔ اس پالیسی کو وہ اقطاع کہتے تھے۔ اقطاع کا لفظی مطلب ہے کاٹنا یا ٹکڑے کرنا اور اس سے مراد تھی۔ قطعہء زمین (زمین کا ٹکڑا) کسی کو دے دینا جس کو قطعہ دیا جاتا تھا اسے اقطاع دار یا مقطع کہتے تھے۔ اقطاع دار جرنیلوں کا فرض تھا کہ اپنے

اقطاع کی خود حفاظت کریں۔ اس پر فصلیں کاشت کروائیں۔ اپنی فوج رکھیں۔ اپنی اور اپنی فوج کی معاشی ضرورتیں اسی اقطاع سے پوری کریں اور ہو سکے تو اردگرد فتوحات کر کے اپنا علاقہ پھیلانے کی کوشش کریں۔ ان جرنیلوں اور ان کی فوجوں کو غزنوی خزانے سے کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔

ظاہر ہے کہ یہ جاگیردارانہ نظام تھا جو سابقہ ہندو شاہی جاگیردارانہ نظام سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ لیکن ان معنوں میں زیادہ منظم اور مربوط تھا کہ تمام اقطاع دار بادشاہ کے مقرر کردہ اور اس کے حکم کے تابع تھے اور انہیں دوسرے اقطاع داروں سے جنگ کرنے کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ اجازت۔

(iv) نئی اشرافیہ

پرانی ہندو اشرافیہ جو جاگیرداروں پر مشتمل تھی جنہیں ٹھاکر' شاہ اور شاہی' رائے کہتے تھے اس دور میں اقتدار سے خارج ہوگئی اور ان کی جگہ ترک افسروں پر مشتمل افسر شاہی کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ یہ سارے ترک غلام تھے۔ جو اب اقطاعدار بن گئے تھے اگرچہ معاشی ڈھانچہ پرانا ہی رہا لیکن انتظامی ڈھانچہ زیادہ مستعد اور مؤثر ہوگیا۔ کہیں کہیں پرانے سردار اپنے عہدوں پر قائم رہے اس اشرافیہ نے حسب نسب پر زیادہ زور دینا شروع کر دیا حالانکہ ان کا اپنا حسب نسب غلامی کی تاریکی سے نکلا تھا لیکن ان میں سے اکثر اپنا شجرۂ نسب وسط ایشیاء' ایران اور افغانستان کے قدیم بادشاہوں سے جا ملاتے تھے جس کی وجہ سے نئی اشرافیہ کے لئے مغربی اور وسطی ایشیا کا ہونا ضروری ہوگیا تھا یا اگر ضروری نہیں تھا تو کم از کم فخر کی بات تھی۔

(v) ترکوں کی سماجی علیحدگی پسندی

سلطان مسعود غزنوی نے وادیٔ سندھ میں متعین ترک افسروں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ مقامی لوگوں سے سماجی طور پر الگ تھلگ رہیں۔ مقامی افسروں سے میل جول نہ رکھیں۔ نہ ان کے ساتھ مل کر چوگان (پولو) کھیلیں اور نہ شراب کی محفلوں میں ان کو شریک کریں لیکن یہ حکم بھی تھا کہ ان کے جذبات مجروح نہ کریں اور انہیں حقیر سمجھنے کا رویہ بھی نہ اپنائیں۔

(vi) عورتوں کا پردہ

سلطان مسعود ہی کے زمانے میں ترک افسروں کی بیگمات کے لئے پردہ اور برقع لازمی قرار دیا گیا غالباً برقع اسی زمانے کی ایجاد ہے اور اس سے پہلے ساری دنیا میں برقع کہیں نہیں تھا۔ ایک خیال ہے کہ پہلے ترک افسر مقامی افسروں سے میل جول رکھتے تھے اور اس میں کچھ خرابیاں پیدا ہوئیں۔ عورتوں کے سلسلے میں کچھ مشکلات پیدا ہوئیں جن سے بچنے کے لئے برقع متعارف کرایا گیا۔ اس سے ایک فوری مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن اس کا ایک دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اونچے طبقے کی عورتیں بھی سماجی محکومی میں چلی گئیں جو کہ پہلے اس حد تک پابند نہیں تھیں۔

(vii) تجارت

غزنوی دور میں لمبے فاصلے کی تجارت کافی پھیل گئی۔ اس زمانے میں تجارت کا اتنا زور تھا کہ برہمن بھی تجارت کرنے لگے تھے مگر وہ خود سامنے آنے کی بجائے کسی تجارت پیشہ آدمی کے نام پر تجارت کرتے تھے جب کہ خود پردے میں رہتے تھے کیونکہ پرانے غلام دار قبائلی نظام میں تجارت کی صرف ویشوں کو اجازت تھی۔ باقی تین ذاتوں کے لئے اس کی ممانعت تھی۔ البیرونی نے برہموں کے در پردہ تجارت میں حصہ لینے کا ذکر کیا ہے۔

(viii) وادیٔ سندھ غیر ملکی اشیاء کی منڈی

غزنویوں سے پہلے شاہی خاندان کے زیر اثر شہروں اور عام آبادیوں سے دور اونچے پہاڑی قلعوں میں رہنے والے جاگیردار بیشتر زرعی پیداوار دیہاتوں سے وصول کرتے تھے اور اس پیداوار کے بل بوتے پر وہ اپنے شاندار محل اور قلعے تعمیر کرتے تھے لیکن صنعتی پیداوار دستکاریوں کی شکل میں اپنے اپنے علاقے کے اندر محدود تھی اور اس کی تجارت نہ ہوتی تھی۔ غزنویوں نے پرانے جاگیرداروں کو تو ختم کر دیا اور ان کی جگہ اپنے جرنیلوں کو تعینات کیا لیکن جہاں کہیں مقامی جاگیرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔ ان کی زرعی پیداوار میں اپنا سالانہ حصہ مقرر کر دیا۔ اس طرح وصول ہونے والی دولت کا بیشتر حصہ پہلے غزنی میں اور سلطان محمود کی شہادت کے بعد لاہر کی تعمیرات پر خرچ ہوا۔

غزنوی دور میں وادیٔ سندھ کے شہروں میں دولت کی ریل پیل زرعی استحصال پر

مبنی تھی۔ غزنویوں نے اس دولت کو صنعتی پیداوار بڑھانے یا زراعت کو ترقی دینے پر استعمال نہ کیا بلکہ نئی اشرافیہ کے شاہانہ طرز رہائش پر خرچ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وادیٔ سندھ کے شہر ایرانی اور شمالی ہندوستان کی اشیاء کی منڈی بن گئے۔ غزنوی دور وادیٔ سندھ میں بے تحاشا درآمدات کا زمانہ ہے۔ ان ایرانی اشیاء کے ساتھ ایرانی کلچر بھی قدرتی طور پر آتا رہا۔

انہ مزاج رکھتا تھا جو ترک اور ایرانی اثرات کا مجموعہ تھا۔

(ix) اسلامی تصوف

اسلامی تصوف پہلی بار غزنوی عہد میں وادیٔ سندھ میں آیا۔ اگرچہ غزنوی دور کے آغاز سے بھی بہت پہلے تصوف اسلامی دنیا میں مقبول ہو چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (پ:۔ 10 فروری 1702ء ...... م: 10 اگست 1762ء) نے اپنے زمانے تک تصوف کے چار زمانے بتائے ہیں جن کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے:

پہلا زمانہ:۔

رسول پاک کی ہجرت (622ء) سے لے کر حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات (910ء) تک اس دور کے تصوف کی تین نمایاں چیزیں ہیں:

1۔ نماز 2۔ روزہ 3۔ ذکر

ذکر سے مراد ذکرِ الٰہی ہے۔ اس دور کے صوفیا میں حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت اویس قرنی اور وہ مہاجرین مکہ شامل ہیں جو ہر وقت مسجد نبوی (مدینہ) میں قیام پذیر رہتے تھے۔ اس دور کی سب سے بڑی بحث علم کلام کی خلق قرآن کی بحث تھی، جس میں دو بڑے فرقے بن گئے تھے۔ معتزلہ اور اشاعرہ۔ معتزلہ قرآن کو مخلوق بتاتے تھے اور اسلامی مابعد الطبیعیات سے انکار کرتے تھے مثلاً وہ قبر کے عذاب' یاجوج ماجوج' دجال' کراماً کاتبین' حوضِ کوثرؓ پلِ صراط' معراج نبویؐ اور المیثاق کو نہیں مانتے تھے' جب کہ اشاعرہ نے ان کا زبردست دفاع کیا۔

دوسرا زمانہ:

جنید بغدادیؒ کی جوانی (880ء) سے لے کر تقریباً 1020ء تک رہا۔ اس دور کے تصوف کی نمایاں خصوصیات میں مراقبہ' مکاشفہ' روحانی تجربات' سماع اور جامہ دری ہیں۔

تیسرا زمانہ:

یہ 1020ء سے شروع ہوا۔ اس دور کے عظیم صوفیاء میں شیخ ابوالحسن خرقانی (م: 1034ء) اور شیخ ابوسعید بن ابوالخیر (م: 1049ء) ابتدائی بزرگوں میں سے ہیں سلطان محمود غزنوی شیخ ابوالحسن خرقانی کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے۔ وادئ سندھ کے اس دور کے عظیم ترین صوفی حضرت داتا گنج بخشؒ ہیں۔ اس دور کے تصوف کی نمایاں خصوصیات میں توجہ، صوفی اور خدا کے درمیان حجابات کا اٹھ جانا (کشفِ حجاب) استغراق اور بعض سلسلوں میں ترک شریعت ہے۔

چوتھا زمانہ:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (1165ء۔م 1240ء) کی پیدائش سے ذرا پہلے شروع ہوا۔ اس دور میں صوفیا نے 'وجود' کے نزول (اوپر سے نیچے آنے) کے پانچ درجے مقرر کئے۔

1- احدیت (فقط خدا ہے اور کوئی نہیں)
2- وحدانیت (خدا ایک ہے دوسری کوئی ہستی خدا نہیں)
3- عالم ارواح (وجود کی وہ دنیا جس میں صرف روحیں ہیں)
4- عالم مثال (فرشتے اور دوسرے ایسے وجود۔ دراصل عالم مثال کا تصور افلاطون کے اعیان نامشہور دہی کی دوسری شکل ہے)
5- دائرہ اجسام (مادی کائنات اور مادی اجسام)

دراصل یہ پانچوں وجود ایک ہی وجود کی یا اس کے نزول کی شکلیں ہیں ارض پاکستان میں تصوف 'دوسرے زمانے' سے آنا شروع ہوا۔ لیکن اس کا اصل آغاز تیسرے زمانے سے ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش نے تصوف کے بارہ سلسلوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے دس پسندیدہ ہیں اور دو "مردود" داتا صاحب کے دس پسندیدہ سلسلے محاسبیہ' قصاری' طیفوریہ' جنیدیہ' نوریہ' سہیلیہ' حکیمیہ' حرازی' خفیفیہ اور سیاریہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے چودہ مکاتیب تصوف بتائے ہیں۔ جو کہ تیرھویں صدی تک بن چکے تھے۔ ان میں سب سے بڑے مکتبہ کا نام نقشبندیہ تھا۔ اس کے علاوہ قادریہ' سہروردیہ' کبراویہ' قلندریہ' شطاریہ' چشتیہ'

نور بخشاویہ مشہور سلسلے تھے۔ جس طرح فلسفے میں مکتب فکر ہوتا ہے۔ اسی طرح تصوف میں ''مکتب فکر و عمل'' ہوتا ہے۔ یعنی ایک مکتب فکر اور اس میں کچھ روحانی اعمال و اشغال عبادات وغیرہ۔ تصوف کے ہر مکتب فکر و عمل کو ''سلسلہء تصوّف'' کہتے ہیں سلسلہء تصوف۔

غزنوی عہد میں نقشبندیہ سلسلہ سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ اور اس سلسلے کے اس عہد کے عظیم ترین صوفی حضرت شیخ علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش ہیں جن کی کتاب کشف المحجوب تصوف کے تعارف کے سلسلے میں آج بھی دنیا کی بہترین کتاب ہے اور جو شخص تصوف کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لئے اس کا مطالعہ نہ صرف ضروری ہے بلکہ کافی بھی ہے اس کتاب میں تصوف کی فلسفیانہ بحثیں ہیں۔ تمام صوفیاء کا فرداً فرداً تعارف ہے۔ اس کے بعد تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے گویا فرہنگ ہے اور پھر اسلام کے زیر اثر زندگی گزارنے کے آداب کا ذکر ہے یہ کتاب گویا ''آداب زندگی کی کتاب'' (Book of Etiquette) بن جاتی ہے یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور کا تصوف ایک مسلمان کی روحانی اور دنیاوی زندگی گزارنے کی تعلیمات پر مشتمل ہے اور بہت زیادہ عقلیت پسندی پر انحصار کرتا ہے۔

داتا صاحب (پ 1009ء۔ م 1072ء) غزنی کے ایک گاؤں ہجویر میں پیدا ہوئے تھے اور بچپن کا کچھ عرصہ غزنی کے ایک دوسرے گاؤں جلاب میں گزارا۔ اسی لئے شیخ علی ہجویری جلابی کہلائے۔ آپ 1039ء میں لاہور آئے' جب کہ غزنوی سلطنت کا پایہء تخت ابھی غزنی تھا اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی برسرِ اقتدار تھے۔ غزنوی دور میں آنے والے دوسرے صوفیاء میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونی (پ: 962۔ اُچ شریف میں آمد: 979ء بعمر 17 سال' م: 1007 بعمر 45 سال۔ مزار اُچ شریف نزد بہاولپور) شیخ اسماعیل بخاری لاہوری سید 1005ء میں بخارا سے لاہور آئے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں روزانہ سینکڑوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے۔ وفات 1134ء (شروع اسلام کے ادوار میں جو لوگ اپنا شجرۂ نسب رسول پاک سے ملانے کا دعویٰ کرتے تھے' وہ اپنے آپ کو شیخ لکھتے تھے۔ سیّد کا لفظ ہر انسان کے لئے جناب اور مسٹر کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ بہت بعد کی بات ہے کہ برصغیر اور ایران میں سیّد سے مراد اولاد رسول ہو گیا۔ اسی طرح امام حسن صنعانی لاہور کے والد ماوراء النہر سے آ کر (لاہور) میں آباد ہوئے اور آپ لاہور میں

1181ء میں پیدا ہوئے۔ سلطان سخی سرور (سید احمد) کرسی کوٹ نزد ملتان پیدا ہوئے۔ لاہور میں مولوی اسحٰق لاہوری سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت غوث اعظم اور شیخ شہاب الدین سہروردی (سہرورد : ایران) سے بھی فیض حاصل کیا۔ سوہدرہ نزد وزیر آباد میں مستقل قیام کیا۔ بعد میں کئی سال دھونکل نزد وزیرآباد میں بھی رہے۔ آخر میں شاہ کوٹ ضلع ڈیرہ غازی خان میں مقیم ہو گئے۔ حاکم ملتان نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی 1181ء میں دشمنوں نے قتل کر دیا ساتھ ہی ان کی بیوی بیٹے اور بھائی کو بھی قتل کر دیا۔ ان کی مقبولیت مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں میں بھی تھی اور وہ ان کے باقاعدہ مرید تھے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو سلطانی کہتے تھے۔ ان سب بزرگ صوفیا اور ان کے شاگردوں نے ہزاروں بودھوں اور ہندوؤں کو مسلمان کیا اور ایک نئی طرزِ زندگی کے سانچے میں ڈھالا۔



باب 6

غزنوی سلطنت کے زوال کے اسباب

محمود غزنوی کی وفات

محمود غزنوی پتھری کے باعث بری طرح بیمار ہو گیا اور 29اپریل 1030ء کو 63برس کی عمر میں اقتدار کے 33ویں سال انتقال کر گیا۔ اسے غزنی میں' مشعل کی روشنی میں اور لوگوں کے آنسوؤں کے دوران قصر فیروزی میں دفن کیا گیا۔ ذاتی طور پر وہ درمیانہ قدو قامت' خوب طاقتور' متناسب الاعضاء اور اپنے ساتھیوں سے زیادہ سخت جان تھا کہ اس کی فوج میں صرف چند لوگ ہی اس کے گرز کو چلا سکتے یا اس کا نیزا پھینک سکتے تھے۔ اس کے چہرے پر چیچک کے گہرے نشانات تھے۔ ایک مرتبہ اس نے آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنے ایک وزیر سے کہا کہ ''میں نے آئینے پر ازسرنو ملمع چڑھوایا ہے اور اس میں دیکھا ہے کہ میرے چہرے میں متعدد ایسے نقائص ہیں جن کو میں نے باآسانی دوسروں کے چہروں پر نظر انداز کر دیا ہے۔ ایک بادشاہ کا چہرہ تمام ناظرین کی آنکھوں کو منور کر سکتا ہے' جب کہ میرا چہرہ بدقسمتی کی تصویر پیش کرتا ہے''۔ وزیر نے مشرقی چاپلوسی کے انداز میں جواب دیا: ''دس ہزار میں کوئی ایک بھی نہیں ہے جو آپ کا چہرہ دیکھتا ہے لیکن آپ کی نیکیاں سب کے لیے یکساں طور پر ہیں''۔

محمود غزنوی کی نجی زندگی کے بارے میں بہت کم پتہ چل سکا ہے۔ اس کی چہیتی بیوی کا نام حرم نور تھا' جسے بہت حسین و جمیل ہونے کے باعث مہر شغل ''خوبصورتیوں کا سورج'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ محمود غزنوی کے دیرینہ دشمن اور کاشغر کے ازبک بادشاہ ایلک کی نہایت حسین و جمیل بیٹی تھی۔ سلطان اپنے فرصت کے اوقات میں حرم نور کے علاوہ دیگر تفریحات سے بھی دل بہلاتا تھا اور اپنے کٹر مذہبی رجحانات کے باوجود بڑی آزادی سے

انگور کی ممنوعہ شراب خوری میں بھی حصّہ لیتا تھا۔ وہ علم و ادب کا مخلص دوست تھا۔ مشہور زمانہ ابوالفضل کے مطابق کوئی ایسا بادشاہ نہیں گزرا جس کے پاس اس کے دربار میں محمود غزنوی کے مقابلہ میں زیادہ علماء و فضلاء موجود ہوں۔ اتنی بہترین فوج کا انتظام ہو یا اس جیسی شان و شوکت ہو۔

اس کا انصاف بے لچک تھا اور استعارہ کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے دور میں بھیڑیا اور میمنا ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے تھے۔ اس نے اپنے انتقال دو روز قبل حکم دیا کہ سونے، چاندی اور ہیرے، جواہرات کی شکل میں اس کی ساری دولت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس نے اپنے ہاتھ کے کارناموں اور ان کے لیے کی گئی محنت کے ثمر کو دیکھا اور محسوس کیا کہ روح کے لیے یہ سب غیر حقیقی شے اور پریشانی کا باعث ہیں۔ اس نے ان خزانوں سے جدائی کے خیال میں آنسو بہانا شروع کر دیے۔ اس نے ان کی کسی حصّے کو اپنے افسروں میں تقسیم کیے بغیر حکم دیا کہ اس خزانے کو جو تھوڑے عرصے بعد اس کے ہاتھوں سے جانے والا ہے، اسے واپس بڑے خزانے میں لے جایا جائے۔ اگلے روز اس نے اپنی فوج، ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور رتھوں کے معائنے کا حکم دیا اور ایک گشتی تخت پر ان کا معائنہ کیا۔ ایک لاکھ پیادہ، 50,000 گھڑ سوار فوج اور 1300 ہاتھی معائنے کے لیے اس کے سامنے سے اس طرح گزرے کہ قریب المرگ سورما اپنے پلنگ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ جب اس نے سب پر نگاہ ڈال لی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور انتہائی رنج اور دکھ کے ساتھ اپنے محل کی طرف لوٹ گیا۔

محمود غزنوی نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت اپنے پیچھے چھوڑی جو کسی بھی زندہ بادشاہ کی حکومت سے بہت بڑی تھی۔ اس کی سلطنت کشمیر سے اصفہان اور کیسپئن سے گنگا تک پھیلی ہوئی تھی۔ پورا عالم اسلام اسے اپنا سردار سمجھتا تھا۔ اس کا شمار ان عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے ایشیاء کے علاقوں پر حکمرانی کی ہے اور دنیا کے فاتحین میں سے صرف چند ایسے ہوں گے جو شہرت کے لحاظ سے اس کے برابر ہوں۔ غزنی سے تین میل کے فاصلے پر شاید اب بھی وہ چھتری نظر آ جائے جو سلطان محمود غزنوی کی قبر پر سایہ فگن ہے۔ مشہور زمانہ صندل کی لکڑی کے دروازے جو یہ عظیم جنگجو سومنات سے غزنی لے گیا تھا، انہیں اس کے پیروکاروں نے اس کی قبر کو آراستہ کرنے کے لیے وہاں نصب کرا دیا۔ آج

سے 46 سال پیشتر ان دروازوں کو ایک ایسی قوم کی افواج واپس ہندوستان لے کر آئیں' جس کے نام سے مشرق میں اس وقت کوئی واقف نہیں تھا۔ اب یہ لندن کے برطانوی عجائب گھر میں نادر اشیاء کے طور پر موجود ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کے علماء اور پرہیزگار لوگ سلطان محمود غزنوی کے مزار پر قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

سلطان مسعود اول

سلطان محمود غزنوی نے اپنے ترکہ میں دو بیٹے محمد اور مسعود چھوڑے۔ دونوں جڑواں بھائی تھے۔ مسعود اپنے باپ کے انتقال کے وقت اصفہان میں تھا لیکن محمود غزنوی کے سسر کازل ارسلان کے بیٹے امیر علی نے محمد کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا تاہم محمد نے ابھی صرف پانچ ماہ حکومت کی تھی کہ اس کے بھائی مسعود نے اسے اندھا کر کے معزول کر دیا اور غزنی کا سلطان ہونے کا باضابطہ اعلان کر دیا۔

سلجوق تاتاریوں کو محکوم بنانے کے بعد مسعود نے ہندوستان کے معاملات کی طرف توجہ مبذول کی اور 1033ء میں اس نے کشمیر کے پہاڑوں میں سرسوتی کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ چھاؤنی نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن مسعود نے دیوار کے ساتھ سیڑھیاں لگانے کا حکم دیا۔ ایک زبردست اور خونریز لڑائی کے بعد قلعہ پر فتح حاصل کر لی گئی۔ ماسوائے عورتوں اور بچوں کے پوری چھاؤنی کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر لے جایا گیا۔ سلجوقیوں کے ہاتھ اپنے جرنیلوں کی شکست کی خبر نے مسعود کو مغربی علاقوں میں امن و امان بحال کرنے کے لیے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے 1036ء میں دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا اور سوالک کے قدیم دارالحکومت ہنسی کے قلعہ کو فتح کیا' (جسے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔) اس کے بعد وہ دہلی کے قریب سونی پت کی طرف بڑھا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ اس کا حاکم دیپال سیری اپنے سبھی خزانوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف فرار ہو گیا۔ یہ خزانے فاتح کے ہاتھ لگے۔

لاہور واپس پہنچنے کے بعد سلطان مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو شاہی نشانات اور خطاب سے نوازا اور اسے اس صوبے کی حکومت کا انتظام سونپ دیا۔ اس نے اس کے ہمراہ اپنے پسندیدہ مشیر وزیر خواجہ ایاز کو چھوڑا اور خود غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ تاہم 1042ء میں سلجوق تاتاریوں کے زبردست دباؤ اور اپنے جرنیلوں کی غداری سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے

اپنی دولت کو غزنی کے قلعہ سے اکٹھا کیا اور اسے اونٹوں پر لاد کر اسی سال اس خیال سے لاہور کی طرف گامزن ہوا کہ باقی ماندہ زندگی ہندوستان میں گزار دے گا۔ لاہور پہنچنے پر اس نے اپنے بیٹے شہزادہ مودود کو گورنر بنا کر بلخ کے صوبے کی طرف روانہ کر دیا لیکن جہلم کے کناروں پر اس کی فوج اور غلاموں نے غداری کی اور اسے معزول کر کے اس کے نابینا بھائی محمد کو' جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا' تخت پر بٹھا دیا۔ مسعود کو سخت قید میں رکھا گیا لیکن جلد ہی اس کے چچا زاد بھائی سلیمان نے اسے قتل کرا دیا۔ مسعود نے 9 سال تک حکومت کی۔ وہ جنگجو طبیعت کا شہزادہ تھا۔ وہ بہت زیادہ حوصلے کا حامل تھا لیکن بیک وقت حلیم الطبع اور فیاض بھی تھا۔ اپنے عظیم والد کی طرح وہ بھی علم و ادب کا سرپرست تھا۔ اس نے نہایت شاندار مساجد اور محلات تعمیر کرائے اور بہت سے مدرسے و کلیات وقف کیے۔

سلطان مودود

مودود نے اپنے والد کے قتل کے بارے میں سنا تو وہ تیزی کے ساتھ غزنی کی طرف بڑھا' جہاں اس کے عوام کی تحسین و آفرین اور خوشیوں کے درمیان سلطان کے طور پر اس کی تاج پوشی کی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کی موت کا بدلہ لینے کے لیے فوری طور پر لاہور کی طرف پیش قدمی کی۔

محمد جو نابینا تھا' وہ اپنے کم سن بیٹے شہزادہ ''نامی'' کو پشاور اور ملتان کی حکومت پر تعینات کر کے مودود سے جنگ کرنے کے لیے بذات خود سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ دھتر کے مقام پر چچا اور بھتیجے کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی جس میں بالآخر مودود کو فتح حاصل ہوئی۔ ماسوائے نابینا بادشاہ محمد کے بیٹے عبدالرحیم کے' محمد' اس کے بیٹوں اور متعدد افسروں کو' (جنہوں نے مسعود کی معزولی میں حصہ لیا تھا) قیدی بنا لیا گیا اور بعد میں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ مودود کو جس جگہ فتح حاصل ہوئی' وہاں اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور حاصل شدہ فتح کی مناسبت سے وہ اسے ''فتح آباد'' کہتا تھا۔ مسعود اور اس کے اہل خانہ کی نعشیں خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے غزنی بھیج دی گئیں۔ نابینا بادشاہ کے بیٹے شہزادہ ''نامی'' نے ملتان میں بغاوت کر دی تھی۔ چنانچہ اسے مطیع کرنے کے لیے وزیر احمد کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی گئی لہٰذا شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ مودود کا اپنے سگے بھائی مادود کے سوا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ وہ اس وقت لاہور کا حاکم تھا اور وہ اس کی اطاعت

کرنے پر رضامند نہیں تھا چنانچہ مودود اسے مطیع کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ ہوا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ لڑائی کے لیے کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتا کہ عید قربان کی صبح کو مادود اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ لہٰذا مخالفت بالکل ختم ہو گئی۔

1043ء میں شمالی ہندوستان کے ہندو راجاؤں نے مودود کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر (جو کہ سلجوقیوں کے تازہ شورش کو دبانے کے لیے غزنی گیا ہوا تھا) اتحاد قائم کرنے کے لیے سر اٹھایا اور ہنسی و تھانیسر کو دوبارہ محکوم بنانے کے بعد انہوں نے نگر کوٹ کے مندر کو ازسرنو بڑی شان و شوکت سے آباد کر لیا۔ اس کامیابی نے پنجاب کے راجاؤں میں کچھ اس قدر جوش و جذبہ پیدا کیا کہ ان میں سے تین راجا' 10,000 گھڑ سوار اور بے شمار پیدل فوج کے ہمراہ لاہور کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔

شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لہٰذا شکستہ دیواریں جلد ہی ملبے کا ڈھیر بن گئیں لیکن قلعہ کے اندر اسلامی فوج نے گلی گلی شہر کا دفاع کیا اور اپنے مذہب' بچوں اور املاک کے دفاع کے لیے اتنی بے جگری سے لڑے کہ سات ماہ کے عرصہ تک شہر کو تسخیر کرنے کے لیے ہندوؤں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ تاہم کسی قسم کی مدد نہ پہنچنے کے باعث چھاؤنی میں قحط پڑ گیا۔ بہادر محافظوں نے آخرکار یہ فیصلہ کر لیا کہ یا فتح حاصل کریں گے یا ایک شہید کی طرح لڑتے ہوئے مارے جائیں گے چنانچہ انہوں نے محاصرے میں سے نکل کر ہندوؤں پر حملہ کر دیا اور اس بے جگری سے لڑے کہ ہندو بھاگ نکلے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور بہت بڑی تعداد میں قتل کیا گیا۔ اس فتح سے ہندوؤں کا الحاق ختم ہو گیا اور مودود کی باقی زندگی میں سلطنت غزنوی کے ان علاقوں میں بالکل امن رہا جو ہندوستان میں تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی مودود کو انتڑیوں کی سخت تکلیف شروع ہو گئی۔ لہٰذا وہ 9 سال سے زائد عرصہ حکومت کرنے کے بعد 24 دسمبر 1049ء کو غزنی میں انتقال کر گیا۔

سلطان ابوالحسین

مودود کے انتقال کے بعد علی بن روبیعہ کے دھڑے نے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود دوئم کو تخت پر بٹھا دیا لیکن مؤخر الذکر کی فوجوں کو الپتگین حاجب نے شکست دے دی کیونکہ وہ بادشاہ مسعود اول کے بیٹے ابوالحسین کی حمایت میں تھا۔ لہٰذا شیر خوار بادشاہ کو محض چھ روز کی حکومت کے بعد معزول کرنے کے بعد ابوالحسین نے غزنی کی بادشاہت کا اعلان

کر دیا۔

باغی افسر علی بن روبیعہ نے غزنی میں شاہی خزانے کو لوٹنے اور مقامی فوجی دستوں کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد پشاور کا رخ کیا اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ مل کر ایک بہت بڑی فوج تیار کی اس کی مدد سے اس نے ملتان اور سندھ کو فتح کیا اور افغانوں کو مغلوب کیا جو اس ابتری اور انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ ابوالحسین' جو پنجاب میں امن و امان بحال کرنے میں ناکام رہا' تو دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی کے ایک بیٹے عبدالرشید نے 1051ء کے اختتام پر اسے شکست دے کر معزول کر دیا۔

سلطان عبدالرشید

نئے سلطان کا پہلا کام علی بن روبیعہ کو مغلوب کرنا تھا' جس نے شمال مغرب میں غزنوی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اطاعت پر مجبور کرنا بھی تھا۔ لہٰذا پنجاب کی سرحد پر امن و امان بحال کر دیا گیا۔ شتاجن حاجب کو امیر کا منصب عطا کیا گیا اور دریائے سندھ کے مشرقی صوبوں کا حاکم مقرر کیے جانے کے بعد ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور روانہ کیا گیا۔ نگرکوٹ پر ہندوؤں نے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا لیکن اسلامی فوجوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور دیواروں پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھ گئے چنانچہ محاصرے کے چھٹے روز شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔ عبدالرشید نے ایک سال تک حکومت کی۔ اس کے اختتام پر ایک غاصب اور مودود کے ایک درباری امیر طغرل (جس نے مرحوم سلطان مسعود کی ایک بیٹی سے زبردستی شادی کر لی تھی) نے اسے قتل کر دیا۔ لہٰذا اپنی باری پر اس غاصب کو اپنی تخت نشینی کے چالیسویں روز شتاجن حاجب نے اس وقت قتل کر دیا جب وہ دربار عام منعقد کرنے کے لیے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔

سلطان فرخ زاد

شتاجن حاجب' جسے نئے بادشاہ کا وزیر اعظم بنایا گیا تھا' اس نے سلطان مسعود اول کے بیٹے فرخ زاد کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس سلطان کے دورِ حکومت میں جو چھ سال تک رہا' غزنوی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں میں امن و امان قائم رہا۔ اس کے

اختتام پر اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین مقرر ہوا۔

سلطان ابراہیم

سلطان ابراہیم نے سلجوقیوں کے معاملات کو نپٹانے کے بعد ملک کے ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے' جہاں اس سے پیشتر اسلامی فوجیں نہیں پہنچی تھیں' پنجاب کی طرف پیش قدمی کی۔ چنانچہ 1079ء میں اس نے اجودھن پر قبضہ کر لیا۔ ضلع منٹگمری میں' جسے اب پاک پتن شریف کہا جاتا ہے' اس کے بعد اس نے ایک ڈھلوانی پہاڑی کی چوڑی پر واقع روپال (13) کا محاصرہ کر لیا۔ قرب وجوار کے جنگلات کو صاف کرنا بہت مشکل اور وقت طلب کام تھا۔ لہٰذا اس کام پر ہزاروں سپاہیوں کو لگایا گیا۔ اس کے بعد سرنگ لگانے والے اپنی سرنگوں کو فصیل کے نیچے لے گئے' جو وقت کے ساتھ گرتی چلی گئیں اور ہندو چھاؤنی پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان نے ڈیرہ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس شہر میں دراصل ایسے لوگ آباد تھے' جن کا اصل وطن خراسان تھا اور بادشاہ افراسیاب نے بغاوت کی وجہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ سلطان نے جب دیکھا کہ ڈیرا کو مضبوط فصیل کے ذریعے قلعہ بند کیا گیا ہے تو اس نے اس جگہ کا محاصرہ کرنے کے لیے مسلسل محنت سے راستے کو صاف کرا دیا' لیکن موسم برسات نے اسے اپنے جنگی منصوبوں پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ لہٰذا وہ تین ماہ تک کوئی کارروائی نہ کر سکا۔ تاہم جیسی یہی بارشوں میں کمی واقع ہوئی تو اس نے شہریوں سے کہا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کی تجویز کو رد کر دیا گیا۔ چنانچہ شہر کا ازسرنو محاصرہ کیا گیا جو چند ہفتوں تک قائم رہا۔ دونوں جانب سے زبردست نقصان ہوا۔

آخرکار ایک زبردست حملے کے بعد شہر فتح ہو گیا اور فاتحین کے ہاتھ بہت زیادہ مال غنیمت آیا۔ وہ ایک لاکھ افراد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔

سلطان ابراہیم 42 سال حکومت کرنے کے بعد 1098ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی بے شمار بیویوں سے اس کے 32 بیٹے اور 40 بیٹیاں تھیں۔ اس نے اپنی بیٹیوں کی شادی انتہائی عالم فاضل اور مذہبی افراد سے کی۔ اس نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر رکھا تھا لیکن اس چیز نے اسے سلطنت کے امور کی طرف توجہ دینے سے نہیں روکا۔ وہ رمضان المبارک کے علاوہ رجب اور شعبان کے روزے بھی رکھتا اور ان تینوں مہینوں کو بہت زیادہ

مقدس سمجھتا تھا۔

اس نے ایک خوش نما خط تحریر کیا اور اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ قرآن پاک کی دو نقول تحفہ کے طور پر بغداد کے خلیفہ کو بھجوائیں' جس نے اس قیمتی تحفہ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں بھجوا دیا۔ وہ مذہب کے بارے میں امام یوسف شجاع مندی کی تقاریر میں باقاعدگی سے شریک ہوتا تھا اور اس قدر فرمانبردار تھا کہ امام بغیر کسی روک ٹوک کے اس کی حکومت پر سرزنش کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مسعود سوئم اس کا جانشین بنا۔

سلطان مسعود سوئم

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا مسعود سوئم غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ وہ عسکری جذبے کا حامل تھا عدل و انصاف اور خیر خواہی سے لگاؤ کی وجہ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس نے سلطنت کے تمام موجودہ قوانین پر نظر ثانی کی اور گزشتہ قوانین کے مقابلے میں بہتر اصولوں پر مبنی ایک نیا مجموعہ قوانین مرتب کرایا۔ اس نے حاجب توغستاجین' اپنی فوج کے سپہ سالار کو حاکم لاہور مقرر کرنے کے بعد ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ لاہور کی طرف روانہ کیا۔ اس جرنیل نے گنگا کو پار کیا اور وہ اسلامی فوجوں کو وہاں تک لے گیا' جہاں ماسوائے محمود غزنوی کے ماضی میں کوئی نہ لے کر گیا تھا۔ اس نے بہت سے متمول شہروں اور مندروں کو لوٹا اور بے شمار ساز و سامان سے لدا پھندا لاہور کی طرف واپس آ گیا۔

اس شہنشاہ کے دور حکومت میں لاہور غزنوی خاندان کا اصل دارالخلافہ بن گیا۔ کیونکہ ایران اور توران میں اپنے بیشتر علاقہ سے محروم ہونے کے بعد شاہی خاندان ہندوستان میں رہائش پذیر ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہاں اب ان کے مفتوح علاقوں کو مربوط کر دیا گیا تھا۔ غیر ملکی جنگوں اور مقامی خلفشاروں کے بغیر سولہ سال حکومت کرنے کے بعد مسعود 1118ء میں انتقال کر گیا۔

سلطان ارسلان

مرحوم بادشاہ کے ایک صاحبزادے ارسلان نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے بھائیوں کو قید میں ڈال دیا لیکن سلجوقیوں کے سلطان سنجر نے ان شہزادوں کی حمایت کی' جنہیں ایک طرف کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس نے ارسلان پر جنگ مسلط کر دی اور اسے شکست کے بعد فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ارسلان پنجاب کی طرف آ گیا اور اپنی اسلامی فوجوں کو جمع

کرنے کے بعد اپنے دارالخلافہ کو بازیاب کرانے کے لیے واپس ہوا لیکن سلطان سنجر نے دوبارہ بذات خود جنگ کی قیادت سنبھالی اور دوسری مرتبہ اسے غزنی سے نکال دیا۔ شکست خوردہ بادشاہ نے افغانوں کے ساتھ پناہ حاصل کر لی لیکن اس کا بری طرح تعاقب کیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی ستائیس برس کی عمر میں اور حکومت کے تیسرے سال اسے اپنے بھائی بہرام کے ہاتھوں پر تشدد موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔

سلطان بہرام

سلجوقیوں کے سلطان سنجر نے ارسلان کے بھائی بہرام کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ حاکم لاہور محمد بھیلم نے اس کے بھائی ارسلان کی طرف داری کرتے ہوئے نئے بادشاہ کو اپنی اطاعت پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ بہرام اسے مطیع کرنے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا۔ لہٰذا شاہی فوج اور حاکم لاہور بھیلم کے درمیان جنگ شروع ہوگئی' جس میں مؤخر الذکر کو شکست ہوئی اور 5 دسمبر 1118ء کو اسے قید کر لیا گیا تاہم بھیلم نے اطاعت کر لی اور سلطان اسے دوبارہ حکومت پر بحال کرنے کے بعد واپس غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

بعد ازیں بہرام کی روانگی کے بعد بھیلم نے پنجاب میں اپنی حالت کو مستحکم کیا اور سوالک کے مقام پر ایک نیا قلعہ تعمیر کرنے کے بعد اپنی تمام دولت' اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو وہاں منتقل کر دیا اور اپنی فوج میں بے شمار عربوں' ایرانیوں' افغانوں اور خلجیوں کو بھرتی کرنے کے بعد اس نے خود مختار سرداروں کے علاقوں میں بہت زیادہ غارت گری و لوٹ مار شروع کر دی اور آخر کار خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ چیز بہرام کو دوبارہ پنجاب کی سرزمین پر لے آئی۔ محمد بھیلم کے دس بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو اس نے ایک صوبے کی کمان سونپ رکھی تھی۔ لہٰذا یہ متحدہ فوج ملتان میں حملہ آور فوج کے سامنے آئی۔

ایک زبردست جنگ شروع ہوگئی جس میں بھیلم اور اس کے بیٹوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگتے ہوئے ایک گہری دلدل میں دھنس گئے اور اس میں غرق ہو گئے۔ اس فتح کے بعد سلطان نے ابراہیم علوی کے بیٹے سالار حسن کو لاہور کی حکومت پر متمکن کیا اور خود واپس غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد بہرام نے اپنے برادر نسبتی اور غور کے افغان محمد قطب الدین کو غور کے شہزادے اور متوفی کے بھائی سیف الدین سُوری کے ساتھ ایک سازش میں

ملوث ہونے کے باعث سرعام پھانسی دے دی۔ سیف الدین' دغا باز غزنوی دوستوں سے گھرا ہوا تھا۔ انہوں نے صریحاً اسے گھیر لیا اور قیدی بنا کر بہرام کے پاس لے گئے۔ اس نے نہایت بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پھانسی دے دی۔ سیف الدین کا بھائی علاؤالدین جو اب غور کا سلطان تھا' اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوا اور ایک خون ریز جنگ کے بعد اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور قتل و غارت گری کا زبردست بازار گرم کر دیا۔ اس نے زیادہ تر عالیشان عمارات کو زمین بوس کر دیا اور سات روز تک شہر میں آتش زنی اور تلوار زنی ہوتی رہی۔ علاؤالدین جسے ''جہاں سوز'' کا خطاب دیا گیا ہے' اس کے انتقام کی آگ ابھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی فتح کا جشن منانے کے لیے متعدد علماء اور صاحب علم حضرات کو پابہ زنجیر کر کے کوہ فیروز لے گیا اور وہاں اس نے حکم دیا کہ ان کے گلے کاٹ دیے جائیں۔ بہرام اس شکست کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا اور شکستہ دل کے ساتھ 1152ء میں 35 برس کی حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔

سلطان خسرو

بہرام کا بیٹا خسرو غزنی سے روانہ ہونے کے بعد حفاظت سے لاہور پہنچ گیا جہاں اسے بطور بادشاہ کے سلامی دی گئی۔ جب علاؤالدین غور کی طرف لوٹ گیا تو خسرو اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو بازیاب کرانے کے خیال سے لاہور سے روانہ ہوا لیکن سلطان سنجر' جس سے اسے مدد کی توقع تھی' اس کے انتقال کے بارے میں اور غزنی پر غیزا کے ترکمانوں کے حملے کے بارے میں سننے کے بعد اسے مجبوراً واپس لاہور کی طرف آنا پڑا' جہاں اس نے سات سال تک پرسکون حکومت کی۔ وہ 1160ء میں لاہور میں انتقال کر گیا اس کا وارث اور جانشین اس کے بیٹے خسرو ملک کو بنایا گیا۔

سلطان خسرو ملک

مرحوم سلطان کا بیٹا خسرو ملک تخت نشین ہوا تو اس نے بڑے انصاف اور فیاضی سے حکومت کی۔ وہ ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے خاندان غزنویہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کے دور حکومت میں غزنی کی سلطنت پر غور کے سلطان غیاث الدین کے بھائی سلطان شہاب الدین محمد غوری نے حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ وہ علاء الدین کے بیٹے اور اپنے چچا

زاد بھائی سیف الدین کا جانشین بنا۔ اس فتح سے پوری طرح مطمئن نہ ہونے کے باعث اس نے پنجاب کی طرف ایک بہت بڑی فوج روانہ کی اور پشاور' افغانستان' ملتان اور سندھ کے صوبوں کو تخت و تاراج کر ڈالا۔ 1180ء میں اس نے لاہور کا محاصرہ کر لیا لیکن خسرو ملک نے اس کو کچھ اس قدر مضبوطی سے قلعہ بند کیا ہوا تھا کہ اسے فتح کرنے کے لیے حملہ آور کی تمام تدابیر ناکام ہو گئیں۔ آخرکار دونوں دھڑوں میں امن پر صلح ہو گئی۔ محمد غوری' بادشاہ کے چار سالہ بیٹے ملک شاہ کو یرغمال کے طور پر اپنے ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

چار سال بعد محمد غوری نے دوبارہ پنجاب پر حملہ کیا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا لیکن شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس نے کھلے علاقے میں قتل و غارت اور لوٹ مار شروع کر دی اور متعدد شہریوں کو قتل کر دیا چنانچہ راوی اور چناب کے درمیانی علاقے کا انتظام کرنے کے لیے سیالکوٹ میں ایک مستحکم چھاؤنی قائم کرنے کے بعد وہ غزنی کی طرف پلٹ گیا۔ محمد غوری کی روانگی کے بعد خسرو ملک نے گکھڑوں کے ساتھ مل کر سیالکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا لیکن وہاں کے گورنر حسین فرمالی نے زبردست مزاحمت کی اور محاصرین کی طرف سے حملہ کے ذریعے قلعہ پر قبضہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ لہٰذا محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد یا 1186ء میں محمد غوری نے تیسری مرتبہ لاہور کی طرف پیش قدمی کی۔ تاہم اس نے تمام شکوک و شبہات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بات کو باور کرایا کہ اس مہم کا مقصد سلجوقیوں کو مغلوب کرنا ہے اور اپنے اس مقصد کو ثابت کرنے کے لیے اس نے سلطان کے بیٹے ملک شاہ کو بھی ایک نہایت عالیشان حفاظتی دستے کے ہمراہ لاہور روانہ کر دیا۔ خسرو ملک' جو اپنے کافی عرصہ سے بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملنے کو بے چین تھا اس نے کسی قسم کی دغا بازی اور فریب کا خیال نہ کیا اور اسے ملنے کے لیے ایک مختصر سی خادموں کی جماعت کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوا لیکن محمد غوری خسرو کی مختصر سی فوج کو پیچھے چھوڑتا ہوا 20 ہزار گھڑ سواروں کی فوج کے ہمراہ نہایت تیزی سے پہاڑوں کی طرف پلٹا۔ اس نے خسرو کے لیے لاہور واپس جانے کا راستہ مسدود کر دیا اور رات کو اس کے پڑاؤ کا گھیراؤ کر لیا۔ خسرو جب صبح کے وقت بیدار ہوا تو اس نے اپنے آپ کو دشمنوں کا قیدی پایا چنانچہ محمد غوری نے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لے کر لاہور کے فوری قبضہ کا مطالبہ

کیا۔ شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور محمد غوری نے اپنے بھائی سلطان غور کے نام پر بلامزاحمت پنجاب کے دارالخلافہ کا قبضہ حاصل کر لیا۔ لہٰذا خاندان غزنوی کی حکومت جو 962ء سے 1186ء یا 224 سال تک قائم رہی' اس کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنت غزنی سے غور منتقل ہو گئی۔ خسرو ملک کو بمع اہل خانہ غور روانہ کر دیا گیا اور وہاں اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ اس نے 28 سال حکومت کی۔

سومنات کا مندر' سنگ خارا سے تعمیر کردہ ایک عالیشان عمارت تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے راجاؤں نے اس مندر کے عملہ کی دیکھ بھال کے لیے جو زیادہ تر برہمن راہبوں پر مشتمل تھا' 2 ہزار دیہاتوں کے مالیہ کو وقف کر دیا تھا۔ خاص تہواروں پر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے زائرین اس مندر پر بے شمار نذرانے پیش کرتے تھے۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقعوں پر 2 لاکھ سے 3 لاکھ تک پجاری اس مندر میں حاضر ہوتے تھے۔ بت کو گنگا کے پانی سے دن میں دو مرتبہ دھویا جاتا تھا' اس مقصد کے لیے اس پانی کو 1200 میل کے فاصلے سے لایا جاتا تھا اور صرف اسی پانی کو غسل کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ پجاریوں کو عبادت کیلئے بلانے کے لیے سونے کی زنجیر سے لٹکی ہوئی 200 من وزنی ایک عظیم الشان گھنٹی لگائی گئی تھی۔ اس کا عملہ 2 ہزار برہمنوں' 500 رقاص دو شیزاؤں' 300 موسیقاروں اور 300 حجاموں پر مشتمل تھا' جو مندر میں داخل ہونے سے پیشتر پجاریوں کے سر مونڈتے تھے۔ سر منڈھے راہب عظیم بت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اور جواہرات سے آراستہ رقاص لڑکیاں اس کے سامنے رقص کرتی تھیں۔ ایک زمانے میں راجاؤں میں یہ رسم موجود تھی کہ وہ دیوتاؤں کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹیوں کو اس عظیم مذہبی ادارے کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ (اس مندر میں سومنات کے بڑے بت کے علاوہ سونے اور چاندی میں ڈھالے ہوئے سینکڑوں بت تھے' ان سب کو محمود غزنوی نے پگھلوا دیا اور سونے و چاندی کو غزنی اپنے ساتھ لے گیا۔)

ان میں سے ایک محل کو 1036ء میں غزنی میں تعمیر کیا گیا۔ یہ ایک نہایت عالیشان ایوان پر مشتمل تھا اس کے درمیان میں سونے کا ایک تخت رکھا گیا تھا جو نہایت قیمتی اور بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا۔ اس کے اوپر سونے کی زنجیر سے منسلک ایک تاج تھا' جو نہایت قیمتی اور بے شمار جواہرات کی وجہ سے جگمگ کرتا تھا اور جب بادشاہ دربار عام منعقد

کرنے کے لیے اس پر رونق افروز ہوتا تو وہ اس کے لیے ایک چھتری کی شکل میں اس کے اوپر سایہ فگن ہوتا تھا۔ فرشتہ۔

مسٹر راجرز نے مسعود اول کے سکول کو امرتسر شہر میں دریافت کیا۔ وہ گھوڑے اور بیل کی شبیہوں والے تھے اور گھوڑے پر مسعود کا نام درج تھا۔ چند سکوں کے اوپر مسعود محمد اور مسعود محمود غزنوی بھی درج تھا۔

مسٹر راجرز کا خیال ہے کہ مسعود نے ان سکوں کو لاہور میں مضروب کرایا تھا۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نمبر 1 'جنوری 1881ء۔

مسٹر تھامس' دہلی کے پٹھان بادشاہوں کے او تحریر کردہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 58' میں مسعود کے ایک سکے پر خط کوفی کی چوبی تحریر کے بارے میں بتاتے ہیں جو گھوڑے کے سر پر باآسانی پڑھی جاتی ہے۔

مودود نے لاہور میں مندرجہ ذیل عبارت کے حامل سکے مضروب کرائے:

عدل

شہاب الدولتہ

وقطب الملتہ

ابوالفتح مودود

مسٹر راجرز کے مطابق' جو پنجاب کے سکوں کے بارے میں سب سے اہم سند کی حیثیت رکھتے ہیں' یہ سکے چار مختلف شکلوں کے تھے' ان سب کے ایک طرف بیل کی تصویر تھی اور اس پر ہندی کی عبارت ''سری سمتا دیوا'' درج تھی۔ ان سکوں میں لاہور کا تلفظ لوھور تھا۔ البیرونی لاہور کو لوھاور کہتا ہے۔ مسٹر ایم۔ ایل' ڈیمز' سی۔ ایس نے مودود کا ایک طلائی سکہ' ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک بینکار سے حاصل کیا تھا' جس نے اسے پوونداکے ایک بیوپاری سے خریدا تھا۔ اس کے اوپر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:*

(پیشانی)

لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ وحدہ لاشریک لہ

(پشت)

القائم بامراللہ شہاب الدولہ مودود سنہ

ترجمہ: ''شہاب الدولہ مودود' اللہ کے حکم سے حکومت کرتا ہے' سال .....''

وراثت کا مسئلہ

سلطان محمود غزنوی کے دونوں بڑے بیٹے ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے یہ کہنا دشوار تھا کہ تخت کا کون زیادہ حق دار ہے۔ محمد ایک دیندار اور پرہیزگار شہزادہ تھا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور عربی میں شعر بھی کہتا تھا لیکن حکومت کرنے کی صلاحیت اس میں مطلق نہ تھی۔ لوگوں کی نظریں لامحالہ اس کے بھائی مسعود پر پڑتی تھیں۔ جوتن و توش اور زورِ قوت میں اپنے زمانے کا رستم تھا۔ مشہور بات ہے کہ مسعود کا گرز ایک ہاتھ سے کوئی شخص نہ اٹھا سکتا اور اس کا تیر فولاد کی ڈھال کے پار ہو جاتا۔ اسی باعث سلطان محمود غزنوی بھی مسعود پر رشک کرتا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ذاتی شجاعت کے کارناموں میں، جو خود اس کے بس کے نہ تھے، کوئی شخص اس سے سبقت لے جائے۔ یہی وجہ تھی جو سلطان محمود غزنوی نے محمد کے حق میں وصیت کی اور اس کی منظوری خلیفہ سے بذریعہ فرمان حاصل کر لی۔ وزیر حسنک بھی محمد کا طرفدار ہو گیا اور اس طور پر محمد کی حمایت میں امرا کا کمزور سا اتحاد قائم ہو گیا۔ مسعود بھلا یہ کیسے گوارا کرتا۔ وہ کڑک کر بولا "شمشیر کا فیصلہ کاغذی تحریر کے بہ نسبت صحیح ہوتا ہے۔" ع "ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند" سلطان محمود غزنوی نے جب یہ سنا تو افسوس کیا کہ واقعی مسعود سچ کہتا ہے۔

سلطان محمد غزنوی

محمودی عہد کے آخری ایام میں مشرقی ایران کی فتوحات زیادہ تر مسعود ہی کی فوجی قابلیت کا نتیجہ تھیں چنانچہ 1029ء میں جب سلطان رے سے بلخ کو واپس ہوا تو اس کو خراسان اور نو مفتوحہ علاقوں کا حکم بنا کر چھوڑ آیا۔ جب سلطان محمود غزنوی فوت ہوا تو محمد کے طرف داروں نے باآسانی دارالخلافہ پر قبضہ کر لیا اور اس کو گورگان سے بلا کر تخت پر متمکن کر دیا۔ سلطان نے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے بہت سا روپیہ لٹایا، مگر باوجود اس فیاضی کے وہ رعایا اور سپاہ کے دل میں گھر نہ کر سکا۔ ہر شخص کو توقع تھی کہ مسعود اس ناپائیدار حکومت کو اکھاڑ پھینکے گا۔ سلطان محمد کو تخت نشین ہوئے ابھی دو مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ ابوالنجم احمد ایاز، علی دایہ اور ان کے ساتھ غلاموں کی ایک جماعت دن دہاڑے شاہی اصطبل سے گھوڑے لے کر بست کی طرف چل دی۔ ہندو دستے کے سردار

سریندرائے نے تعاقب کر کے ان کو جا لیا۔ لڑائی میں بہت سے غلام مارے گئے۔ سریند رائے خود بھی لقمہ اجل ہوا لیکن ایاز اور علی دایہ بچ کر مسعود کے پاس نیشاپور جا پہنچے۔

مسعود کی روانگی

باہمی سمجھوتے کے خیال سے مسعود نے یہ صورت پیش کی تھی کہ وہ خراسان اور عراق پر اکتفا کرے گا بشرطیکہ خطبے میں اس کا نام محمد سے پہلے لیا جائے لیکن محمد نے اس کا نہایت سختی سے جواب دیا۔ مسعود نے غزنین پر چڑھائی کر دی۔ محمد پایہء تخت سے نکل کر تکین آباد پہنچا۔ وہاں اس نے رمضان کا مہینہ گزارا مگر قسمت میں برگشتگی تھی۔ عین موقع پر اس کے سب سے بڑے حامیوں' یوسف بن سبکتگین' امیر علی خویشاوند اور وزیر حسنک نے دغا دی۔ عیدالفطر کے دو روز بعد 3 اکتوبر کی شب میں وہ اس کو خیمے سے باہر گھسیٹ لائے اور قندھار کے قلعے میں قید کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسعود ان کے فعل سے خوش ہوگا چنانچہ اس کے استقبال کو ہرات کی طرف بڑھے لیکن باوجود اس اظہارِ وفاداری کے مسعود نے ان کی پچھلی سازشوں کے قصور کو معاف نہ کیا بلکہ محمد کو اندھا کر دیا گیا۔ امیر علی خویشاوند کو سزائے موت دی گئی اور یوسف بن سبکتگین کو حبس دوام کیا گیا اور اسی حالت میں اس نے دنیا کو خدا حافظ کہا۔

حسنک کا انجام

حسنک کو ابھی بلخ کے قصاص کی رسوائی کے لیے چھوڑ رکھا۔ وہ وزارت سے معزول کر دیا گیا اور مسعود نے اپنے باپ کے مشہور وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی کو قید سے رہا کر کے اپنی سابق خدمت پر بحال کر دیا' جہاں وہ اٹھارہ سال تک نہایت حسن لیاقت اور رعب و داب سے کام کر چکا تھا لیکن راندۂ درگاہ حسنک کا انجام دیکھ کر سب کو اس سے ہمدردی ہوگئی۔ بیہقی نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے آگے تصویر کھنچ جاتی ہے۔ کئی ہفتے تک تو حسنک قید میں رہا۔ اس کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتیں اور ذلیل ترین کام اس سے کرائے جاتے۔ آخرکار ایک روز دیوان میں اس کی طلبی ہوئی۔ خواجہ بزرگوار اس کے ساتھ غیر معمولی مروت سے پیش آیا۔ اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی ساری جائیداد سلطان کی نذر کر دے اور اس بات کی ایک تحریر لکھ دے۔ حسنک نے حکم کی تعمیل کی

اور دستاویز پر دستخط کر دیے۔ جب یہ ہو چکا تو دونوں وزیر نہایت ہی خلوص دل سے اپنے اپنے قصور معاف کرا کر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

ان کی آخری ملاقات کا منظر اس قدر دردناک اور عبرت انگیز تھا کہ دیکھنے والوں پر رقت طاری ہو گئی۔ حسنک نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں میں نے احکام شاہی کے بموجب آپ کی توہین کی تھی۔ بے شک وہ میرا قصور تھا لیکن سوائے اطاعت کے چارہ نہ تھا۔ مجھ کو وزارت کا عہدہ دیا گیا جس کا میں کسی طرح اہل نہ تھا۔ میں نے آپ کے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی اور ہمیشہ آپ کے حامیوں کا طرفدار رہا۔ اب میں زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میرے اہل و عیال کا کچھ خیال رکھا جائے اور آپ مجھ کو معاف فرما دیں"۔ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگا۔ خواجہ کا بھی دل بھر آیا۔ فرمایا "میں نے تم کو معاف کیا۔ مگر تم کو ابھی سے اس قدر آزردہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ عفو سلطان کا امکان باقی ہے۔ تم خدا پر بھروسا رکھو۔ اگر خدانخواستہ فیصلہ تمہارے خلاف ہوا تو میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تمہارے اہل و عیال کو اپنی حفاظت و حمایت میں لے لوں گا مگر سلطان نے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ کیا فیصلہ کرے گا اور پھر وزیر جنگ بوسہل زوزنی کی ریشہ دوانیوں نے تو حسنک کے قصاص میں کوئی شب بھی باقی نہ رکھا۔

سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں حسنک پر قرمطی ہونے کا الزام عائد ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مکہ مکرمہ سے واپسی کے وقت جب وہ ملک شام سے گزر رہا تھا' اس نے خلیفہ مصر کا خلعت قبول کر لیا تھا۔ اس پر خلیفہ بغداد نے صدائے احتجاج بلند کی مگر سلطان محمود غزنوی' جو حسنک کے معقولی عقائد سے واقف تھا' کب اس بات کی اجازت دے سکتا تھا کہ اس کو ایک بے بنیاد اتہام کی وجہ سے سزا دلوائے چنانچہ اس نے اپنے معتمد کو حکم دیا "اس بڈھے خلیفہ کو لکھ دو کہ محض عباسیوں کی خاطر میں نے دنیا سے لڑائی مول لی ہے۔ قرامطہ کو میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہوں اور جس کسی کے متعلق ثابت ہو جاتا ہے کہ قرمطی ہے' فوراً اس کو دار پر چڑھا دیتا ہوں۔

اگر یہ تحقیق ہو گیا کہ حسنک قرمطی ہے تو امیر المومنین کو اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا لیکن میں نے اس کی پرورش کی ہے اور وہ مثل میرے بھائی اور بیٹوں کے ہے۔ وہ قرمطی ہے تو میں بھی قرمطی ہوں"۔ سلطان محمود غزنوی کے جواب سے خلیفہ کی تشفی ہو گئی اور

بات آئی گئی ہو گئی مگر یہ دور مسعودی تھا۔ پرانے الزام کو از سر نو تازہ کیا گیا۔ دو آدمیوں کو خلیفہ کی طرف سے پیغامبر بنا کر بھیجا گیا اور انہوں نے حسنک کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ مسعود نے مصنوعی انکار کے بعد خلیفہ کے ارشاد کی تعمیل کی لیکن ہر شخص حقیقت حال سے آگاہ تھا۔ حسنک کا اپنی حکومت کے بارے میں یہ کہنا (''مجھے پھانسی دے دینا اگر مسعود تخت نشین ہو جائے'') اب رنگ لایا اور حسنک کو ''اس مرکب پر چڑھنا پڑا جس پر وہ آج تک سوار نہ ہوا تھا''۔

پھانسی کے نیچے پہنچ کر حسنک نے اپنا لبادہ اور قمیض دونوں اتار پھینکے۔ اس کا جسم چاندی کی طرح سفید اور چہرہ گزشتہ زندگی کا مرقع تھا۔ اس نظارے سے سب لوگ آبدیدہ تھے۔ جو سوالات حسنک سے کیے گئے' اس نے نہ تو ان کا جواب دیا اور نہ دشمنوں کے طعن و تشنیع کا بُرا مانا۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ اس کو ایک خود پہنا دیا گیا' تاکہ پتھروں سے اس کا چہرہ مسخ نہ ہو جائے اور پہچانا جا سکے۔ اس لیے کہ اس کا سر خلیفہ کے پاس بھیجنا تھا لیکن سوائے چند آفاقیوں کے جنہیں حکومت نے روپے کا لالچ دے کر بلا لیا تھا' کسی نے پتھر کو ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ اگر شاہی رسالے نے روک تھام نہ کی ہوتی تو ایک زبردست ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ جس وقت پھانسی دینے والا حسنک کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال رہا تھا' اس کے ہم وطن نیشاپوری زار و قطار رو رہے تھے۔ سات برس تک اسی حالت میں حسنک کا جسم پھانسی پر لٹکتا رہا۔ اس کی لاش سوکھ گئی تھی۔ پاؤں کی ہڈیاں لٹک کر گر پڑی تھیں اور جسم کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا تھا جو حسب معمول دفن کیا جا سکتا۔ ''نہ کسی کو اس کے سر کا پتا تھا نہ دھڑ کا''۔ حسنک کے اس دردناک انجام کی خبر اس کی ماں کو ہوئی تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ البتہ سینے سے ایک آہ نکلی۔ اس نے کہا ''میرے بیٹے کی بھی کیا عجیب قسمت تھی۔ سلطان محمود غزنوی جیسے بادشاہ نے تو اس کو یہ دنیا دی اور مسعود نے دوسری''۔

مسعود اور اس کی مشکلات

مسعود اب اپنے باپ کی طرح پورے طور سے تخت پر مسلط ہو گیا۔ ذاتی اعتبار سے مسعود بہت رعب داب والا اور ارادے کا پکا تھا۔ اس کے گرد لائق اور وفادار عہدہ داروں کی جماعت تھی جنہوں نے برسوں اس کے باپ کی خدمت کی تھی اس کو کسی حریف

سلطنت کا بھی خوف نہ تھا جہاں تک حدود سلطنت' فوج اور زرنقد کا تعلق تھا حکومت بہت پائیدار اور مستحکم نظر آتی تھی لیکن ایک باریک بین نظر سے وہ خامیاں جو ہر جگہ موجود تھیں' پوشیدہ نہ تھیں۔ سلطان محمود غزنوی کی جانشینی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے ایک زبردست شخصیت کی ضرورت تھی۔ مسعود حد درجے کا جلد باز اور بے پرواہ تھا۔ اس کی خود اعتمادی خطرے کے وقت بدحواسی اور خوف سے بدل جاتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسعود میں وہ ضبط اور استقلال موجود نہ تھا جو عقل کی پختگی سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ جسمانی قوت سے۔ اس نے جب بے سوچے سمجھے چڑھائی کی اور بے محل حملہ کیا۔ مسعود میں اس بات کی مطلق صلاحیت نہ تھی کہ اپنے سے زبردست اور حقیر دشمنوں میں تمیز کر سکتا جس زور و قوت کے ساتھ وہ میدان جنگ میں نبرد آزما ہوتا اور جس بے ڈھنگے پن سے وہ اپنے دھاووں کو ترتیب دے کر غنیم کی حملہ آوری سے پہلے خود ہی اپنی فوج کا انتظام درہم برہم کر دیتا اگر ان دونوں پہلوؤں کا موازنہ کیا جائے تو واضح افسوس ناک فرق نظر آتا ہے۔ مسعود میں نہ مدبر ہونے کی قابلیت تھی' نہ سپہ سالار بننے کی لیاقت۔ بہتر ہوتا کہ وہ کسی اپنے سے زیادہ عقلمند شخص کی رائے پر اعتماد کرتا۔ خواجہ حسن میمندی' جو کہ پہلے سے بھی زیادہ تزک و احتشام سے اپنے عہدۂ جلیلہ پر دوبارہ فائز کیا گیا تھا' جہاں تک انتظامی امور کا تعلق تھا' نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کا کام انجام دے رہا تھا لیکن فوجی معاملات میں وہ کبھی دخیل نہ ہوتا۔ 1037ء میں اس کی موت نے دونوں صیغوں کا مسعود ہی کو مالک و مختار بنا دیا کہ جس طرح چاہے معاملات کو بنائے یا بگاڑے چنانچہ باپ کے انتقال کے دس ہی برس بعد وہ اپنی فوج اور اس کے ساتھ سلطنت کو بھی کھو بیٹھا اور ایک غیر ملک میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوا۔

مسعود کو جن دو خطرات کا سامنا کرنا تھا' ان میں سے ایک تو مشرق میں دایان ہند تھے اور دوسرے مغرب میں [illegible]قی۔ اول الذکر کو سلطان محمود غزنوی نے زیر تو نہیں البتہ خوف زدہ کر دیا تھا۔ یقین تھا کہ وہ سلطان کی وفات کی خبر سن کر ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سُست مگر ہندوستانی طبیعت کے ذرا واقع ہوئے تھے اور اغلب تھا کہ وہ ہر حال میں اپنے بچاؤ کی طرف زیادہ مائل رہتے۔ ایسی صورت میں مسعود کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ کار نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پہلے سلجوقیوں کی خبر لے ڈالے قبل اس کے کہ ان کی قوت

بہت بڑھ جائے اور دایان ہند کو کسی مناسب موقع کے لیے چھوڑ رکھے لیکن سلجوقیوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو چھوڑ کر مسعود نے اپنے باپ کی نقل میں پہلے ہندوستان پر اپنی قوت آزمانی چاہی مگر اس میں وہ سلطان محمود غزنوی کی سی دانائی اور سپہ سالاری کا مادہ کہاں تھا کہ بیک وقت مشرق و مغرب دونوں کو ہلا دیتا۔

پنجاب کا نظم ونسق

صوبہ پنجاب کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ سلطان محمود غزنوی نے یہاں کے انتظامی اور فوجی اختیارات کو دو علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کرنا مناسب سمجھا تھا۔ انتظامی امور ابوالحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد تھے' جو معمولی استعداد کا آدمی تھا (سلطان نے ایک دفعہ ترنگ میں آ کر اس کو خواجہ بزرگوار کا حریف بھی بنانا چاہا تھا) اور فوج کی کمان علی اری یارک کے ہاتھ میں تھی جو بڑا جری اور بہادر ترکی سپہ سالار تھا۔ قاضی اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا وہ براہ راست غزنین کے ماتحت تھے۔ ان پر نگرانی کے لیے بوالقاسم بوالحکم کو خبر رسانوں کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ ہر ضروری واقعے کی اطلاع غزنین کو کرے۔ یہ فرائض کی تقسیم اس وجہ سے عمل میں لائی گئی تھی کہ ساری قوت ایک ذات واحد کے قبضے میں نہ آ جائے اور سپہ سالار مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی لوٹ اور غارت گری کو مستقبل میں ذریعہء آمدنی بنایا جائے۔ سپہ سالار کا کام دایان ہند پر دھاوا بولنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ انتظام چل نہ سکا اور علی اری یارک اپنے حریفوں پر حاوی ہو گیا۔ قاضی نے بدلے کی نیت سے فوجی ملازمت اختیار کی مگر ادنیٰ درجے کی خدمت پر مامور کیا گی۔ اس موقع پر خواجہ کی شیریں گفتاری کام آئی۔ اس نے دم دلاسا دے کر اری یارک کو بلخ بلوا لیا اور وہاں اس کو قید کر دیا۔

احمد نیالتگین

خواجہ نے نئے سپہ سالار اعظم' احمد نیالتگین کو جو ہدایات دیں' ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ قاضی اور احمد نیالتگین کا باہمی اتحاد غزنین میں شک کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ خواجہ نے فرمایا ''یہ مغرور شیرازی چاہتا ہے کہ سپہ سالار اس سے دبے رہیں۔ تم سیاسی اور مالی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کرنا البتہ اپنے فرائض بخیر وخوبی انجام دینا۔ ایسا نہ ہو

کہ وہ موقع پا کر تم کو اکھاڑ پھینکے۔ نیالتگین کے لاہور پہنچتے ہی انتظامی اور فوجی حکام کی جنگ پھر شروع ہو گئی۔ قاضی نے شکایت کی کہ نیالتگین کی شان و شوکت اور ترکمان غلاموں کی کثرت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہے مگر خواجہ کی طرف داری نے نیالتگین کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے فوراً ہی ہندوستان پر لشکر کشی کی۔

بنارس

احمد نیالتگین نے اپنے آقا سلطان محمود غزنوی سے تیز رفتاری کا سبق لیا تھا۔ وہ نہایت سرعت کے ساتھ جمنا اور گنگا کو عبور کرتا ہوا یکا یک بنارس میں جا نمودار ہوا۔ البتہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لیے نیالتگین صرف صبح سے دوپہر تک شہر پر قابض رہا۔ اس اثناء میں اگر کچھ ہو سکا تو یہ کہ شہر کے تمام پارچہ فروشوں' جوہریوں اور عطر فروشوں کی دکانیں لوٹ لی گئیں۔ قاضی تو موقع کی تاک میں ہی تھا۔ اس نے فوراً ان سب باتوں کی اطلاع خفیہ طور پر غزنیں میں کر دی کہ نیالتگین کے ہاتھ دولت بے حساب لگی ہے جس کو اس نے سلطان کی خدمت میں پیش نہیں کیا۔ اس کے ارادوں کا حال تو کسی کو نہیں معلوم' البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے تئیں سلطان محمود غزنوی کا بیٹا بتاتا ہے۔ خوف کہیے یا طمع کسی نہ کسی وجہ سے آخر کار نیالتگین بغاوت پر آمادہ ہو ہی گیا اور لاہور واپس آنے پر اس نے قاضی کو مندکگر کے قلعے میں محصور کر لیا۔ خود مختاری کی جانب یہ پہلا قدم تھا۔ سلطان نے اپنے اعلیٰ حکام سے مشورہ کیا مگر کوئی بھی اس بات پر رضامند نہ تھا کہ اس گرمی اور برسات کے موسم میں ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔ (جولائی سنہ 1033ء) یہ حال دیکھ کر وزیر جنگ نے کہا ''یاد رکھو احمد نیالتگین کی فوج کا ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا ساتھ چھوڑ دے اور جو سپہ سالار اس کے مقابل بھیجا جائے گا اس کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ نیالتگین کی ایک زبردست فوج لاہور میں مقابلہ کرنے کو تیار ہے''۔ اپنے ساتھیوں کی بزدلی سے ایک ہندو سپہ سالار تلک کو غیرت آئی اور اس نے آگے بڑھ کر اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

تلک ہندو

تلک کا طرز عمل اس امر کو بخوبی واضح کر دیتا ہے کہ کس طرح ہندو مسلمان ایک مشترک بادشاہ کی خدمت میں مشرق کی غیر معمولی نمک حلالی کے خیال سے متاثر ہو کر اپنے

مذہبی اختلافات لئے جا رہے تھے۔ تلک باوجود یہ کہ ایک حجام کا لڑکا تھا' مگر شکل وصورت کے اعتبار سے نہایت وجیہہ وشکیل تھا۔ اس نے ''عیاری' زمانہ سازی اور جادوگری'' کا درس کشمیر میں لیا تھا۔ علاوہ ازیں فارسی اور ہندی کا اعلیٰ انشاء پرداز تھا۔ شروع میں تو وہ قاضی شیرازی کے ہاں ملازم رہا لیکن آئندہ ترقی کی امید پر خواجہ کے پاس چلا آیا اور اس کا مشیر اور مترجم بن گیا بلکہ بعض اہم امور بھی اس کے تفویض تھے۔ خواجہ کی معزولی سے تلک کے اقتدار میں کوئی فرق نہ آیا۔ سلطان محمود غزنوی چست و چالاک نوجوانوں کو پسند کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ تلک روز بہ روز ترقی کرتا رہا۔ سلطان کی وفات پر وراثت کے معاملے میں ہندی افواج کے سپہ سالار سرسیند رائے نے غلط راہ اختیار کی اور جب وہ ایاز کے خلاف لڑائی میں مارا گیا تو مسعود نے اس کی جگہ تلک کو دے دی۔ اس طور تلک کا شمار عمائدین سلطنت میں ہونے لگا۔ ''ہندو سرداروں کے دستور کے مطابق اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم زرنگار اس کو عطا ہوا تھا'' وہ ایک فوجی دستے کا سردار تھا۔ خیمہ اور چتر جو ایک غزنوی سپہ سالار کی خصوصیّت ہے' اس کو بھی ملا تھا اس کو بارگاہ سلطانی کے مقربان خاص میں ہونے کا فخر حاصل تھا۔ بیہقی لکھتا ہے ''عقلمند لوگ ان واقعات سے متعجب نہیں ہوتے' کیونکہ کوئی شخص پیدائشی عالی مرتبت نہیں ہوتا بلکہ لوگ ذاتی جدوجہد سے ہو جایا کرتے ہیں'' تلک بہت خوبیوں کا آدمی تھا۔

تلک نے اپنی مہم کا ایک نقشہ تیار کیا اور سلطان سے اس کی منظوری پاتے ہی فوراً باغیوں کے خلاف روانہ ہو گیا۔ احمد نیالتگین میں اتنی قوت نہ تھی کہ لاہور کو روکے رتا۔ وہ ریگستان کی طرف فرار ہو گیا۔ تلک نے اپنے لشکر کے ساتھ جس میں بیشتر ہندو تھے' تعاقب کیا اور نیالتگین کا سر کاٹ کر لانے والے کے لیے پانچ لاکھ درہم انعام مقرر کیا۔ جہاں کہیں اس کے مسلمان ساتھی تلک کے ہاتھ پڑتے' ان کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالتا اور جب تک کسی سے نیالتگین کی حمایت سے دست بردار ہونے کا اقرار نہ کرا لیتا' ہرگز نہ بخشتا۔ اس حکمت عملی کا جو نتیجہ وہ چاہتا تھا' وہی ہوا یعنی تمام ترکمان سپاہی تلک سے آ ملے۔ ''احمد کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا' اس کے ساتھی الگ ہو گئے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ہر جاٹ بلکہ ہر کافر اس کے تعاقب میں شریک ہو گیا''۔ آخر کار جس وقت احمد دریائے سندھ کو عبور کر رہا تھا' چند جاٹوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مسعود نے پنجاب میں دو عملی کا طریقہ

ترک کر دیا اور وہاں کی حکومت اپنے بیٹے شہزادہ مجدود کے سپرد کر کے اس کو انتظامی اور فوجی دونوں صیغوں پر پورا اختیار دے دیا۔ لیکن اس صوبے کی حالت دگرگوں ہی رہی اور ابتری میں کوئی فرق نہ آیا۔ شہروں پر غزنوی افواج کا قبضہ تھا اور دیہات پر ہندوؤں اور آزادی کا دور دورہ۔ جب حکومت ہی رعایا کے جذبات سے سروکار نہ رکھتی ہو تو اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔

ھانسی کی مہم

1037ء کے موسم سرما میں مسعود نے ھانسی پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت پنجاب کی حالت قابل اطمینان نہ تھی لیکن ہندوؤں کے مزید ایک قلعے کی تسخیر اس کو ہموار نہیں کر سکتی تھی۔ سلجوقی روز بروز زور پکڑ رہے تھے۔ خواجہ کی رائے تھی کہ پہلے مغربی دشمنوں کو زیر کر لیا جائے' پھر ہندوستان کا رخ کیا جائے۔ اس نے عرض کیا "اگر حضور خراسان تشریف نہ لے گئے اور ترکوں نے کوئی صوبہ فتح کر لیا یا کم سے کم کسی گاؤں پر ہی قبضہ کر کے حسب عادت قتل وخون ریزی کا بازار گرم کر دیا تو ھانسی پر دس جہاد بھی اس کی تلافی نہ کر سکیں گے"۔ مسعود نے ایک نہ سنی چونکہ قسم کھا چکا تھا اس لیے اس کا پورا کرنا لازم تھا۔ غرض روانہ ہو کر کابل کی راہ جہلم کے کنارے پہنچا۔ یہاں وہ بیمار ہو گیا اور دو ہفتے تک صاحب فراش رہا۔ اس زمانے میں اس نے کچھ دنوں کے لیے شراب پینی چھوڑ دی تھی۔ یہاں سے تین ہفتے کی مسافت کے بعد ھانسی پہنچا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعے پر آج تک کوئی حملہ آور نہ ہوا تھا۔ محصورین نے جانوں پر کھیل کر مقابلہ کیا اور کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دس دن کے محاصرے کے بعد آخر کار قلعہ فتح ہوا اور خزانہ فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ مسعود یہاں سے سن پت کی طرف بڑھا۔ وہاں کا راجہ دیپال ہری فرار ہو گیا اور سن پت پنجاب میں شامل کر لیا گیا۔ ایک اور ہندو سردار مسمی رام نے فاتح کی خدمت میں اپنا خزانہ نذر کیا اور سن رسیدہ ونحیف وناتواں ہونے کے باعث خود حاضر نہ ہونے کی معافی چاہی۔

غزنی واپس جانے پر سلطان کو معلوم ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں سلجوقیوں نے تالیقان اور فاریاب کو تاراج کر ڈالا۔ مسعود اپنی ہندوستانی مہم پر بڑا نادم ہوا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ موسم میں سلجوقیوں کے خلاف ضرور فوج کشی کرے گا۔ اس طور پر غزنوی سلجوقی جنگ کا آغاز ہو گیا۔

سلجوقیوں کا عروج

گبن لکھتا ہے ''شہری اور درباری ترک کاروبار کی وجہ سے مہذب اور عیش و عشرت میں پڑ کر شائستہ بن گئے تھے لیکن ترکمان دھقانی (کہ غالباً سب سے زیادہ عقلمند وہی تھے) اسی پرانی لکیر کے فقیر تھے اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد کے خیموں میں زندگی بسر کرنی نہ چھوڑی تھی''۔ ترکمان نسل کے ان دو فرقوں میں کوئی رابطہ و اتحاد نہ تھا۔ ترکستان کے بڑے بڑے شہروں کے تہذیب یافتہ اور زراعت پیشہ ترک' جو زراعت کی قدر و قیمت سے واقف ہو چکے تھے' اپنے ان جاہل اور کندۂ ناتراش بھائیوں کی حرکات سے نالاں تھے۔ ماوراء النہر کے سردار دو صدیوں تک ان وحشی تاتاریوں کے خلاف بطور سرحدی محافظوں کے کام انجام دیتے رہے غزنوی سلطنت کے عروج سے ان کی قوت کمزور ہوگئی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ اس کام کو پہلے کی طرح انجام دیتے رہتے۔ ماوراء النہر میں جو سلجوقی قبائل باقی رہ گئے تھے' ان کو آس پاس کے سردار حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ ان کے علاقوں پر وہ اکثر چھاپے مارا کرتے تھے۔ علی تگین کے بیٹے' جنہوں نے دوبارہ سمرقند اور بخارا پر اپنی قوت مستحکم کر لی تھی' سلجوقیوں کے کسی طرح بھی روادار نہ تھے چنانچہ شاہ والی جند نے کہ جس کے ساتھ سلجوقیوں کی عداوت ازلی تھی' یکا یک ان پر حملہ کیا اور آٹھ ہزار سلجوقیوں کو نہایت سفاکی سے تہ تیغ کر ڈالا۔

بقیہ سات سو جو اس کی دستبرد سے محفوظ رہے' آمو دریا کے پار چلے گئے لیکن 1031ء میں یوسف قدر خان والی کاشغر نے وفات پائی۔ اس کے دوسرے سال ہی مسعود نے التون تاش کو جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے خراسان کا حاکم تھا' علی تگین کے بیٹوں کے خلاف لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور ایک زبردست ہنگامے کے بعد ان کو زیر کر کے بخارا ان سے چھین لیا مگر التون تاش بھی اس معرکے میں لقمہ اجل ہوا۔ مسعود نے اس کے بیٹے ہارون کو باپ کی جگہ مقرر کر دیا۔ اس عنایت کے صلے میں اس کورنمک نے بغاوت کی اور خمیازہ بھگتا۔ مشرقی ترکستان کے تاتاری قبیلوں کی زد سے ایران کے زرخیز میدانوں کو بچانے کے لیے اگر کوئی طاقت ماوراء النہر میں تھی تو وہ ان واقعات کی وجہ سے مفقود ہوگئی۔ غزنوی سلطنت کے عمال تاتاریوں کے بے خانماں جرگوں کو قابو میں

لانے یا ان کا استحصال کرنے کے لیے نااہل ثابت ہوئے چونکہ ان کی کوئی مستقل جائے قیام نہ تھی اس وجہ سے ان کو لڑائی میں پیس ڈالنا ممکن نہ تھا۔ وہ منتشر ہو کر فوراً ایک دوسرے سے جا ملتے تھے۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ جلا ڈالنا اور تباہ و برباد کر دینا تاتاریوں کا عام دستور تھا تو آپ اس امر کا بہ آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تاتاری گڈریوں کے اچانک حملے کا کسی ایسی آبادی پر جو آئین و قوانین کی پابند اور امن و امان سے زندگی بسر کر رہی ہو' کیا اثر پڑتا ہوگا۔

ان نوواردوں کی سرداری سلجوقیوں کے ہاتھ آئی۔ 1036ء میں ان کے قبیلے کے تین سرداروں نے' جو روز روز کی لڑائیوں اور قلت زمین کی وجہ سے تنگ آ گئے تھے' سلطان سے درخواست کی کہ نیسا اور فراواہ کے اضلاع' یعنی خراسان کے شمال مغربی پہاڑوں' آمو دریا اور ریگستان قراقرم کا درمیانی علاقہ' ان کو بطور چراگاہ کے مل جائے۔ اس درخواست پر اسماعیل بن سجلوق کے بھائی بیغو اور بیغو کے دو بھتیجوں' طغرل اور داؤد کے دستخط تھے۔ آخر میں انہوں نے مایوسانہ انداز میں یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ "دنیا میں ان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے اور اگر کوئی تھی تو وہ بھی اب باقی نہیں رہی" مسعود نے اپنے باپ کی غلطی پر تاسف کیا کہ کیوں ان شتربانوں کو سلطنت میں داخل کر لیا۔ ایک طرف اس نے سلجوقیوں کو اپنی چپڑی باتوں سے پھسلایا اور دوسری جانب ان کے خلاف پندرہ ہزار کی فوج روانہ کر دی۔ نتیجہ ایک زبردست لڑائی میں رونما ہوا۔ غزنوی سپہ سالار بلکتغدی نے سجلوقیوں کو شکست دی مگر جونہی اس کے سپاہی مال غنیمت کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہوئے' سلجوقیوں نے پہاڑوں اور گھاٹیوں سے نکل کر تقریباً تمام غزنوی سپاہ کو نیست و نابود کر ڈالا۔ پھر انہیں چارو ناچار سلجوقیوں کی شرائط کو منظور کرنا پڑا۔

کامیابی نے سلجوقیوں کے حوصلے بڑھا دیے اور وہ مرو اور سرخس جیسے شہروں کی ہی نہیں بلکہ سارے خراسان کی آرزو کرنے لگے۔ مسعود نے اس وقت (حالانکہ اس کو اپنی تمام فوج خراسان کی پہاڑوں کے جنوب میں جمع کرنی چاہیے تھی) یہ بہتر سمجھا کہ ھانسی کے ہندوؤں پر فتح مندی حاصل کر لے۔ 1026-1037ء میں اس کی غیر موجودگی سے سلجوقیوں کو موقع ملا۔ انہوں نے تالیقان اور فاریاب کو برباد کر کے اپنے قدم جما لیے اور اب وہ شمالی ایران میں مسعود کی قوت کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

1037ء کے موسم بہار میں مسعود نے سباشی، حاکم خراسان کو سلجوقیوں کے خلاف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس نے اپنی کمزوری کا عذر کیا لیکن سلطان نہ مانا اور اس کو تعمیل حکم پر مجبور کیا۔ سباشی کو طوعاً وکرھاً جانا پڑا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ شکست بدیہی ہے۔ ایک ہی وار میں سرخس، مرو اور سارا کا سارا ایران سلجوقیوں کے ہاتھ آ گیا اور طغرل نیشاپور میں بادشاہ بنا دیا گیا۔ اب مسعود اور سلجوقیوں کے درمیان کسی مستقل صلح کا ہونا ناممکن تھا۔ مسعود کو گو دوسرے سال سرخس کے مقام پر کامیابی ہوئی مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ مکمل تسخیر کچھ دنوں کے لیے رک گئی۔

مرو پر فوج کشی

1040ء میں موسم گرما کے آغاز پر سلجوقی سرخس کے گرد جمع ہوئے۔ مسعود بالکل تیار نہ تھا مگر فوج کشی کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس وقت ملک میں سخت قحط پڑ رہا تھا۔ مسعود کے ہوا خواہوں نے سلطان سے مہم کو فی الوقت ملتوی کر دینے کی درخواست کی مگر وہ کب سنتا تھا۔ مسعود کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سلجوقی پیچھے ہٹے جاتے تھے یہاں تک کہ مرو پہنچ کر انہوں نے اپنی ساری سپاہ کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔ بمقابل اس کے مسعود کی فوج میں ہر منزل پر بدنظمی پھیلتی جاتی تھی۔ قحط کے باعث دور دراز مقامات سے اناج آتا تھا۔ گرمی کی وہ شدت تھی کہ الامان، الحفیظ۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ غنیم نے تمام کنوؤں کو پٹوا دیا۔ غرضیکہ چاروں طرف سے غزنوی مصیبت میں گھر گئے۔ اکثر لوگوں کے پاس گھوڑے نہ تھے۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں کوئی ترتیب اور انتظام باقی نہ رہا۔ سلجوقیوں نے مرو کے قریب دنداںیقان کے مقام پر مسعود کو گھیر لیا اور اس کو چار و ناچار لڑنا پڑا۔ اس کے سپہ سالاروں نے کمینے پن کا ثبوت دیا اور سلطان کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سپاہیوں نے اپنے افسروں کی پیروی کی۔ ”ترک ایک طرف گئے تو ہندوستانی دوسری طرف۔ نہ عرب نظر آتے تھے نہ کرد دکھائی دیتے تھے“۔ سوائے شاہی باڈی گارڈ (جمعیت رکاب) کے کہ وہ تو سلطان کے گرد موجود تھے اور کسی کا پتا نہ تھا۔ مسعود نے اس موقع میں قوت و شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ دوست تو دوست دشمن تک لوہا مان گئے جو اس کی برچھی کی زد میں آیا اس کا صفایا کیا۔ مگر میدان ہاتھ سے جا چکا تھا۔

مؤرخ لکھتا ہے ”میں نے شہزادہ مودود کو دیکھا کہ ادھر سے ادھر گھوڑا دوڑاتا ہوا

لوگوں کو جمع کرتا پھرتا ہے لیکن کوئی اس کی نہیں سنتا۔ سارے لشکر میں نفسا نفسی پڑی تھی"۔ مسعود بہت تیزی میں وقت وہاں سے پیچھا چھڑا کر دارالسلطنت پہنچا۔ لیکن سلطنت غزنیں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

سلطان مسعود کا انجام

جو عہدہ دار سلطان کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے' قید کر دیے گئے اور شہزادہ مودود کو فوج دے کر بلخ روانہ کیا گیا مگر خود مسعود پر سلجوقیوں کی ہیبت اور خوف اس قدر طاری تھا کہ اس نے غزنیں میں ٹھہرنا مناسب نہ جانا۔ اس نے شہزادہ مجدود کو تو ملتان بھیجا اور شہزادہ ایزدیار کو افغانیوں کی روک تھام کے لیے مقرر کیا اور خود مع حرم شاہی کے اپنے سب سے بیش قیمت جواہرات اور خزانوں کو تین سو اونٹوں پر لاد کر لاہور کا رخ کیا۔ ہر شخص نے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور سمجھایا کہ سلطان کی پایہ تخت سے غیر موجودگی سارے انتظام کو درہم برہم کر دے گی۔ علاوہ ازیں سفر بھی پر خطر تھا۔ وزیر خواجہ محمد بن عبدالصمد نے کہا "مجھ کو ہندوؤں کی وفاداری پر کوئی بھروسا نہیں ہے اور حضور کو اپنے دیگر ملازمین پر ہی کون سا اعتماد ہو سکتا ہے کہ جنگل میں خزانے ان پر چھوڑ دیں" لیکن تقدیر کا پھیر کچھ ایسا آ پڑا تھا کہ جو سوجھتی تھی' اوندھی۔ مسعود کو نہ ماننا تھا نہ مانا بلکہ اس نے الٹا اپنے عہدہ داروں کو غداری سے مطعون کیا۔ درۂ مرگلہ پہنچ کر وزیر کی پیشین گوئی صحیح ہوئی اور جس بات کا اس نے اندیشہ ظاہر کیا تھا' وہ ہو کر رہی۔ چند ترک اور ہندو غلاموں نے سلطان کا خزانہ لوٹ لیا اور اس خیال سے کہ گرفتاری کی شکل میں موت کے سوا اور کوئی صورت مفر نہ ہو گی' انہوں نے سلطان مسعود کو بھی (جس سرائے میں وہ قیام فرما تھا') وہیں محصور کر لیا اور اس کے نابینا بھائی محمد کو تخت پر بٹھا دیا۔ مسعود کو گرفتار کر کے قلعہ میں محبوس کیا گیا جہاں چند دنوں بعد اس کو قتل کر دیا گیا۔

مودود

نو برس کی لگاتار قید نے سلطان محمد کے جوش و جذبے کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ خود تو سادہ زندگی بسر کرتا تھا مگر حکومت کا کام اس نے اپنے بیٹے احمد پر چھوڑ رکھا تھا۔ جس کی بابت مشہور تھا کہ دیوانہ ہے۔ مودود نے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے میں ذرا تاخیر نہ کی۔ وہ بلخ سے فی الفور غزنی آیا اور وہاں سے دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ محمد

کا لشکر مقابلے کے لیے بڑھا لیکن نگراھر کے مقام پر شکست کھائی۔ محمد اور اس کے بیٹے گرفتار ہو کر اسی جگہ قتل کر دیے گئے (1041ء) مودود نے فتح کے مقام پر ایک سرائے اور ایک گاؤں فتح آباد کے نام سے آباد کیا اور اپنے باپ کے تابوت کے ہمراہ غزنیں واپس ہوا مگر نگراھر کی فتح کے باوجود پنجاب اس کے ہاتھ نہ آیا۔ مجدود جس کو باپ نے ملتان کا حاکم مقرر کیا تھا' نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ وقت اور موقع دیکھ کر اس نے فوراً لاہور پر قبضہ کر لیا اور ایاز کی مدد سے اپنی قوت دریائے سندھ سے لے کر ھانسی اور تھانیسر تک مستحکم کر لی۔ مودود نے 1042ء میں لاہور پر فوج کشی کی لیکن مجدود نے عین موقع پر پہنچ کر شہر کو بچا لیا۔ ایک زبردست لڑائی ہونے والی تھی۔ مودودی امراء بھی پس و پیش ہی میں تھے کہ اتفاق سے بقر عید کے دوسرے روز مجدود اپنے خیمے میں مردہ پایا گیا۔ چند دنوں بعد ایاز بھی مر گیا۔ اس طور پر بغیر کسی جنگ و جدال کے پنجاب پر مودود کا قبضہ ہو گیا مگر مشکلیں یہیں ختم نہیں ہوئیں۔

ہندوؤں کا دوبارہ عروج

یہ صاف ظاہر تھا کہ ہندو' دشمن کی بے ترتیبی سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ بالخصوص جبکہ سلجوقیوں نے ان کی راہ میں اتنی آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ غزنی کی شہنشاہی جو سمٹتے ہوئے ایک چھوٹی سی حکومت کے برابر رہ گئی تھی' خانہ جنگیوں میں گرفتار تھی اور ہر وقت یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ مغربی ہمسایوں نے اس کو ابھی ہضم کیا یا نہیں۔ مودود اس قابل نہ تھا کہ اپنے ہندوستانی مقبوضات کی حفاظت کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب اور دوسرے علاقوں کے راجا ''جو مسلمانوں کے خوف سے لومڑیوں کی طرح جنگلوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے' اب خود اعتمادی کے ساتھ ہمت کر کے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔'' تقدیر نے یاوری کی اور ایک ہندو جمعیت نے راجہ دہلی کی سرکردگی میں ھانسی اور تھانیسر پر تسلط کر لیا۔ غزنوی عمال شہروں اور دیہات سے نکال دیئے گئے۔ ہندوؤں پر جو مایوسی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں' چھٹ گئیں اور راجاؤں نے تہیہ کر لیا' کہ غنیم کو ایسی شکست فاش دیں جس کی خوشی ہندوستان کے گاؤں گاؤں منائی جائے۔ ہندوؤں کے جتنے مقدس مقامات سلطان محمود غزنوی نے فتح کیے تھے' ان میں سے صرف ایک نگرکوٹ ہی ایسا تھا جس پر اس نے اپنا قبضہ برقرار رکھا تھا۔

ایک عام ہندو کی نظر میں نگرکوٹ پر مسلمانوں کا قبضہ یہ معنی رکھتا تھا کہ اس کا

مذہب بزورِ شمشیر فتح کیا گیا ہے اس لیے ہندو جمعیت کا پہلا فرض یہ تھا کہ اپنی ملت کو اس ذلت سے بچائے چنانچہ ہندو دھرم کی فیروز مند فوج نے پورے جوش عقیدت کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا۔ مسلمانوں کا قلعہ بند لشکر مقابلے کے لیے تیار ہوا۔ انہوں نے امرائے لاہور سے مدد کی درخواست کی مگر صدائے برنخاست۔ چادر و ناچار جان اور آبرو کی سلامتی میں قلعہ دشمنوں کے حوالے کرنا پڑا۔ نگرکوٹ کا مندر از سرِ نو تعمیر کیا گیا اور ایک نیابت تخت پر بٹھایا گیا۔ یہ خبر سارے ہندوستان میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہندوؤں کی مسرت کا کیا پوچھنا تھا۔ زائرین جوق در جوق آنے لگے اور کفر کا بازار پہلے سے بھی زیادہ گرم ہو گیا۔ اسلام کی شکست ہوتی نظر آتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوؤں کا ایسا ہی ایک اور زبردست ریلا ملک میں اسلام کا نشان تک باقی نہ رہنے دے گا۔ لاہور کے غزنوی امراء آپس کے لڑائی جھگڑوں میں ایسے منہمک تھے کہ اپنے آقا مودود کی فرمانبرداری کا خیال تک نہ کیا اور نگرکوٹ کی قلعہ بند فوج کی درخواست کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا لیکن جب ہندو لشکر کے دس ہزار سوار اور بے شمار پیادوں کا نقارہ کان پر بجا تو گھبرائے اور اپنی بے سروسامانی کا ہوش آیا۔ فوراً مودود کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور شہر کی حفاظت کے لیے مستعد ہو گئے۔ اتفاق ہے کہ ہندوؤں کی فوج بغیر محاصرہ کیے واپس ہو گئی اور لاہور اور اس کے ساتھ مغرب میں دوسرے شہر بھی محفوظ و مامون رہے۔ باقی ملک پر ہندو پھر اس طرح چھا گئے کہ گویا مسلمان یہاں کبھی آئے ہی نہ تھے اور سلطان محمود غزنوی غزنوی نے جو اسلامی آثار ہندوستان میں چھوڑے تھے نام کو باقی نہ رہے لیکن ہندوؤں نے بھی اپنی بپتا سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ آریاورت کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے کوئی قومی حکومت قائم نہیں ہوئی اور ڈیڑھ سو برس بعد شہاب الدین غوری نے ہندو راجاؤں میں ویسا ہی نفاق پایا جیسا کہ ہمیشہ سے تھا۔

سلطنت غزنی کا آخری زمانہ

سلطنت غزنی کا آخری زمانہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے ہم اس کا تذکرہ نہایت سرسری طور پر کریں گے۔ غزنوی سلطنت کے چھوٹے چھوٹے حکمران سلجوقی شہنشاہیت کے سایہ میں زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔ ان کے محلوں کی سازشیں (جن کا سلسلہ نہ ختم ہونا تھا نہ ہوا) دشمنوں کے لیے باعث نفرت اور دوستوں کے لیے مایوس کن

تھیں۔ سلطان مودود نے دسمبر 1049ء میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے مسعود ثانی کو (جو چار برس کا بچہ تھا) چچا ابوالحسن علی نے برطرف کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا مگر اس کا وقت بھی جلد آ پہنچا۔ عبدالرشید نامی سلطان محمود غزنوی کے ایک بیٹے نے 1051ء میں اس کو شکست دی اور خود تخت نشین ہو گیا۔ 1052ء میں وہ بھی اپنے غدار وزیر طغرل کے ہاتھوں قتل ہوا۔ طغرل چالیس روز کے اندر ہی قتل کر دیا گیا اور مسعود کے بیٹے فرخ زاد کو قید سے رہا کر کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے سات برس تک حکومت کی۔ (1052-1059ء) اس کی وفات پر اس کا بھائی سلطان رضی الدین ابراہیم جانشین ہوا۔ یہ بڑا دیندار اور پرہیزگار تھا اور چالیس سال تک حکمران رہا۔ (1079-1099ء) اور اجودھن (جہاں بابا فرید شکر گنج کا مزار ہے اور آج کل پاک پتن کہلاتا ہے) ہوتا ہوا روپڑ پہنچا۔ یہاں کا قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے ایک طرف دریا بہتا تھا اور دوسری جانب خاردار جنگل تھا جس میں سانپ بکثرت تھے۔ سلطان نے قلعے پر قبضہ کیا اور وہاں سے درے کا رخ کیا۔ اس مقام کی تسخیر بہت پر لطف تھی۔ درے میں خراسانی آباد تھے جن کو افراسیاب نے ایران سے جلا وطن کر کے ہندوستان بھیج دیا تھا۔

"یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے اور معصیت میں زندگی کے دن گزارتے تھے"۔ ان کے شہر کے متعلق یہ گمان تھا کہ ناقابل تسخیر ہے چنانچہ ہندوستان کے راجا اس غیر قوم کو اپنے درمیان سے نکالنے میں کبھی کامیاب نہ ہوئے۔ ابراہیم گھنے جنگل کو کاٹتا ہوا آخر وہاں پہنچ ہی گیا اور بزور شمشیر شہر کو فتح کیا۔ اس عجیب وغریب کارنامے سے قطع نظر سلطان ابراہیم نہایت متین اور سنجیدہ آدمی تھا۔ وہ اپنی قوت کی حدود کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا تھا اور اپنے وسیع عہد حکومت میں برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ لوگوں کے امن و امان میں کوئی خلل انداز نہ ہو۔

ابراہیم کے بیٹے علاؤ الدین مسعود نے سلجوقی شہنشاہ سلطان سنجر کی بیٹی سے شادی کی اور سولہ سال تک امن و آسائش سے حکومت کر کے 1115ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ اس کے بیٹے ارسلان شاہ نے اپنی تخت نشینی کا افتتاح بھائیوں کے قتل سے کیا۔ ان میں سے صرف ایک بہرام شاہ زندہ بچا کیونکہ وہ فرار ہو کر اپنے ماموں سلطان سنجر کے پاس چلا گیا تھا۔ سلطان سنجر نے ارسلان شاہ کو نکال باہر کیا اور بہرام کو تخت پر بٹھایا مگر سلطان سنجر کے جاتے ہی ارسلان شاہ نے واپس آ کر بہرام کو محصور کر لیا۔ سلطان سنجر کو دوبارہ غزنی آنا پڑا

(1117ء) ارسلان شاہ گرفتار ہوا اور سال بھر کے بعد قتل کر دیا گیا۔ معزالدین بہرام شاہ بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا۔ اس نے دو دفعہ محمد بہالیم حاکم پنجاب کو شکست دی۔ مولانا نظامی نے ''مخزن الاسرار'' کو اسی کے نام سے معنون کیا ہے اور ''کلیلہ و دمنہ'' کا ترجمہ بھی اسی کے عہد میں عربی سے فارسی میں ہوا۔ آخری ایام میں سلطان کا سرداران غور سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے غزنی کو غوریوں نے تباہ کر ڈالا اور سلطان بہرام کی اکیالیس سالہ حکومت کا انجام رسوائی اور بربادی میں ہوا۔

محمود غزنوی کی فتح اور جاگیرداروں کی شکست کی وجوہات

محمود غزنوی کی فتوحات اتفاقیہ نہ تھیں اور نہ وہ محض اُس کی بہتر صلاحیتوں کا اظہار تھیں بلکہ اس کی وجوہات طرفین کی سماجی ساخت کے اندر تھیں۔

1- وادیٔ سندھ میں لڑائی کا کام صرف ایک ذات 'راجپوت' کے سپرد تھا جو کہ حکمران طبقہ تھا۔ دوسری ذاتیں بالخصوص عوامی طبقات اس سے آزاد تھے۔

2- عوام کی بھاری اکثریت مرکزی دھارے سے بیگانہ کر دی گئی تھی۔

3- محمود غزنوی کی فوجیں ترک غلاموں پر مشتمل تھیں جب کہ ہندو فوجیں راجپوت جاگیرداروں پر۔ لہٰذا یہ جنگیں فیوڈل فوجوں اور غلاموں کی افواجِ آزادی کے درمیان مقابلے کی شکل بھی رکھتی تھیں اور وسط ایشیاء سے وادیٔ سندھ جو ایک مشترکہ سیاسی تھیٹر بن گیا تھا۔ اس کے اندر محمود غزنوی کے حملے غلاموں کی طبقاتی جنگوں کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ جنہوں نے برصغیر کے پرانے جاگیرداروں کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ صرف دو مرتبہ وادیٔ سندھ کے عوام محمود غزنوی کے خلاف متحرک ہوئے اور دونوں مرتبہ محمود غزنوی کو تکلیف اُٹھانی پڑی ایک بار پنجاب کے گکھڑ کسان اور دوسری بار سندھ کے جاٹ کسان اور مید مہانے۔ اگر وادیٔ سندھ کے عوام محمود غزنوی کے خلاف ہتھیار اُٹھاتے تو پھر یہ وادیٔ سندھ اور غزنوی سلطنت کے درمیان جنگ ہوتی ور اس کا علاقائی تشخص زیادہ اجاگر ہوتا۔ لیکن جو کچھ ہوا ہے اس میں طبقاتی عنصر زیادہ اہم تھا اور فیصلہ کن بھی تھا۔

-4 راجپوتوں نے روایتی مورچہ بند طریقہء جنگ اپنایا جب کہ ترکوں کا طریقہ عموماً چھاپہ مار انداز کا ہوتا تھا۔

-5 ہندوستانی جنگی مشین سُست اور غیر مرتکز تھی جب کہ ترکوں کی فوج انتہائی مرتکز اور تیز رفتار تھی۔

البیرونی اور محمود غزنوی

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (پ: ستمبر 973ء ...... م: 13 دسمبر 1048ء) جو اپنے وقت کا دنیا کا سب سے بڑا سائنس دان، ریاضی دان، فلسفی اور عالم تھا۔ غزنوی سلطنت کے زمانے میں 1017ء میں وادیٔ سندھ آیا اور اس نے یہاں کے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اپنی عظیم کتاب تحقیق مافی الہند لکھی تھی جو وادیٔ سندھ کے مطالعے کا ایک اہم ماخذ ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

البیرونی ایک عرب نژاد شیعہ خاندان میں جو کہ خراسان کے شہر خیوا (وارزم) کے محلّہ بیرون میں رہتا تھا، ستمبر 973ء میں پیدا ہوا۔ اسی لئے البیرونی کہلایا۔ عربی تو اُس کی مادری زبان تھی اور ساری عمر تصنیف و تالیف بھی اسی زبان میں کی لیکن اس کے علاوہ فارسی، ترکی، عبرانی، سریانی (قدیم شامی زبان) اور سنسکرت کا بھی وہ عالم تھا۔ اس کا اصل مضمون ہیئت تھا۔ یعنی چاند ستاروں زمین اور اجرام فلکی کی گردش اور دیگر خصائص کا علم، (Astronomy) اس کا دوسرا مضمون ریاضی تھا۔ مغربی دنیا میں اُسے عالم اسلام کا ہیئت اور ریاضی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔

پہلے وہ خوارزم شاہ کے دربار سے وابستہ رہا پھر جرجان چلا گیا اور قابوس دشمگیر والی جرجان کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ 1000ء میں اُس نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ لکھی اور قابوس کے نام معنون کی۔ 1017ء میں محمود غزنوی نے جرجان پر حملہ کیا تو قیدیوں میں البیرونی بھی پکڑا آیا تب سے یہ دربار غزنی سے وابستہ ہوگیا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ محمود غزنوی نے اس کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی۔

اُس زمانے میں مسلم علماء میں دو علمی رجحانات تھے۔ ایک رجحان متکلمین کا تھا۔ جو تمام علوم وفنون اور عقل وخرد کو قرآن و حدیث کی تشریح اور تائید کے لئے استعمال کرتے

تھے اور دوسرا وہ جو معروضی حقائق کا تجزیہ کر کے بیان کرتے تھے۔ متکلمین سائنس، فلسفہ اور سائنسی سوچ کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے تھے جب کہ مفکرین قرآن سائنس اور فلسفہ کو آپس میں خلط ملط نہیں کرتے تھے۔ کائنات اور زندگی کی عقلی توجیہہ پیش کرتے تھے۔ اس میں متکلمانہ مکتب فکر کا سب سے بڑا عالم اور مفکر امام غزالی (پ: 1058ء طوس ایران ...... م 18 دسمبر 1111ء طوس) تھا اور سائنسی مکتب فکر کا سب سے بڑا نمائندہ البیرونی۔ (غزالی طبعیات یعنی فزکس کے مطالعے کے خلاف تھا) ہیئت پر البیرونی کی دوسری کتاب "تفہیم" بیک وقت دو زبانوں میں لکھی گئی تھی۔

1017ء میں وہ وادئ سندھ میں آیا۔ اس نے اجمیر میں پنڈتوں سے سنسکرت سیکھی اور پھر بھگوت گیتا کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد وہ لاہور، نندنہ، جہلم، سیالکوٹ ملتان اور پشاور میں کافی عرصہ قیام پذیر رہا۔ ان شہروں کا اس نے پہلی بار صحیح صحیح طول بلد اور عرض بلد معلوم کیا۔ ندنہ میں پہاڑیوں کے اوپر سے زمین کا مشاہدہ کر کے اس نے زمین کے محیط کا حساب لگایا جو کہ تقریباً ٹھیک تھا۔ وادئ سندھ کے قیام کے دوران ہی اس نے تحقیق ما فی الہند لکھی جو تاریخ الہند اور کتاب الہند کے ناموں سے بھی مشہور ہے۔ یہ کتاب 1030ء میں مکمل ہوئی جس کا مطلب ہے وہ کم از کم تیرہ سال ہمارے یہاں رہا۔ اُس نے یہ نظریہ بھی پیش کیا تھا کہ قدیم زمانوں میں وادئ سندھ کا علاقہ سمندر کے نیچے ہوتا تھا۔ البیرونی نے وادئ سندھ کے ہندو معاشرے کے بارے میں جو باتیں لکھی ہیں۔ وہ غیر جانبدارانہ، سائنسی تجزیاتی انداز میں بڑے گہرے مطالعے کے بعد لکھی ہیں۔ ان میں سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات کا بیان اور تجزیہ کیا گیا ہے۔ البیرونی کے بیان کے اہم نکات یہ ہیں:

-1 ہندو متعصب اور تنگ نظر لوگ ہیں۔ وہ اپنے علاوہ دوسری تمام قوموں کو گھٹیا، نیچ اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں اور اُنہیں ملیچھ (ناپاک۔ نجس) کہتے ہیں۔ لہٰذا ان سے سماجی روابط رکھنا پسند نہیں کرتے۔

-2 مسلمانوں سے خصوصی نفرت کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو مسلمانوں کے نام اور لباس سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان راکھشسوں کی اولاد ہیں۔

-3 ہندوؤں کو اپنے علم و فضل پر بھی بہت غرور ہے۔ وہ اپنے علاوہ دوسری قوموں کو جاہل اور ان پڑھ سمجھتے ہیں (جس کا مطلب ہے وہ ہم عصر دنیا کی ترقیوں سے

ناواقف تھے)

4- مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ ان سے مکمل سماجی بائیکاٹ رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کے گھر سے آگ بھی نہیں لیتے جو کہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر ناپاکی کو جلا کر پاک کر دیتی ہے ان کے خیال میں مسلمانوں کے چولہے کی آگ بھی ناپاک ہے۔

5- البیرونی کے خیال میں اس وقت کی اہم ترین ریاستیں کشمیر' سندھ' مالوہ اور قنوج تھیں یہ اکثر آپس میں لڑتی بھڑتی رہتی تھیں۔

6- معاشرہ سخت گیر ذات پات میں بٹا ہوا تھا۔ برہمنوں کو بے انتہا مراعات حاصل تھیں اور انہیں کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔

7- بچپن کی شادی کا عام رواج تھا اس کی خرابیاں اس نے تفصیل سے بیان کی ہیں۔

8- عوام سینکڑوں قسم کے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے تھے لیکن تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقہ ایک خدا پر یقین رکھتا تھا:

(ایک اور ابدی' بغیر آغاز و انجام کے' فاعل مختار' قادرِ مطلق' عقلِ کُل' زندہ' زندگی بخش' حاکم' مستقیم'')

9- سائنس دان مذہبی تعصبات کے ماتحت رہ کر سوچتے ہیں۔ مثلاً زمین کی شکل اور دوسری جغرافیائی تفصیلات جو مذہباً بیان کی گئی ہیں۔ ان کو سائنسی صداقتوں پر جو ہندو سائنس دانوں نے معلوم کر لی تھیں ترجیح دی جاتی ہے۔ اس حقیقت کو کہ زمین ایک گھومتا ہوا گولہ ہے مذہبی عقائد کے مطابق ماہرین نجوم نے گول مول کر کے بیان کیا ہے۔ عام لوگ اپنے معاملات میں اجرامِ فلکی کے ماہرین پر بھروسہ کرتے تھے اور وہ ماہرین انہیں کوئی سائنسی حقائق بتانے کی بجائے افسانہ اور حقیقت کا ملغوبہ بیان کرتے تھے۔

10- ذات پات کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی نے لکھا ہے کہ چار ذاتوں سے نیچے یعنی شودروں سے نیچے کی ذات کے لوگ تھے۔ ان کے آٹھ سنگھ تھے جن میں 1-دھوبی 2-موچی 3-مداری 4-ٹوکریاں بنانے والے (مسلی) 5-ملاح 6-مچھیرے 7-شکاری اور 8-جولاہے شامل تھے۔ ان کے خیال میں یہ ناپاک

تھے کیونکہ یہ ایک برہمن عورت اور شودر مرد کے غیر قانونی ملاپ سے پیدا ہوئے تھے۔ ہندوؤں کو ان سے کسی قسم کا سماجی رابطہ رکھنے اور شادی بیاہ کی ممانعت تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ کپاس پیدا کرنے والے ملک میں کپاس سے وابستہ کاریگر سماج سے باہر تھے اور ذات کے سب سے نچلے درجے پر تھے۔ اگر حکمرانوں کے فلسفیانہ افلاس کا یہ عالم تھا تو پھر ان کے لئے محمود غزنوی کے حملے تاریخ کا شاعرانہ انصاف بھی تھے۔

-11 ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں اُن کے علاوہ اور کوئی ملک نہیں' ان کے جیسی کوئی قوم نہیں' ان کے بادشاہوں جیسا کوئی بادشاہ نہیں' ان کے مذہب جیسا کوئی مذہب نہیں۔ ان کی سائنس جیسی کوئی سائنس نہیں۔ وہ مغرور ہیں' احمقانہ طور پر متکبر ہیں' اپنے اوپر نازاں اور جذبہء دلچسپی سے عاری' فطرتاً وہ معلومات کو دوسروں تک منتقل کرنے میں کنجوس ہیں۔ دوسری ذاتوں سے اپنے علم کو چھپا کر رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔"

اس سے صاف نظر آتا ہے کہ حکمران طبقات اور عوام میں بے انتہا فاصلہ ہے جو کہ ناقابل عبور ہے اونچے طبقات خود تو ایک خدا کو مانتے تھے جس کا مطلب ہے کہ اسلام کا پیغام ان تک پہنچ چکا تھا اور وہ دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ تھے لیکن عوام کی ڈس انفرمیشن اس حد تک پھیلا رکھی تھی کہ وہ اپنے حکمرانوں کی عظمت کے علاوہ کسی چیز سے آگاہ ہی نہیں تھے۔ حکمران عوام سے دور غیر ملکی حملوں سے حفاظت کے پیش نظر قلعوں میں رہتے تھے کیونکہ سماجی کنٹرول کے ادارے پرانے تھے (دیوداسیوں والے مندر) جب کہ سماجی رشتے نئے بن چکے تھے (فیوڈل) لہٰذا سماج پر حکمرانوں کی گرفت کمزور رہی ہو گی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ البیرونی نے سلطان محمود غزنوی کی ہندوستان میں اندھا دھند بت شکنی پر بھی تنقید کی ہے اور کہا کہ جب امیر معاویہ کی فوجیں 73-672ء میں سسلی کی فتح کے بعد سونے کے بت لے کر آئیں جن پر ہیرے جڑے ہوئے تھے تو انہوں نے حکم دیا کہ انہیں سندھ میں فروخت کر دیا جائے کیونکہ انہوں نے اس مسئلے پر مذہبی سے زیادہ معاشی پہلو غور کیا تھا۔

باب 7

سلطان محمود غزنوی کی سیرت و کردار

مؤرخ ابن خلدون نے سلطان محمود غزنوی کی کشورستانی اور حکمرانی کی داستانیں اس خوبی سے اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں کہ کوئی اہم واقعہ فروگذاشت نہیں ہونے پایا لیکن خاندانی حالات اور دوسرے واقعات پر کچھ روشنی نہیں ڈالی اس لیے ان کا بیان کرنا انتہائی ضروری ہے۔

سلطان محمود غزنوی فارس کے آخری بادشاہ یزدوجرد کی نسل سے تھا۔ ابوالقاسم حمادی نے تاریخ مجدول میں لکھا ہے کہ ''امیر سبکتگین بادشاہ یزدوجرد کی نسل سے تھا جس وقت زمانہء خلافت (امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ) میں یزدوجرد مقام مرو میں ایک چکی پیسنے والے کے مکان میں مارا گیا۔ اس کے اہل و عیال اور خاندان والے بحال پریشان ترکستان چلے آئے اور ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ان سے اور ترکوں سے باہم رشتہ داریاں اور قرابت پیدا ہوگی اور دو چار پشت کے بعد علم و دولت مفقود ہونے کی وجہ سے ترک کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ایک مدت تک ان اطراف میں ان کے عالی شان مکانات ان کے بزرگوں کے نام کو زندہ کیے ہوئے تھے اس کا سلسلہء نسب یزدجرد تک اس طور سے پہنچتا ہے۔ ''محمد بن سبکتگین بن جوق قرا بجکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا نعمان بن فیروز بن یزدجرد بادشاہ فارس۔''

ابوالفضل حسن بیہقی نے تاریخ ناصری میں بروایت سلطان محمود غزنوی تحریر کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اپنے باپ امیر سبکتگین سے روایت کی ہے کہ سبکتگین کے باپ کو قرا بجکم کہتے تھے اصلی نام جوق تھا غوغا اور بجکم لغت ترکی میں متحد المعنی ہیں' قرا بجکم کے معنی سیاہ غوغا ہیں' ترکستان میں جہاں کہیں جوق کا نام سن پاتے تھے اس کی شجاعت و مردانگی کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے اس وجہ سے اس کا نام قرا بجکم رکھ چھوڑا تھا۔

تاریخ منہاج السراج جرجانی میں لکھا ہے کہ نصر حاجی نامی ایک سوداگر نے امیر سبکتگین کو ترکستان سے بخارا لا کر امیر الپتگین کے ہاتھ فروخت کیا' امیر الپتگین سبکتگین کو دیکھتے ہی تاڑ گیا کہ یہ بڑا ہونہار لڑکا ہے اس کی بلند پیشانی سے بچپن کے باوجود بڑائی کے آثار نمایاں ہیں اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد پیشکاری سے لشکر غزنی کی سرداری پر مامور کیا گیا رفتہ رفتہ الپتگین کی ناک کا بال بن گیا اور سیاہ وسفید کرنے کا مالک ہو گیا۔

سبکتگین درحقیقت غلام نہ تھا بلکہ یزدوجرد بادشاہ فارس کی نسل سے تھا۔ جس وقت یزدوجرد مقام مرو میں ایک چکی پیسنے والے کے مکان میں عہد خلافت امیر المومنین عثمانؓ میں مارا گیا۔ اس کی اولاد اور خاندان والے ترکستان میں جا کر روپوش ہوئے اور ترکوں سے حسب ضرورت رشتہ قرابت پیدا کیا۔ دولت وحکومت تو پہلے ہی ہاتھ سے نکل چکی تھی علم بھی جاتا رہا اور چار نسلوں کے بعد ترک کہلائے جانے لگے۔

محمود غزنوی کے غلام نہ ہونے کی بہت بڑی اور قوی دلیل یہ ہے کہ انگریز مؤرخوں نے اسے غلاموں کے سلسلہء حکومت میں نہیں لکھا' انہیں اس کے ساتھ کوئی ایسی ہمدردی نہ تھی کہ جس سے یہ محمود غزنوی کو سلسلہء حکمرانان وغلامان سے علیحدہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

عربی تاریخیں صرف اس قدر لکھ کر خاموش ہو جاتی ہیں کہ محمود غزنوی کا باپ سبکتگین' امیر الپتگین کا غلام تھا۔ یہ عبارت اشارے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی' اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سبکتگین کس ملک سے' کس زمانے میں اور کس جہاد میں غازیانِ اسلام کے ہاتھ آیا اور جب یہ امر پایہء ثبوت تک نہ پہنچ سکا تو محمود غزنوی کو غلام کہنا نہایت دیدہ دلیری اور ناانصافی ہے۔

قرون سابقہ ہمیں غلامی کے دو ہی طریقے تھے۔ ایک یہ کہ جہاد کے ذریعے سے جو لوگ کافرستان سے قید ہو کے آتے تھے اور غازیانِ اسلام انہیں بضرورت خرید وفروخت کر لیا کرتے تھے' دوسرے یہ کہ غیر اجنبی ممالک سے اکثر سیاح یا مسافر تجارت پیشہ اصحاب اکا دکا چلنے والوں کو پکڑ کر لاتے تھے اور انہیں ممالک اسلامیہ میں لا کر سر بازار فروخت کیا کرتے تھے' اوّل الذکر اصلی اور واقعی غلام کہے جانے کے مستحق ہیں۔ غلامی کی دوسری صورت نام کی غلام ہے ورنہ یوسف علیہ السلام بھی اسی آخری صورت میں داخل ہو جاتے

ہیں۔ ہاجرہ علیہ السلام کون تھیں؟ اور کس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ آئیں، حسینی سادات کی ماں کہاں تھیں اور فکر حسین علیہ اسلام کے ہاتھ لگیں۔ ام المومنین ماریہ بنت شمعون قبطیہ کون تھیں اور کہاں سے آئی تھیں؟ زید بن حارثہ قبائل یمن کے کس قبیلہ سے تھے جن سے زینب بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپی زاد بہن منسوب تھیں۔ اس غلامی کی کراہت رفع کرنے کی غرض سے آپ نے اس ترویج کو مناسب سمجھا۔

ان سب واقعات سے قطع نظر کر لینے پر یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے کہ ان دنوں بردہ فروشی کا بازار گرم تھا اور یزدجرد بادشاہ فارس کے خاندان کی تباہی و بربادی پورے طور سے ہو چکی تھی ممکن ہے کسی شخص نے سبکتگین کو آوارہ و پریشان پاکر پرورش و پرداخت کی ہو غالبًا اسی وجہ سے عربی مؤرخ سبکتگین کو الپتگین کا مملوک لکھتے آئے ورنہ اور کوئی وجہ غلام کی نہیں ہے اس سے امیر سبکتگین کے خاندان کے دامنِ عزت پر دھبہ نہیں لگ سکتا۔

فردوسی شاعر نے شاہنامہ میں محمود غزنوی پر جو چوٹ کی ہے اس سے محمود غزنوی پر غلامی کا دھبہ نہیں لگ سکتا۔ فردوسی شاعر تھا اور مؤرخ نہ تھا اس کا شاہنامہ بھی تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک داستان ہے۔ شعراء کا ہمیشہ سے یہی دستور چلا آتا ہے کہ جب انہیں خلاف توقع کامیابی نہ ہوتی تو امراء روساء اور سلاطین عظام کی ہجو پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں چنانچہ فردوسی کو بھی اسی امر نے محمود غزنوی کی ہجو پر آمادہ کیا ہے اصل تو یہ ہے کہ کوئی کسی کا مملوک ہے نہ مالک حقیقت میں غلامی کوئی چیز نہیں ہے ایک اعتباری امر ہے تمام بنی نوع انسان ایک ہیں اور اسلام نے آزادی و غلامی کا بردہ ہی اٹھا دیا ہے کل مومن اخوۃ اس کے بہت بڑے اور مضبوط اصول میں داخل ہے۔

دسویں محرم 361ھ شب پنجشنبہ میں امیر سبکتگین کی حکومت کے ساتویں سال مقام غزنی میں محمود غزنوی پیدا ہوا۔

تاریخ منہاج السراج جرجانی میں لکھا ہے کہ جس شب محمود غزنوی پیدا ہوا اُسی شب میں چند ساعت پیشتر امیر سبکتگین نے خواب دیکھا تھا کہ مکان کے آتشدان سے ایک بڑا درخت پیدا ہوا ہے کہ جس کے سایہ میں ایک عالم بیٹھ سکتا ہے فوراً آنکھیں کھل گئیں، تعبیر کی فکر میں تھا کہ محل سرائے شاہی سے یہ خبر آئی کہ مشکوئے معلیٰ میں شہزادہ بلند اقبال پیدا ہوا ہے۔ امیر سبکتگین نے اس مولود مسعود کا نام محمود غزنوی رکھا۔ زمانہ زیادہ گزرنے نہ

پایا تھا کہ یہ محمود غزنوی الابتداء مسعود الانتہا ظاہر ہوا۔

محمود غزنوی کے عہد طفلی کے حالات کچھ ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ جن سے کوئی نتیجہ خیز امر معلوم نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کے واقعات' علم و فضل حاصل کرنے کے حالات بالتفصیل لکھنا ذرا دشوار نظر آتا ہے۔ محمود غزنوی جس طرح کشورستان' ملک گیر اور ایک نامور فاتح تھا اسی طرح علم و فضل میں بھی یکتائے زمانہ تھا مؤلف جواہر معنیہ نے جو فقہائے حنفیہ کے حالات کی ایک مستند اور کتاب ہے محمود غزنوی کو فقہاء میں شمار کیا ہے اس کے علاوہ خود اس کی تصنیف کی ہوئی فقہ کی ایک کتاب موجود ہے غزنی میں اس نے ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی تھی جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا نایاب نایاب کتابیں انتہائی جستجو سے مہیا کی گئی تھیں۔ اسی کتب خانہ میں عجائب خانہ بھی تھا' زمانہ کی نادر چیزیں اس میں موجود تھیں ملک کے جو بڑے بڑے مشاہیر علم و فن تھے وہ سب اس کے درباری تھے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی نے اپنی کتاب مغیث الخلق فی اختیار الاحق میں لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی علم حدیث کا بے حد شائق تھا شب کے وقت اس کے دربار میں علماء حدیث جمع ہوتے اور احادیث کی سماعت و قرأت کرتے تھے۔ محمود غزنوی بھی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا حدیثیں سنا کرتا جسے نہ سمجھتا اس کے معنی دریافت کرتا جاتا تھا۔ مذہباً پہلے حنفی تھا بعد کو شافعی المذہب ہو گیا تھا۔ علامہ قفال مزوری نے مذاق اور لطیفہ کے پیرائے میں تبدیل مذہب کی تحریک کی تھی۔ ''فمن شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الی ابن خلکان۔''

محمود غزنوی کے (تخت پر متمکن ہونے کے بعد کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیوں کی دلچسپ داستان آپ پڑھ چکے ہیں۔) اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ زمانہء شہزادگی میں جو نمایاں کارنامے سرانجام دیئے جس سے اس کی مردانگی و دلیری کا ثبوت ملتا ہے وہ ملتان کی لڑائی ہے' یہی سبب تھا کہ اسے اپنے باپ کی زندگی میں ہی امیر نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب مل گیا تھا۔

امیر سبکتگین کے زمانہء حکومت میں راجہ جے پال والی لاہور اور ملتان نے اسلامی شہروں پر جو اس کی سرحد مملکت سے ملے ہوئے تھے تخت و تاراج کا ہاتھ بڑھایا۔ امیر سبکتگین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے لشکر فراہم کر کے راجہ جے پال کی گوشمالی کی اور وہاں سے

کوچ کیا۔ اس مہم میں اس کا ہونہار بیٹا محمود غزنوی بھی ہمرکاب تھا محمود غزنوی نے موقع جنگ میں بہت بڑے نمایاں کام کیے' جس سے اس کی ہردلعزیزی اور مردانگی کا سکہ بیٹھ گیا۔

محمود غزنوی چھبیس برس کی عمر میں امیر سبکتگین کی وفات کے بعد 387ھ میں تخت حکومت پہ متمکن ہوا۔ اس نے اپنے زمانہء حکومت میں اس قدر علم و فضل کو جمع کیا تھا کہ اس زمانے کے اسلامی سلاطین کو شاید و باید ہی یہ عزت نصیب ہوئی ہو' مقاماتِ ابونصر مشکاتی اور مجلدات ابوالفضل اس پر کافی روشنی ڈال رہے ہیں۔ ایسے عالی حوصلہ بلند خیال سلطان کی طرف بخل کی نسبت کرنا نہایت بے انصافی ہے۔ اگر وہ دادو دہش میں کوتاہ دست ہوتا تو اس کا دربار علماء' فضلاء' شعراء اور اہل علم و کمال سے خالی نظر آتا۔ ابوریحان البیرونی جسے متعدد علوم و فنون میں مہارت کلی حاصل تھی اور ابوعلی سینا کا ہم پایہ و ہمسر تھا' محمود غزنوی ہی کے خوانِ کرم سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ محمود غزنوی نے ابوعلی سینا کو بھی اپنے خوانگ کرم پر دعوت دی تھی مگر کسی وجہ سے وہ بہرہ یاب نہیں ہو سکا۔ شاعری کا ایک مستقل محکمہ قائم تھا عنصری' عسجدی' اسدی' غضاری' فردوسی' فرخی اور منوچہری محمود غزنوی کے آسمان سخن کے سبعہ ستارے تھے۔

منجملہ ان الزامات کے جو محمود غزنوی کے دامنگ فطرت پر لگائے جاتے ہیں' ایک الزام شراب خوری کا ہے جسے مؤلف شعر العجم (شبلی) کے پاکیزہ خیالات کا نو تصنیف واقعہ کہنا چاہیے حالانکہ محمود غزنوی کی صحبتیں سلاطین عشرت پسند کی طرح مہ و جام سے آراستہ نہیں کی جاتی تھیں اس کی صحبت دنیاوی کثافتوں' گویوں' لونڈیوں اور مسخروں سے بالکل پاک تھی' میں نے عرب کے سوا اس کی سوانح غیر قوموں کی زبانوں سے بھی سنی ہے۔ کسی مؤرخ نے شراب خوری اور فسق و فجور کی اس کی طرف نسبت نہیں کی۔ صاحب شعر العجم نے محمود غزنوی کی شراب خوری اور بدمستی کا ایک حیرت انگیز واقعہ لکھ کر اس کے دامنِ عزت پر بدنما دھبہ ڈالا ہے۔ غیر قوموں اور متعصب مورخوں نے بھی ان پر شراب خوری کا الزام نہیں لگایا بلکہ متقی' پرہیزگار' علم و فضل کا قدردان' عہد و اقرار کا پابند اور اسلام کا ایک جوشیلا سپاہی لکھا ہے۔

شعر العجم (ص 62) میں لکھا ہے: ''سلطان محمود غزنوی کو ایاز سے جو محبت تھی اگرچہ حد سے زیادہ تھی مگر اس میں ہوس کا شائبہ نہ تھا۔ ایک دن بزم عیش میں بادہ و جام کا

دور تھا محمود غزنوی خلافِ عادت معمول سے زیادہ پی کر مست ہو گیا اسی حالت میں ایاز پر نظر پڑی اس کی شکن درشکن زلفیں چہرہ پر بکھری ہوئی تھیں محمود غزنوی نے بے اختیار اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیے لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوشِ وتقویٰ میں آ کر ایاز کو حکم دیا کہ زلفیں کاٹ کر رکھ دے' ایاز نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔''

اس عبارت سے چند باتیں ایسی ظاہر ہوتی ہیں جن کا درحقیقت خارج میں کوئی وجود نہ تھا بلکہ محض ذہنی اور تصنیف کردہ ایک مضحکہ خیز واقعہ ہے۔

ایک یہ ہے کہ محمود غزنوی کی مجلس میں روزانہ بادہ و جام کا دور چلا کرتا تھا اور اسے مے نوشی کی عادت بد پڑی ہوئی تھی۔ (جیسا' فقرہ ''محمود غزنوی خلافِ عادت معمولی سے زیادہ پی کر بدمست ہو گیا'' سے ظاہر ہوتا ہے۔)

دوسرے یہ کہ اُسی حالت بدمستی میں ایاز پر نظر پڑی اور اس کی شکن درشکن زلفیں چہرہ پر پڑی ہوئی دیکھ کر محمود غزنوی کا دل قابو سے نکل گیا اور ہوا و ہوس کا شکار ہو کر ایاز کے گلے میں ہاتھ ڈال دیے۔'' استغفراللہ کیا بے بنیاد الزام ہے جس کے تصور سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ محمود غزنوی شراب خوری اور اس پر طرہ یہ کہ ارتکاب خلاف وضع فطرت کی طرف میلان۔ عام قاعدہ ہے کہ انسان جن افعال کے ارتکاب کا حالتِ ہوش میں عادی اور خوگر ہوتا ہے انہیں افعال کی جانب اسے بدمستی اور نشہ کے وقت تحریک پیدا ہوتی ہے' فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ حالتِ ہوش میں معمولی تحریک ہوتی ہے اور بدمستی و نشہ میں قوی اور پوری تحریک بلا کسی حجاب کے ہوتی ہے۔

امرِ اوّل کے ثبوت کے لئے مؤلف شعرالعجم' یا کسی اور مؤرخ کا صرف لکھ دینا کافی نہ ہو گا جو صدیوں بعد پیدا ہوا ہو بلکہ ایسی روایات کے پیش کرنے کے لیے یہ لازم ہو گا کہ ان کے راوی محمود غزنوی کے زمانے میں اور اس کی بزمِ عیش میں شریک لطفِ صحبت رہے ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مؤلف شعرالعجم نے یہ روایت کہاں سے لی ہے اور اس کا راوی کون ہے؟ مؤلف شعرالعجم نے کسی معروف و مستند کا تو کجا کسی مجہول الحال کتاب کا بھی حوالہ نہیں دیا اور نہ کسی راوی کی طرف اس واقعہ کی روایت کو منسوب کیا ہے۔ ایسی حالت میں اس واقعہ مجہولہ پر جس قدر صداقت اور راست بیانی کی روشنی پڑتی ہے' وہ اربابِ عقل و دانش اور اصحاب تواریخ ظاہر ہے۔ عربی فارسی انگریزی کی تاریخیں پڑھ ڈالیے کہیں بھی یہ

نہیں ملے گا کہ محمود غزنوی مے نوشی کا عادی تھا یا اس کی صحبت میں بادہ و جام کا دور چلا کرتا تھا۔ اور جب یہ امر پایہء ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا تو معمول سے زیادہ پی کر بدمست ہو جانا چہ معنی دارد۔ (اِنّ ھٰذاہِ فترا ءٌ مُّبِینٌ۔)

دوسری شے کا عدم و وجود پہلی شے کے عدم و وجود پر موقوف ہے اور جب پہلی بات کا ثبوت ممکن نہیں تو دوسری کا وجود خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ (وھٰذا ھو المقصود۔)

امر سوم عجیب مضحکہ خیز ہے' حالت بدمستی میں محمود غزنوی کا سنبھل جانا۔ جوشِ تقویٰ میں آ کر خلافِ شرع حرکت کا احساس کرنا اور ایاز کی زلفوں کے کاٹنے کا حکم دینا بالکل خلافِ قیاس اور دوراز عقل کا واقعہ ہے محمود غزنوی دد حال سے خالی نہ تھا یا یہ کہ وہ ایک متقی پرہیزگار مسلمان تھا یا یہ کہ اسے تقویٰ سے کوئی سرکار نہ تھا اگر متقی پرہیزگار تھا تو اس کی بزمِ عیش میں بادہ وجام کا دور چلنا محالات میں سے ہے۔ متقی مسلمان کا بادہ پیمائی سے کیا تعلق ہے؟ اور اگر وہ متقی نہ تھا تو حالت بدمستی میں جوش تقویٰ میں آنا ایسی حیرت انگیز روایت ہے جو بادہ خواروں یا مجذوبوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ تقویٰ خداوندی اور شراب خوری' سبحان اللہ کیا اجتماع الضدین ہے۔ شاید مؤلف شعرالعجم نے تقویٰ کے کچھ اور معنی لیے ہیں۔

بغرضِ محال اگر محمود غزنوی کو بحالت بدمستی جوشِ تقویٰ پیدا ہی ہو گیا تھا تو شراب نوشی ترک کر دیتا جو ام الخبائث کہلاتی ہے یا اپنے ہاتھ کٹوا ڈالتا۔ غریب ایاز کی زلفوں نے کیا کیا تھا جو کچھ بھی ہوا خلاف شرع حرکت سرزد ہوئی وہ شراب کی وجہ سے یا اس کی طبیعت کے جوش کے سبب سے ایاز کی زلفوں کے کاٹنے کا حکم دینا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "سلطان محمود غزنوی بادشاہ ہے "بودکہ باصناف سعادت دینی و دنیاوی فائز گردیدہ وصیت عدالت وجہاں بانی و آوازِ شجاعت و کشورستانی از ایوان کیوان درگزرانیدہ و بمیامن اجتہاد درامر غزا اعلام مرتفع ساختہ و اساس ارباب ظلام بر انداختہ۔" اسٹینلی لین پول میڈول انڈیا چیپٹر دوم صفحہ 14 لغایت 33) میں لکھتا ہے "محمود غزنوی میں اس کے باپ کی طرح چستی' چالاکی' مستعدی' مردانگی کی تمام صفتیں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑی بات یہ تھی کہ وہ کسی وقت اپنے آپ کو بیکار نہیں رکھتا تھا اس کے خیالات عالی تھے' مزاج کا جوشیلا تھا' اسلامی جوش اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا

تھا۔ یہی صفت اس کی کل صفات کی محرک اور ان میں برقی قوت پیدا کرنے والی تھی' وہ ایک پرجوش مسلمان تھا۔ دشمنانِ اسلام اور کفار کی لڑائیوں کی حالت میں بھی جس وقت اسے فرصت مل جاتی تھی تو تزکیہء نفس کے خیال سے قرآن مجید لکھا کرتا تھا گویا وہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی بے کار اور ضائع نہیں جانے دیتا تھا۔

دربارِ خلافت بغداد سے اسے غزنی اور خراسان کی سندِ امارت بھی عطا ہوئی تھی۔ اس خوشی اور کامیابی پر اس نے یہ تدبیر کی کہ ہر سال کفار ہند پر جہاد کروں گا جس کا ایفا تا زندگی کرتا رہا۔ محمود غزنوی ظالم نہ تھا۔ وہ بلاوجہ خونریزی سے نفرت کرتا تھا' اپنے عہد و پیمان کا پابند تھا بدعہدی کے قریب نہ جاتا تھا۔

محمود غزنوی جس طرح مسلمانوں میں سے سچائی' خدا ترسی یا پُر جوش مسلمان ہونے کا نمونہ تھا ویسا ہی علم و فضل کی قدردانی میں اپنی مثال آپ تھا' اس کا دربار علماء و فضلاء اہل کمال سے بھرا رہتا تھا اگر نپولین نے پیرس کی آراستگی اپنے ممالک مقبوضہ کے نامی گرامی صناعوں اور کاریگروں کی بنائی ہوئی چیزوں سے کی تھی تو محمود غزنوی نے اس سے کہیں زیادہ تعریف کا یہ کام کیا کہ اس نے اپنے دربار میں تمام دنیا کے صناع اور اہل کمال کو لا کر جمع کر دیا تھا۔ علماء' فضلاء' شعراء اور ہر فن کے اہل کمال سے اس کے دربار کو رونق دی گئی تھی۔ بیرونی' ریاضی' تاریخ اور سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا۔ فاریابی فلسفہ کا گویا معلم ثانی تھا۔ بیہقی' عتبی' عنصری' فرخی' عسجدی اور فردوسی نامی شعراء اس کے دائیں بائیں کے مصاحب تھے جن پر وہ مہربان رہتا تھا۔

اگر محمود غزنوی کو مال و دولت جمع کرنے والا اور حریص و لالچی کہتا ہوں تو اس کے کہنے پر مجھے ضرور مجبور ہونا پڑے گا کہ وہ مال و دولت اور روپیہ کے خرچ کرنے کے مصارف سے بھی بخوبی واقف تھا۔ وہ مال و زر کے خرچ کرنے کے مواقع خوب جانتا تھا کہ کس موقع پر کس قدر روپیہ صرف کرنا چاہیے۔

محمود غزنوی ہرگز غیر مہذب و غیر تربیت یافتہ نہ تھا وہ بہت بڑا سپاہی اور بے حد دلیر شخص تھا۔ وہ دماغی اور بدنی محنتوں سے تھکتا نہ تھا قدرت نے اسے ان تھک طبیعت دی تھی' وہ ہر وقت اپنی رعایا کی بہبود و خوشحالی کی فکر میں رہتا تھا اور ان میں عدل و انصاف قائم رکھنے کی تکلیفیں اٹھاتا تھا۔

محمود غزنوی کا وزیر السلطنت لکھتا ہے کہ محمود غزنوی ایک بادشاہ انصاف پسند منصف مزاج، ذی علم، علم دوست، رحیم، رقیق القلب اور نہایت سچا مسلمان تھا۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ ظاہر داری اور تصنع سے بالکل علیحدہ تھا۔ وہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے نماز ادا کرتا تھا۔

شاہنامہ اور محمود غزنوی

ان الزامات میں جو بدنمائی کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے دامنِ خوبی پر لگائے جاتے ہیں۔ ایک واقعہ ہے کہ فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کی فرمائش سے شاہنامہ تصنیف کیا تھا اور سلطان محمود غزنوی نے ہر شعر کے صلہ میں ایک اشرفی دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب شاہنامہ تیار ہوا تو اشرفیوں کی جگہ روپے دلوائے۔ یہ روایت جس قدر مشہور ہے اُسی قدر حقیقت سے دور غلط بھی ہے۔ واقعات کو ترتیب دینے سے روز روشن کی طرح اس روایت کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔

اوّلاً فردوسی کو شاعری کا مذاق ابتداء ہی سے تھا۔ اس کے ساتھ ہی شاہانِ ایران کا ہم قوم یعنی مجوسی النسل بھی تھا اس نے اپنے صنادیدِ عجم کا نام رکھنے کی غرض سے اور اپنے مذاق طبیعت کے اقتضاء سے شاہنامہ کی تصنیف کی بنیاد ڈالی، جیسا کہ دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

همی خواہم از داد گر یک خدائے — کہ چنداں بمانم بہ گیتی بجائے
کہ ایں نامہء شہریاراں پیش — بہ پیوندم از خوب گفتار خویش
بے رنج بردم دریں سال سی — عجم زندہ کر دم بدیں پارسی
ہمہ مردہ از روزگارِ دراز — شد از گفتِ من نامِ شاں زندہ دار
چو عیسیٰ من ایں مردگاں را تمام — سراسر ہمہ زندہ کر دم بنام

ثانیاً فردوسی نے شاہنامہ کی تصنیف کی بنیاد اپنے وطن طوس میں ڈالی تھی اور بہت سا حصہ وہیں لکھا گیا۔ میرے اس دعوے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب فردوسی نے شاہنامہ کی تصنیف کی بنیاد ڈالی اس وقت اسے شاہانِ فارس کے تاریخی سرمایہ کی ضرورت تھی حسن اتفاق سے فردوسی ہی کے وطن میں ایک شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا اور وہ فردوسی کا دوست بھی تھا۔ اس نے فردوسی کے ارادے سے مطلع ہو کر تاریخ کا سارا سرمایہ فردوسی کو لا کر دے دیا۔ چنانچہ فردوسی اس واقعہ کو دیباچہ میں اس طور سے بیان کرتا ہے:۔

بہ شہرم یکے مہرباں دوست بُو　　تو گفتی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد ایں رائے تو　　بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من ایں نامہء پہلوی　　بہ پیش تو آرام مگر نغنوی؟
شو ایں نامہء خسران بازگوئے　　بدیں جوئے زد میہماں آبروئے
چوآوردایں نامہ نزدیک من　　برا فروخت ایں جانِ تاریکِ من

ثالثاً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاہنامہ کی بنیاد 365ھ میں ڈالی گئی تھی اگرچہ اس کا بین ثبوت کہیں سے نہیں ملتا لیکن خاتمہ کے شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہنامہ کی تصنیف 400ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ جیسا کہ فردوسی تصریح کرتا ہے:۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار　　کہ گفتم من ایں نامہء شہریار

پانچ کو اسی میں ضرب دینے سے چار سو ہوتے ہیں پھر ساتھ ہی اس کے اس کی بھی تصریح کرتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف میں پینتیس سال صرف ہوئے۔

سی و پنج سال ازسرائے سپنج　　بسے رنج بردم بامید گنج

چار سو سے پینتیس کو تفریق کرنے سے 365 باقی رہ جاتے ہیں بس یہی 365ھ شاہنامہ کے آغاز تصنیف کا زمانہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی 387ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس بناء پر سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی سے بائیس سال پیشتر شاہنامہ کی تصنیف کی بنیاد پڑ چکی تھی لہٰذا یہ کہنا کہ شاہنامہ سلطان محمود غزنوی کی فرمائش سے تصنیف کیا گیا محض لغو اور بے بنیاد ہے باقی رہا یہ امر کہ فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کے تخت آرا ہونے کے بعد بنظر قدر افزائی شاہنامہ کو شاہی دربار میں پیش کیا ہو میں اسے تسلیم کرتا ہوں جیسا کہ تیسرے دفتر کے دیکھنے سے اس کی تائید ہوتی ہے جہاں پر فردوسی نے دقیقی کے اشعار نقل کیے ہیں اس کے خاتمہ پر تحریر کرتا ہے۔

من ایں نامہ فرخ گرفتم بہ فال　　ہمی رنج مردم بہ بسیار سال
ندیدم حد افراز بخشندۂ　　بہ گاہ کیاں برنشیندۂ
سخن رانگہداشتم سال بیست　　بداں تا سزا وار ایں گنج کیست
جہاں دار محمود بافرّ وجود　　کہ اورا کند ماہ و کیواں سجود

ان اشعار سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچنے

سے بیس سال بیشتر شاہنامہ کا بنیادی پتھر رکھ دیا گیا تھا اور اس عمارت کا زیادہ حصہ تعمیر ہو چکا تھا کیونکہ پینتیس سال ہی زمانہ تصنیف ہے پھر اس واقعہ کی خود فردوسی کے کلام سے تردید ہو گئی تو میں اس امر کی تردید سے باز نہیں آ سکتا کہ سلطان محمود غزنوی نے فردوسی کے اعجاز بیان کی قدر نہ کی اور فردوسی کے شیعہ پن سے اشرفیوں کے بجائے روپے دلوائے یہ علمی تاریخ کا ایک ناگوار واقعہ ہے۔

میں اس واقعہ کو سلطان محمود غزنوی کے ساتھ منسوب کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ محمود غزنوی کے دربار میں ہندو عیسائی یہودی ہر ملت کے اہل کمال موجود تھے بہت سے شیعہ علماء وفضلاء بھی اس کے خوانِ کرم سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ ابوریحان البیرونی کھلم کھلا شیعہ تھا۔ خود محمود غزنوی نے اُسے بلا بھیجا تھا۔

انہی واقعات کے ضمن میں مختلف طریقوں سے ایک رنگ آمیزی یہ بھی کی جاتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کو ایک مدت کے بعد جب اپنے کیے پر ندامت ہوئی تو ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کے پاس روانہ کیں۔ فردوسی اس وقت طوس میں تھا لیکن اتفاق سے شہر کے ایک دروازہ سے جس کا نام درود بار تھا صلہ پہنچا ادھر دوسرے دروازہ سے فردوسی کا جنازہ نکلا۔

فردوسی کی صرف ایک لڑکی تھی لڑکا کوئی نہ تھا شاہی صلہ اس کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن اس بلند ہمت لڑکی نے اس خیال سے کہ میرا باپ اسی حسرت سے مرا ہے صلہ قبول نہ کیا سلطان محمود غزنوی کو اطلاع دی گئی حکم دیا کہ اشرفیاں واپس نہ لائی جائیں بلکہ اس سے فردوسی کے نام پر ایک کارواں سرائے بنائی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس واقعہ کی اصلیت کچھ نہیں ہے محض بے بنیاد قصہ ہے جس طرح سکندر نامہ میں دارا کا مدِ مقابل بجائے سکندر رومی کے سکندر ذوالقرنین قرار دیا گیا اور سکندر ذوالقرنین کے سارے واقعات سکندر رومی کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں اسی طرح لبید شاعر اور امیر معاویہ کا واقعہ سلطان محمود غزنوی اور فردوسی کے گلے منڈھ دیا گیا ہے۔ لبید عامری عرب جاہلیّت کا ایک نامور شاعر تھا۔ جس کا قصیدہ خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکا تھا کہ جسے دعویٰ سخنوری ہو میدان میں آئے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں قبیلہ عامر کے وفد (ڈیپوٹیشن) کا سردار حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہو کر خدمت مبارک میں رہنے لگا۔ پھر جب آفتاب رسالت غروب ہوگیا تو مدینہ سے کوفہ چلا

آیا۔ عہد فاروقی میں جہاں اور شعراء کی تنخواہیں مقرر ہوئیں لبید کی بھی تنخواہ تین سو درہم مقرر ہوگئی۔ ذوالنورین عثمانؓ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے وظیفہ سابق پر سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ مرتضوی خلافت میں سو کا اور اضافہ ہوا۔ غرض کہ عہد خلافت خلیفہ چہارم میں لبید کو پانچ سو درہم ملتے رہے جب علی مرتضیٰ کے بعد معاویہؓ میر شام نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے وہ رقم لبید کو بھیجی جو ذوالنورین عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ملا کرتی تھی' لبید نے واپس کر دیا معاویہؓ یہ سمجھے کہ مقررہ وظیفہ کم کر دینے کی وجہ سے لبید نے واپس کیا ہے پانچ سو کے بجائے چھ سو درہم بھیجے۔ لیکن یہ رقم اس وقت پہنچی جب لبید شاعر کا انتقال ہو چکا تھا اور جنازہ مدفن کی طرف جا رہا تھا۔ لبید نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا تھا صرف ایک لڑکی تھی یہ شاہی وظیفہ اس لڑکی کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن اس کی عالی ظرفی اور بلند ہمتی نے اسے گوارا نہ کیا کہ جس چیز کو اس کے باپ نے جیتے جی ہاتھ نہ لگایا ہو اور رد کر دیا ہو' اس کی لڑکی بسروچشم قبول کرے اور اس سے فائدہ اُٹھائے۔ چونکہ یہ واقعہ کی دلچسپ صورت تھی اس وجہ سے فارسی کے تذکرہ نویسوں نے خدوخال درست کر کے اور رنگ و روغن لگا کر اس تصویر کو فردوسی کے ایوانِ عزت میں نصب کر دیا۔ میں اس واقعہ کی اس وجہ سے بھی تردید کرتا ہوں کہ مسبب (یعنی بجائے اشرفیوں کے روپیہ دینا) کے اسباب و دلائل مختلف بیان کیے جاتے ہیں اور جب اسباب دونوں باہم مختلف و متضاد ہوئے تو بحکم اذاتعارضا تساقطا (جب دو دلائل ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو دونوں دلیلیں ساقط ہو جائیں گی) کوئی سبب اشرفیوں کی جگہ روپے دینے کا نہ رہا' واذافاالسبب فات المسبب (اور جب سبب نہیں رہتا تو مسبب بھی جاتا رہتا ہے) اس کے علاوہ سوائے فارسی تذکرہ نویسیوں کے کتب تواریخ عربیہ میں کہیں اس کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

دیباچہ نویسوں نے جنہیں واقعات کے غلط مسلط کر دینے کا خاص ملکہ حاصل ہے ایک طرفہ تماشا یہ کیا کہ سلطان محمود غزنوی اور خلیفہ بغداد میں خط و کتابت سمرقند کی بابت ہوئی تھی اسے کھینچ تان کر فردوسی اور محمود غزنوی سے متعلق کر دیا ہے ۔

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک بار خلیفہ عباسی قادر باللہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ چونکہ اکثر بلاد خراسان میرے قبضہ تصرف میں ہیں اور

فلاں فلاں شہروں پر خلافت مآب قابض ہیں' بنظر سہولت انتظام مملکت ان شہروں کا اس خانہ زاد کو عنایت فرمائیں۔ خلیفہ عباسی نے اس درخواست کو منظور فرما کے فرمان شاہی بھیج دیا۔ دوبارہ سلطان محمود غزنوی نے اسی قسم کی درخواست سمرقند کی بابت بھیجی۔ خلیفہ عباسی درخواست دیکھتے ہی برہم ہو گیا لکھ بھیجا کہ ''معاذ اللہ میں اس درخواست کو منظور نہ کروں گا اور اگر تم میری اجازت کے بغیر اس طرف قدم بڑھاؤ گے تو میں تم پر دنیا کو تنگ کر دوں گا۔'' سلطان محمود غزنوی کے تیور اس جواب سے چڑھ گئے ایلچی سے ترش رو ہو کر بولا۔ ''جا خلیفہ سے کہہ دے کہ سمرقند کے نہ دینے کا خمیازہ بُرا ہو گا۔ کیا آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں ایک ہزار ہاتھی لے کر دارالخلافت بغداد پر چڑھ آؤں اور اسے ویران کر کے اس کی خاک ہاتھیوں پر بار کر کے غزنی لاؤں۔'' ایک مدت کے بعد دربارِ خلافت سے ایلچی واپس آیا اور سلطان محمود غزنوی کو ایک خط سربمہر دیا۔ خواجہ ابونصر روزنی نے کھولا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف' لام' میم لکھا ہوا تھا اور آخر میں الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد اجمعین تحریر تھا۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ سلطان محمود غزنوی اور اس کے درباری امراء وزراء کا تب دنگ رہ گئے کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ابوبکر قہستانی نے جو ابھی کسی امتیازی درجہ پر نہیں پہنچا تھا عرض کی۔ ''چونکہ سلطان نے بغداد کی پامالی کی دھمکی دی تھی خلیفہ عباسی نے سورۃ الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل کی طرف سی اشارہ کیا ہے کہ جو حال اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اصحاب فیل کا کیا تھا وہی نتیجہ (بغداد پر ہاتھیوں کی فوج کشی سے) تمہارا دیکھنے میں آئے گا۔'' سلطان محمود غزنوی اس جواب سے بے حد متاثر ہوا۔ معذرت کا عریضہ لکھا اور تحائف و ہدایا کے ساتھ ایلچی کو رخصت کیا۔

مؤرخین نے اس واقعہ کی کانٹ چھانٹ کر کے یوں لکھا ہے کہ ''فردوسی غزنی سے نکل کر بحال پریشان ماژندران ہوتا ہوا بغداد آ گیا۔ خلیفہ عباسی بڑی عزت و قدر سے پیش آیا۔ فردوسی نے عربی میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا اور اہل بغداد کی فرمائش سے یوسف زلیخا لکھی۔ سلطان محمود غزنوی کو اس کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی کو لکھ کر بھیج دیا کہ فردوسی کو یہاں پر بھیج دیجیے ورنہ بغداد کو ہاتھیوں کے پیروں سے پامال کر ڈالوں گا۔ دربار خلافت سے خط میں صرف تین حروف الف' لام' میم لکھ کر آئے۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری اس گستاخی کا نتیجہ وہی ہو گا جو اصحابِ فیل کا ہوا تھا لیکن یہ تمام بے سروپا مزخرفات قصے ہیں۔ خوش

اعتقادی اسی کو کہتے ہیں کہ جو واقعہ دلچسپ نظر آیا اپنے ممدوح و معتمد علیہ سے منسوب کر دیا۔

محمود غزنوی کے وزراء

سلطان محمود غزنوی کے عہدِ حکومت میں تین اشخاص عہدۂ وزارت سے ممتاز ہوئے۔ سب سے پہلے ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی قلمدانگ وزارت کا مالک ہوا یہ ابتداء میں خاندان حکومت سامانی کا میر منشی تھا جب ملوک سامانیہ کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہوا تو امیر سبکتگین کے دربار میں عہدۂ وزارت سے سرفراز ہوا۔ سبکتگین کے بعد سلطان محمود غزنوی نے اسے اس عہدہ پر بحال رکھا' علوم وفنون عربیہ سے محض ناواقف تھا لیکن مہماتِ سلطنت و سیاست میں خداداد ملکہ رکھتا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اس کی ناواقفیت کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے شاہی دفاتر میں زبان فارسی رائج کی اور فرامین و احکام عربی کی جگہ فارسی میں تحریر کیے جانے کا حکم دیا۔ دس برس وزارت کرنے کے بعد معزول کیا گیا۔ اس کے بعد احمد بن حسن میمندی وزیر مقرر ہوا۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا رضاعی بھائی اور ہم سبق تھا اس کا باپ عہدِ حکومت امیر سبکتگین میں بست میں مال گزاری وصول کرنے پر مامور تھا لیکن امیر سبکتگین نے بددیانتی کے الزام میں ماخوذ کر کے جیل میں ڈال دیا تھا۔ عوام الناس میں جو مشہور ہے (کہ حسن میمندی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں رتبہء وزارت پر تھا) محض غلط ہے۔

احمد بن حسن میمندی نہایت تیز فہم' منتظم اور خوش خط تھا' ابتداء میں محکمہ کتابت (سیکرٹری) کا افسر اعلیٰ تھا چند دن بعد سلطانی توجہات کی وجہ سے صوبۂ خراسان کا حاکمِ خراج (ممبر بورڈ آف ریونیو) مقرر ہوا۔ جسے کمال خوبی سے انجام دیا اور سلطان محمود غزنوی کی آنکھوں میں بے حد عزیز ہو گیا۔ پھر جب فضل ابن احمد کی طرف سے سلطان محمود غزنوی کو کشیدگی پیدا ہوئی تو قلمدان وزارت احمد بن حسن میمندی کے سپرد کر دیا گیا۔ اٹھارہ سال وزارت کی۔ سپہ سالار امیر التونتاش اور امیر علی خویشاوند کی دراندازی کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے معزول کر کے قلعہ کالنجر میں قید کر دیا۔ تیرہ سال قید کی مصیبتیں جھیل کر عہد حکومت سلطان مسعود میں رہائی پائی اور دوبارہ رتبہء وزارت سے سرفراز ہوا۔ اور 404ھ میں انتقال کر گیا۔

سلطان محمود غزنوی نے احمد بن حسن میمندی کی معزولی کے بعد حسن بن محمد کو

وزارت کا عہدہ عطا کیا اور وہی آخری عہد حکومت سلطان تک عہدۂ وزارت پر مامور رہا۔ حبیب السیر میں ان وزراء کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنی وفات کے وقت سات لڑکے چھوڑے۔ محمد نصر مسعود' محمود غزنوی اسماعیل' ابراہیم اور عبدالرشید۔ ان میں سے محمد' مسعود اور عبدالرشید تخت آرائے حکومت ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت سے فاتح اور کشورکشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود عالم' شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوس سے شاعر' البیرونی سے حکیم' اس کے عہد کے علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرمانروا تھا۔ فارسی اُس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے:۔

وکان مولعا بعلم الحدیث وھو سمیع ویستفسر الاحادیث۔

علم حدیث کا بڑا دلدادہ تھا اس کا سماع کرتا تھا اور اس کے متعلق علماء سے سوالات کیا کرتا۔

ابن اثیر کا بیان ہے:۔

> ''وہ علماء اور اصحابِ کمال کا قدردان تھا۔ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا تھا۔ دور دور سے علماء آ کر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔''

شیخ محی الدین عبدالقادر جواہر مغلیہ میں لکھتے ہیں:۔

> ''سلطان محمود غزنوی ممتاز فضلاء میں تھا۔ فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا''۔

شیخ محی الدین عبدالقادر جواہر مغلیہ میں لکھتے ہیں:۔

> ''سلطان محمود غزنوی بڑا ذی دور رس اور صائب الرائے تھا۔ اس کی مجلس علماء و فضلاء کا مرجع تھی''۔

شیخ محی الدین عبدالقادر نے امام مسعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے:۔

وله التصانيف في الفقه والحديث والخطب والرسائل وله شعر جيد۔

فقہ' حدیث' خطبات' اور رسائل میں سلطان محمود غزنوی کی تصانیف ہیں اور اس کے اشعار بھی اچھے ہوتے ہیں"۔

اس کی مشہور تصنیف التفرید ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تا تارخانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

تاریخ الفسٹن میں ہے:۔

"سلطان محمود غزنوی کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجود یہ کہ سلطان محمود غزنوی نہایت کفایت شعار تھا مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا۔ طلباء اور اربابِ کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔

کتب خانہ

سلطان محمود غزنوی نے یہ کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔

فرشتہ لکھتا ہے:۔

"درجوار آں مسجد مدرسہ بنا نہا دو بنفائش کتب و غرائب نسخ موشح گردانید دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود۔"

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث وکلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔

استوا علی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہیضم اور محدث وفقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کرایا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا تو اسے قبول کیا۔

فکر سخن

سلطان محمود غزنوی خود بلند مرتبہ شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس نے عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء دامن دولت سے وابستہ تھی۔ ابوالحسن علی بن قلوغ خرمن حسن بن اسحاق فردوسی منوچہری و امقالی وغیرہ۔

حمد اللہ متوفی کا بیان ہے :۔

"سلطان محمود غزنوی علماء و شعراء کا قدر دان تھا۔ چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف کیا کرتا تھا۔"

ایک نوارد شاعر کو تین ہزار موتی سلطان محمود غزنوی نے عطا کئے۔ عنصری نے اس واقعہ کو لکھا ہے ؎

بیک عطا کہ ہزاراں گہر بشاعر داد   کزآں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

غزنوی سلاطین کے دور میں علوم وفنون کی ترقی

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرت عام رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں پیشتر خود صاحب علم و فضل تھے۔ سلطان محمود غزنوی کی فتح مندیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی۔ ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوانِ کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔ فردوسی، اسید طوسی، عجدی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری وامغانی سمیت ہر ایک اقلیم سخن کا تاجدار تھا۔

اس کے علاوہ جلیل القدر عربی گو شاعر اس کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے مگر ان

کے کلام کا جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آ سکا۔ بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے۔ مگر عرب تذکرہ نگاروں نے تتمۃ ا۔تتمۃ و تسیہ القصر اور شذرات الذہب میں ان کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر سلطان محمود غزنوی' صاحب تخت و تاج نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہلِ علم میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الغلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اعیانِ فقہاء سے تھا اور فصاحت و بلاغت میں یگانہء روزگار تھا۔ علم فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات' خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں بھی ممالک غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علماء سے معمور تھی وہ علم حدیث کا شائق تھا۔ علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا اور اس طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔

سلطان مسعود بھی علم و علماء کا قدردان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لئے تصنیف کی گئیں۔ فنونِ ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناصحی کی کتاب المسعودی اس عہد کی یادگار ہیں۔ شعراء کا بھی قدردان تھا اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم و فن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔ بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدردان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی۔ کلیہ و دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے اور ابوالمجید مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء

غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں اُن کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے

پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابو الفرح بن مسعود متوفی 484ء رونی اور مسعود بن سلیمان اور روز بہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ رونی کا فضل وکمال یہ ہے کہ عوفی کے بقول انوری جیسا قصیدہ گوشاعر اس کا متبع تھا۔ رونی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ رون کی طرف تھا۔ سور بن سلمان کو سلطان مسعود نے 426ء میں ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر مامور کیا اور وہ یہاں کے امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں امتیاز حاصل کیا۔ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا اور شعراء کی قدردانی کرتا رہا۔

475ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد جب معافی ملی تو ہندوستان میں آ کر خانہ نشین ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایوں کے زمانے تک موجود تھا۔ ابوالعلاء عطار بن یعقوب متوفی 491ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ اور عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تصوف کا بھی ذوق تھا۔ کشف المحجوب میں اس کا ذکر بھی آیا ہے۔

علماء ومحدثین قضاۃ

اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہلِ علم میں سے تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے 426ھ میں ہندوستان بھیجا۔ لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ ہیئت ' نجوم اور فلسفۂ ہنود میں استادِ فن مانا گیا۔ اسی عہد میں گزرا ہے۔ بیرون سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا

جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصرین میں سے تھا اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے۔ وہ سالہا سال ہندوستان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیفات کتاب الہند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ شہرتِ عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی 529ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابوجعفر عمر بن اسحٰق واشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ عوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔

شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی 581ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابوموسیٰ مدنی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود غزنوی بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمظفر سمعانی سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔ حموی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے۔ 540ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی، ابونصر ہبۃ اللہ فارسی اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ

اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخر الدین حسین زنجانی لاہوری کا اسم گرامی سرفہرست آ سکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علوم دین اور راہ سلوک میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لا کر لاہور میں اقامت گزین ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے اسی شب میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شان امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے راہ سلوک طے کی۔ پھر مختلف اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن الواخیر، ابوعلی فضیل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و صالحین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو مستقر بنایا۔ گنج بخش و داتا بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ 465ھ میں واصل بحق

ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت داتا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علوم تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سامنے رکھا یہ آج قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین' کتاب انصاد البقا' اسرار الخلق والمونات' کتاب البیان لااہل ایصان بحر القلوب اور الرعایہ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیاء میں سے تھے۔ سرزمین ہند میں پیدا ہوئے۔ بغداد تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آ کر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہنچایا۔ 577ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودہ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السنہ لقتہ ء الدین یوسف بن محمد درنبوی افاضل روزگار میں سے تھے۔ خسرو ملک کے زمانہ میں درجہ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے۔ اور لاہور میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جوانی میں شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہِ خلائق ہے اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہاء میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلائق بنے۔ 531ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان

غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن نیالتگین متوفی 435ھ تھا اسی طرح ارياق الحاجب بھی سلطان محمود غزنوی کا غلام تھا۔ اس کے زمانے میں لاہور کا والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول 442ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کا مشہور غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی

تھی۔ ایاز و سلطان محمود غزنوی کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجدود کے ساتھ 427ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا۔ امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں 449ھ میں وفات پائی۔

سلطان محمود غزنوی کے کارناموں کی اہمیّت

اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسلام ہمیشہ سے ایک ہی حالت پر ہے۔ بعض افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد سے اسلام مسلسل طور پر بتدریج روبہ تنزل ہے۔ یہ خیال اصل میں درست نہیں ہے۔ مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دینی ترقی و تنزل کے متعدد دور ہوئے ہیں۔ مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے اس کی متعلق مختلف آرا قائم کی ہیں۔ اسلام بھی تمام حقیقی انسانی معاملات کی طرح تبدیل ہوتا رہا ہے اور کبھی مستقل طور پر یکساں حالت میں نہیں رہا۔ ہماری بحث یہاں صرف اسلامی دنیا کے بڑے بڑے تغیرات سے ہے اور کی چنگیز خانی فتوحات کو چار حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں:

1- مسلم ترقی کا دور (622ء تا 748ء) جس میں خلفائے راشدین اور ان کے اموی جانشینوں کے عہد میں عرب' عراق' شام' ایران اور شمالی افریقہ کی فتح شامل ہے۔ یہ دور پر جوش مذہبی سرگرمی کی وجہ سے ممتاز ہے۔

2- خلافت عباسیہ کا دور (748ء تا 900ء)' امن اور فارغ البالی کا زمانہ ہے مگر ملک گیری کے کارناموں سے خالی ہے۔ اس عہد کی خصوصیت ایک ہمہ گیر تہذیب ہے جس کی بدولت تمام ممالک کے تعلیم یافتہ طبقے کی زبان عربی ہوگی۔

3- خاندانی حکومتوں کا دور (900ء تا 1000ء) یہ انقلاب کا زمانہ ہے۔ خلیفہ کی حکومت نیست و نابود ہوکر چھوٹی چھوٹی بادشاہتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اس عہد کی نمایاں خصوصیت ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ ہے جس کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقوں کی زبان عربی کے بجائے فارسی ہوگئی اور عباسیوں کی عالمگیر خلافت کی جگہ ایک جدید شہنشاہی کا آغاز ہوا۔

4- ترکی' ایرانی سلطنتوں کا دور (1000ء تا 1220ء) یہ زمانہ ایرانی نصب العین کے

سیاسی پہلو کو روشن کرتا ہے۔ اس میں غزنویہ' سلجوقیہ اور خوارزمی خاندانوں کی حکومتیں شامل ہیں۔

ایران کی ادبی نشاۃ

محمود غزنوی چھوٹے بادشاہوں' میں آخری تاجدار اور ترکی ایرانی شہنشاہوں میں سے پہلا شہنشاہ تھا اس کی اور اس کے معاصرین کی زندگیوں کو جس چیز نے ابھارا تھا' وہ اسلام نہ تھا بلکہ ایران کی ادبی نشاۃ جدیدہ تھی۔

محمود غزنوی کے عہد میں مذہبی سرگرمی تقریباً ناپید ہو چکی تھی اور جو کچھ تھی وہ دینی مسائل کی بحثوں نے فرقہ وارانہ جنگ کی طرف منتقل کر دی تھی۔ ان مباحث کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب مذہب بے جان ہو جاتا ہے۔ اس دور میں ''ملاحدہ'' کا قلع قمع کرنا اس قدر دلچسپ تفریح طبع کا سامان تھا کہ اس کی خاطر اشاعت و تبلیغ اسلام کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ اسلامی دنیا مشرق سے لے کر مغرب تک فرقہ وارانہ جھگڑوں کی وجہ سے پاش پاش ہو گئی تھی اور ان لوگوں کا ناحق خون بہایا جاتا تھا جو تعصب کے جوش میں تو بے قرار مگر مذہب سے بے بہرہ تھے۔

ایران کے تیز فہم دماغ (میں میں) میخ نکالنے والے مولویوں کی جنگ سے پناہ لے کر اپنی قومی تہذیب کو ازسرنو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ خلافت کے زوال پر چھوٹی خاندانی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ان کو وہ حفاظت اور سرپرستی بہم پہنچائی جس کے وہ ضرورت مند تھے۔ ہر صوبے کا دربار ایک تجدیدی تحریک کا مرکز بن گیا۔ قدیم ایرانی روایات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ازسرنو رواج دیا گیا۔ فارسی عوامی کی بولی ہونے کی وجہ سے متروک ہو چکی تھی۔ اس نے قومی زبان ہونے کا رتبہ حاصل کر لیا۔ ایک ایسی زبان' جو سخت سے سخت ردیف و قافیے کی قید کی بآسانی متحمل ہو سکتی تھی' ہر شخص جو شد بد جانتا تھا شعر کہنے لگا' اور معمولی استعداد کے شعرا کو ناموری کے خواب نظر آنے لگے۔ اس کے علاوہ کیانی اور ساسانی شہنشاہیوں کی گزری ہوئی شان و شوکت اور اس کی دلفریب خیالی تصویر نے تخیل پسند دماغوں پر رفتہ رفتہ ایسا تسلط کیا کہ وہ قطعی طور پر پیغمبر خدا کی راہ سے بے راہ ہو گئے۔ لیکن یہ انقلاب لاعلمی میں ہوا جس طرح یورپ میں ازمنہ وسطیٰ کے علماء فلسفہ ارسطو کو توریت کے احکام عشرہ کی تفسیر خیال کرتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے معاصرین بھی اصول قرآن

اور شاہنامے کے اسباق میں کوئی فرق نہ سمجھتے تھے۔ رسول خداؐ اور صحابہ کرام تو چند اصولوں کے علمبردار تھے جن کی اشاعت میں وہ جنگ تک کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے۔ مگر ایران کے ان حکایتی مشاہیر نے اپنے پرستاروں کے دلوں میں محض شان اور ایک باجبروت شہنشاہی کی ہوس پیدا کر دی' جس کا کوئی اخلاقی مقصد نہ تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی دنیاوی ہوشمندی کا سبق ان کو ذہن نشین کرا دیا جیسا کہ گلستان سعدی نے بعد کی نسلوں کے بچوں کو سکھایا۔ اس دانائی کا مطمح نظر سراسر خودغرضی سے ملوث اور اعلیٰ مقاصد سے ناآشنا تھا۔

اس نئی روح نے ایک طرف تو ایک نئی تہذیب کے ارتقاء میں مدد دی اور رزم و بزم دونوں میں نفاست و خوشنمائی کا ماحول پیدا کر دیا اور دوسری جانب ایک لاحاصل اور فضول لڑائیوں کے دور کا آغاز کیا جن کی بدولت مقامی حکمراں' باغی عہدہ دار' قبیلوں کے سردار حتیٰ کہ من چلے ڈاکو بھی سکندر اعظم کی غیر مستقل عظمت تک پہنچنے کی توقع کرنے لگے۔ ترکوں کی جنگجو فطرت کا خدا بھلا کرے جس نے لڑائی کو کھیل اور مردانگی کی صفت بنا دیا۔ بجائے اس کے کہ حصول امن کا تکلیف دہ ذریعہ سمجھی جاتی۔ سلطان محمود غزنوی سے ایک دہائی پیشتر تک' چھوٹی خاندانی حکومتوں کا فرمانروا اپنے آپ کو جمشید اور کی خسرو سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ درباری شعراء ان کی تعریف و توصیف میں بڑھا چڑھا کر وہ وہ قصائد لکھتے کہ جن کو سن کر اہل خرد خفت محسوس کریں۔ اس کا ان کو بیش بہا معاوضہ ملتا تھا۔ ان کے جانشین محمود اعظم نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کے لیے انہوں نے آپس میں لڑکر جانیں دیں۔ اس نئے سکندر کی شخصیت کے آگے ان سب بادشاہوں اور حکمرانوں کو عجز و انکسار سے سرنگوں ہونا پڑا۔ لیکن اس کروفر کے باوجود اخلاقی اعتبار سے یہ دیو بھی اسی قماش کا تھا جس کے وہ بونے تھے جو پہلے ہو گزرے تھے۔ یہ سلطان محمود غزنوی کی حسن سیرت نہیں بلکہ لیاقت تھی جس نے اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔

سلطان محمود غزنوی کی علمی صلاحیتیں

سلطان محمود غزنوی کی ادبی نشاۃ جدیدہ اگرچہ زیادہ نکتہ سنج نہ سہی لیکن عظیم الشان مربی ضرور تھی۔ کم و بیش چارسو شعراء ہر وقت اس کے دربار میں حاضر رہتے۔ عنصری سب کا سرتاج تھا۔ ان کا فرض منصبی سلطان کی مدح سرائی تھا۔ سلطان محمود غزنوی باوجود بخیل مشہور ہونے کے ان کے حق میں بے حد فیاض تھا۔ غصائری رازی کو جورے کا ایک شاعر تھا' ایک

قصیدے کے صلے میں چودہ ہزار درہم عطا کئے گئے۔ اور ملک الشعراء عنصری کا منہ ایک برجستہ قطعہ کہنے پر تین بار موتیوں سے بھرا گیا۔ منجملہ اور لوگوں کے جو دور ونزدیک سے جمع ہوگئے تھے...... فرخی جس نے دلکش بحر میں ایک دلفریب قصیدہ کہا تھا' منوچہری جس کو شراب کا مضمون باندھنے میں ید طولیٰ حاصل تھا اور عسجدی جس نے ذیل کی مشہور و معروف رباعی لکھی ہے' بہت مشہور ہیں۔

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ
وز عشق بتان سیم غبغب توبہ
در دل ہوس شراب' بر لب توبہ
زیں توبہء نا درست یا رب توبہ

یہ امر مسلمہ ہے کہ سلطان کی سرپرستی نے اوسط درجے کی قابلیت کے لوگوں کی بہت ہمت افزائی کی مگر کسی کامل شخصیت کا دستیاب کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ایسی ہستیوں نے کسی ملک اور کسی زمانے میں بادشاہوں اور جمہور کے آگے جھکنا کبھی گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا سلطان محمود غزنوی کو بھی اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نسل انسانی کے لئے ابھی ایسا طریقہ دریافت کرنا باقی ہے جس کی بدولت وہ اپنی اکمل ترین ہستی سے کام لے سکے۔ فردوسی کے مشہور و معروف افسانے کی جو کچھ بھی اصلیت ہو' ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ یہ اسی کا دم تھا جس نے قوم پرستی کو ایران کا مذہب بنا دیا۔ اس کے متعلق جو یہ روایت ہے کہ وہ افراسیابی (ترکی) خاندان کے شہنشاہ کے پاس سے فرار ہوگیا تھا' اس سے واقعی طور پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایران کی کماس طبائع پر کسی قسم کا غبار چھایا ہوا تھا۔ فردوسی کا سا حشر اور دو اشخاص کی قسمت میں لکھا تھا جو طبائع اور وضع میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشہور حکیم بوعلی سینا نے سلطان محمود غزنوی کے دربار میں آنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ بادشاہ کو اس حکیم کے خیالات اور آزاد خیالی ناگوار ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس جگہ اور جس شہر میں وہ جاتا سلطان محمود غزنوی کے عمال اس کا تعاقب کرتے' یہاں تک کہ بالآخر وہ رے کے دیلمی بویہیہ حکمراں کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ برخلاف اس کے اس کا دوست مشہور ریاضی داں' البیرونی جس کے ہندو فلسفے کے مطالعے پر اس طوفانی دور تعصب میں تعجب ہوتا ہے' اپنے ہم عصر کی طرح خوش قسمت نہ تھا۔ وہ اپنے

وطن خوارزم میں گرفتار ہو کر مقید ہو گیا اور پھر وہاں سے ہندوستان جلا وطن کر دیا گیا۔ جہاں اس نے سیر و سیاحت کے بعد ''تاریخ الہند'' جیسی غیر فانی کتاب تصنیف کی۔

شاعری

سلطان محمود غزنوی کے زمانے کی شاعری اس دور کے جذبات کا آئینہ ہے۔ بظاہر تو بہت مرصع اور خوشنما معلوم ہوتی ہے مگر گہرائی مطلق نہیں ہے۔ صوفیانہ خیالات اس وقت تک رائج نہیں ہوئے تھے اور نہ غزل جو صوفیانہ جذبات کی جان ہے ابھی تک دریافت ہوئی تھی۔ شعراء کا خاص مشغلہ اپنے ولی کی نعمتوں اور سرپرستوں کی شان میں قصیدے کہنا تھا۔ فردوسی کی ذہانت نے مثنوی کو رائج کر دیا اور اس کے استاد اسدی کو ''مناظرہ'' کی جدت پیدا کرنے کا فخر حاصل ہے۔ مگر یہ جدت زیادہ قابل قدر نہ تھی۔ اس لیے کہ مناظرے میں شاعرانہ خیالات کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ شعراء دفع الوقتی کے لیے قطعے اور رباعیاں کہا کرتے تھے لیکن اپنی کمزوریوں کے باوجود غزنوی شعراء میں ایک قسم کی تروتازگی نظر آتی ہے جو بعد کی نسلوں میں مفقود ہے۔ ان میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے مادی وشحالی اور فارغ البالی کا لطف اٹھایا تھا اسی لیے وہ زندہ عورتوں کے حسن اور شراب کے دلفریب کیف کی تعریف کرنے کے دلدادہ تھے۔ ان کے انسانی جذبات کی اصلیت نے ان کو بعد کے دوروں کی بے معنی لفاظی میں پڑنے نہ دیا۔ ان میں اگر اپنے صوفی جانشینوں کے عمیق خیالات کی کمی ہے تو ہو' کم از کم ان کی شاعری اصل زندگی سے تو تعلق رکھتی ہے۔

شاعر وہی بیان کرتا ہے جس کو سامعین جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ خواہ وہ میدان جنگ میں ہتھیاروں کی جھنکار ہو یا محفل عیش میں احباب کے ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کی خوشی' خواہ مردوں اور عورتوں کے بے تعداد جذبات ہوں جن کی اصلی جاذبیت کو مصنوعی تہذیب نے زائل نہیں کیا ہے۔ یا پھر وہ سب میں بڑھ کر اپنے محبوب وطن کی شان وشوکت یا رنج والم کی داستان ہو۔ اس زمانے کے تعلیم یافتہ اشخاص کے خیالات اور جذبات کو شعراء اپنے اشعار کا موضوع نہیں بناتے تھے۔ فارسی شاعر کا وہ دور عظیم جو سعدیؒ سے شروع ہو کر جامیؒ پر ختم ہوتا ہے ابھی نہ آیا تھا۔ یا یہ کہ جو کامیابی شعراء کو اپنی عملی ذہانت کی وجہ سے حاصل ہوئی وہ اس سے کہیں زیادہ مستحکم اور پائیدار تھی جس کے لیے سپاہیوں نے بیکار

کوششیں کیں۔ سلطان محمود غزنوی کی سلطنت اس کی موت کے بعد تحلیل ہو کر رہ گئی لیکن شاہنامہ زندہ و جاوید ہو گیا۔

ہندوستان میں محمود غزنوی کی کارکردگی الگ بحث طلب موضوع ہے' لیکن وہ بنیادی طور پر ایک وسط ایشیائی حکمران تھا۔ عجم کی تاریخی سرزمین بہشت ارضی اور غزنویوں کی امیدوں کا مرکز تھی۔ خلافت کا عالمگیر نظم و نسق تباہ ہو چکا تھا اور اب اس کی بحالی خارج از امکان تھی۔ نئی شہنشاہی اپنے دنیوی اور ایرانی نکتہ نظر کے ساتھ کچھ نسلوں تک موجود رہی۔ اب شہنشاہی کا مطلب دو باتیں تھیں۔ اولاً یہ کہ چھوٹی اقلیمیں فتح کی جائیں اور ان کی مسلمان رعایا کو جو ایرانی تہذیب کی دلدادہ تھی' کو ایک سلطنت کے زیر انتظام لایا جائے۔ ثانیاً یہ کہ ایک ایسی منصفانہ اور رحمدل انتظامیہ قائم کی جائے جو مشترکہ سلطنت کی رعایا کے تمام گروہوں میں مفاہمت پیدا کر سکے اور امن و خوشحالی کا دور دورہ ہو۔ سلطان محمود غزنوی کی کارکردگی پہلے مطمع نظر سے تو قابل ذکر ہے لیکن دوسرا مقصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔ غزنی سلطنت کے عروج نے ہم عصروں کو حیرت زدہ کر دیا تھا' لیکن وہ اس کے تیز تر زوال پر بھی کم حیران نہ تھے۔

بطور انسان

سلطان محمود غزنوی ایک نفیس اور مہذب انسان تھا۔ وہ ادب اور فنون لطیفہ میں نظر آنے والی ہر خوبصورت چیز کا جبلی طور پر مداح تھا لیکن وہ عسکری امور میں ان سب باتوں پر سبقت لے گیا۔ جنگ و جدل کا جنون تو موجود تھا لیکن ساسانی سلطنت کے خاتمہ کے بعد سے کمزور پڑ گیا تھا جب دوسرے خلیفہ کی فوجیں ایرانی سرزمین پر ناقابل تسخیر حملہ آور بن کر نمودار ہوئی تھیں۔ اب مشرق میں سکندر کی فتوحات کی یاد تازہ ہو گئی تھی' لیکن غزنویوں کی فتوحات کو بالادستی حاصل تھی۔ تاتاری وحشیوں کو دریائے جیحوں کے اس پار جنوب میں دھکیل دیا گیا تھا۔ ایران کی خاندانی حکومتیں' ہمیشہ کے لیے مٹا دی گئی تھیں۔ اصفہان سے بندھیل کھنڈ اور سمرقند سے گجرات تک غزنویوں نے ہر مدمقابل کو زیرنگیں اور ہر حریف کو مغلوب کر لیا۔ مغلوب ہونے والے لوگ بزدل نہیں تھے' وہ بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ وہ اسی جوش اور جذبہ سے کٹ مرنے پر تیار رہتے تھے جیسے ان کے مدمقابل غزنوی تھے۔ ان دونوں کے درمیان فرق صرف سلطان محمود غزنوی کی جدید حکمت عملی تھی۔

راجپوتوں کے ٹڈی دل اور تعداد پر بھروسہ رکھنے کے ان کے طفلانہ اعتماد کے مقابلے میں وہ میدان جنگ میں ایسی فوج لایا جسے ایک سردار کے احکامات پر سر تسلیم خم کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ اسی طرح موٹے دماغوں والے تاتاریوں کو اپنے حوصلوں کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ قسمت پر بھروسے کا منظم صفوں کے زبردست حملوں سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ موقعہ شناسی اور ہتھکنڈوں کی بجائے بھرپور حکمت عملی سلطان محمود غزنوی کا اصل وصف تھا۔ غزنی میں اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے اس کی عقابی نظریں مشرق اور مغرب میں ہر چیز کو غور سے اپنے مشاہدہ میں رکھتیں۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ کہاں اور کب ضرب لگائی جائے اور وہ ہمیشہ بھرپور قوت کے ساتھ ضرب لگاتا۔ اس کی تیز تر پیش قدمی اور اچانک حملے دشمنوں کو حیران و ششدر کر دیتے۔ جو آدمی ایک ہی موسم سرما میں ملتان کے قرامطیوں کا سر کچلتا ہے' بلخ میں تاتاریوں کو شکست دیتا ہے اور پھر بھی اس کے پاس اتنا معقول وقت ہو کہ وہ جہلم کے کنارے اپنے باغی سردار کو گرفتار کرنے کے لیے جا پہنچے' وہ اپنے دلیر لیکن سست رفتار ہم عصروں میں تباہی پھیلانے میں کیسے ناکام رہ سکتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی اپنی تمام تر بہادری کے باوجود بہت محتاط آدمی تھا۔ اس نے کبھی ایسے دشمن پر حملہ نہ کیا جو بہت طاقتور ہو اور وہ اس پر غالب نہ آ سکے۔ وہ کبھی اپنی کسی مہم میں ناکام نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے ناممکن مہم کا کبھی انتخاب ہی نہیں کیا تھا۔ ہندوستان پر حملے' جن میں سلطان محمود غزنوی کی عسکری ذہانت عروج پر نظر آتی ہے' بہادری اور احتیاط کا خوبصورت امتزاج ہیں۔

انتظامی امور نے کبھی سلطان محمود غزنوی کو متفکر نہ کیا۔ جب وہ خود فوج کی کمان سنبھال کر مہم جوئی پر نکلتا تو حکومت کے معاملات وزراء کے سپرد کر دیتا۔ اس کے شہری عمال میں وہ استعداد موجود تھی جو سلطان محمود غزنوی کو مطلوب رہتی۔ وہ اتنے ہی منظم' سخت گیر منتظم اور محنتی تھے جتنے سلطان محمود غزنوی کے عسکری ساتھی۔ لیکن ان میں ایک کمی تھی' وہ اپنے سردار جیسی وسیع بصیرت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اس کے مفتوحہ علاقوں میں ایسی انتظامی مشینری نہ قائم کر سکے جو مستقل بنیادوں پر کوئی پائیدار انتظام تشکیل دے سکتی۔ اس کے وزیر بہت عیار اور اپنے ہتھکنڈوں میں بہت ماہر تھے لیکن تمام انتظامی ماہرین کی طرح وہ نظریاتی وابستگی سے محروم تھے۔ ایسے میں کوئی بھی سلطنت جو نظریاتی بنیادوں سے محروم ہو تو پھر وہ ریت کا محل ہی ثابت ہوتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی کے اقتدار کے ابتدائی دو برسوں میں اس کے باپ کا وزیر عبدالعباس فصیح احمد بن اسفارین اپنے عہدے پر برقرار رہا۔ عبدالعباس' عربی سے نابلد تھا۔ اس نے فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اس جدت کو اس کے معروف جانشینوں نے ترک کر دیا۔ تعلیم سے محرومی کے باوجود عبدالعباس کو امور سلطنت کا وسیع تجربہ تھا' جو ایک ایسے شخص سے یقیناً متوقع ہوتا ہے' جو ایک منشی کے معمولی عہدے سے ترقی کرتا ہوا سلطنت کے دوسرے بڑے بااختیار منصب تک پہنچا ہو اور جو سلطنت کی انتظامیہ اور فوج میں شاندار خدمات سرانجام دے چکا ہو۔ لیکن سلطان محمود غزنوی کا اس سے ایک ترک غلام کی تحویل پر جھگڑا ہو گیا۔ معزول وزیر کو ان رقیب عمائدین سلطنت نے اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا جو اسے اس کی تمام دولت سے محروم کرنا چاہتے تھے۔

عبدالعباس کے جانشین' خواجہ احمد بن حسن میمندی نے اپنے ہم عصروں پر بھرپور تاثر قائم کیا کہ وہ سلطان کے بعد سب سے زیادہ بااختیار ہے۔ خواجہ احمد بن حسن' سلطان کا منہ بولا بھائی اور ہم مکتب تھا۔ وہ ساری عمر غزنوی خاندان کا غیر متزلزل وفادار رہا۔ اس بے عیب وفاداری نے اس کی مکمل اطاعت میں کبھی دخل اندازی نہ کی جو سلطان اپنے ماتحتوں سے چاہتا تھا۔ اس کا باپ حسن میمندی' بسط میں زرمالیہ اکٹھا کرنے کے منصب پر مامور تھا۔ سبکتگین نے اسے غبن کے الزام میں تہ تیغ کر دیا۔ اس افسوس ناک واقعے نے بیٹے کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ سلطان کے لیے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہوتا اگر اس کے وزیر کی انتظامی قابلیت شامل حال نہ ہوتی۔

احمد ایک زبردست عالم' پرلے سرے کا جوڑ توڑ ملانے والا اور معاملات میں سخت تھا۔ اس نے اٹھارہ سال تک حکومت کا کام جس خوبی سے انجام دیا' اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ''دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند'' ایک مشہور مثل ہے۔ ایک زبردست بادشاہ اور ایک زبردست وزیر کا نباہ بھی مشکل تھا۔ کبھی نہ کبھی بگاڑ کا ہونا لازمی تھا۔ گو خواجہ کی شیریں زبانی اور بے لاگ نمک حلالی نے عرصے تک اس کی نوبت نہ آنے دی۔ خواجہ احمد کا غیر معمولی عروج لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ سلطان کے داماد امیر علی اور سپہ سالار التون تاش کی سرکردگی میں ایک بڑی جماعت اس کے خلاف قائم ہو گئی۔ سلطان محمود غزنوی کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ سلطان کا کوئی کام بغیر خواجہ کے بخیر وخوبی انجام پا ہی نہ سکے۔ اس نے تہیہ کر لیا

کہ وہ خواجہ کے وجود کو سلطنت کے لیے غیر ضروری ثابت کر کے چھوڑے گا۔ چنانچہ اس کو ہندوستان کے ایک قلعے میں مقید کر دیا۔ اور یہ دکھانے کے لیے کہ اگر ضرورت ہو تو یہ عہدہ ہی توڑا جا سکتا ہے' سلطان نے ایک عرصے تک کسی وزیر کا تقرر نہیں کیا۔ بالآخر اس کی نظر انتخاب احمد حسن بن میکال پر پڑی جو عام طور پر حسنک کے نام سے مشہور تھا۔ یہ نیا وزیر سلطان کے مقرب دوستوں میں سے تھا اور جس قدر اپنی قوت تقریر کی بنا پر مشہور تھا' بدقسمتی سے اسی قدر درشتی مزاج کی وجہ سے بدنام بھی تھا۔ اس کی کج فہمی تھی جو اس نے سلطان محمود غزنوی کی وفات پر وراثت کے جھگڑے میں غلط راہ اختیار کی اور اس کا نتیجہ بھگتا۔

سلطان محمود غزنوی منصف مزاج ضرور تھا اور اس کے انصاف کی بہت سی حکایتیں اور داستانیں بھی مشہور تھیں مگر اس کی معدلت گستری صرف اس حد تک محدود تھی کہ چند معاملات جو اس کے سامنے پیش ہوئے ان کا اس نے دانائی سے فیصلہ کر دیا۔ جن قزاق سرداروں کے قلعے سلطنت کے مختلف حصوں کے مابین باہمی ربط قائم کرنے میں مانع آتے تھے ان کو مغلوب کرنے کی طرف اس نے ذرا بھی توجہ نہ دی۔ پہلے جس کام کا انتظام چھوٹے چھوٹے بادشاہ برسر موقع کیا کرتے تھے اب اس کے انجام دینے کے لیے سرکاری پولیس کا کوئی نظام مرتب نہیں کیا گیا۔ عہد وسطیٰ کے شہروں اور قصبوں کی مسلح اور منظم آبادیاں بدنظمی کا سدباب کرنے کے لیے حکومت سے صرف تھوڑی سی مدد کی محتاج تھیں مگر اتنا بھی نہ ہو سکا۔ اگر غزنوی حکومت کا سلجوقیوں اور شاہان دہلی کی حکومت سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی میں کس عنصر کی افسوس ناک کمی تھی۔ اس کے نام سے کوئی قانون اچھا یا بُرا جاری نہیں ہوا۔ نہ کوئی مشہور انتظامی حکم اس کے ذکی الفہم دماغ نے اختراع کیا۔ سلطان محمود غزنوی کا دماغ سوائے روز افزوں شان و شوکت کے کسی اور اعلیٰ اور برتر چیز کے تصور سے قاصر تھا۔ مختلف لوگ مثلاً ہندی' افغانی' ترک' تاتاری' ایرانی قوت کے زور سے سلطنت میں شامل ہو گئے تھے مگر سوائے اس کے کہ ایک بادشاہ کی رعایا ہونے کے لحاظ سے ایک کہے جائیں اور کوئی رابطہ اتحاد ان کے مابین نہ تھا۔ ممکن تھا کہ ایک پرمغز مستحکم اور فائدہ رساں انتظام حکومت کی برکات دیکھ کر وہ اپنی آزادیوں کے سلب ہو جانے کا غم بھول جاتے لیکن سلطان محمود غزنوی یہ کہاں سے مہیا کرتا۔ سلطنت کے برقرار رہنے میں اگر کسی کو دلچسپی تھی تو صرف سلطان اور اس کے عمال سلطنت کو۔ چنانچہ جب سلطان محمود

غزنوی کی وفات کے نو برس بعد سلجوقیوں نے اس کھڑاگ کو نکال باہر کیا تو کسی نے اس کی قسمت پر چار آنسو بھی نہ جائے۔ ان امور کو مدنظر رکھ کر تاریخ مشرق میں سلطان محمود غزنوی کے رتبے کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

23 ربیع الاول 421ھ مطابق 19 اپریل 1030ء میں 63 برس کی عمر میں پیغام اجل آ گیا۔ کہتے ہیں کہ دو دن مرنے سے پہلے حکم دیا کہ سارے جواہر خانے اور دولت کے خزانے باہر لا کر سجاؤ۔ جس وقت ایک میدان میں شامیانے کے نیچے یہ نفائس سجائے گئے وہ ایک چمن معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان محمود غزنوی جو اقبال کے گھوڑے پر ہمیشہ سوار رہتا تھا ایک پالکی میں پڑا ہوا نیم جان آیا۔ چہرہ پر مردنی کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ چار سوار کان سلطان سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ سلطان محمود غزنوی چاروں طرف ان چیزوں کو دیکھتا تھا اور سرد آہیں بھرتا تھا اور روتا تھا۔ بعدازاں حکم دیا کہ ان خزانوں کو لے جاؤ۔ پھر وہ ایک میدان سبز میں گیا اور حکم دیا کہ اصطبل سے اسپان تازی اور فیل خانہ سے فیلان کوہ پیکر اور شتر خانہ سے شتران قوی ہیکل منگا لے جائیں یہ بھی مرصع جھولوں میں ایک طلسم کا عالم دکھا رہے تھے۔ ان کو بھی دیکھ دیکھ زار زار رویا مگر حیف ہے کہ اس وقت ایک پیسہ کسی شخص کو ہاتھ اُٹھا کر نہ دیا۔ سلطان محمود غزنوی کا یہ قطعہ مشہور ہے ۔

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست	بسے مصاف شکستم بیک اشارت پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت	بقا بقائے خدا است و ملک ملک خدائے

(سلطان محمود غزنوی کی خلت و عادات)

آخر عمر میں سلطان محمود غزنوی کو خبر ہوئی کہ ایک شخص نیشاپور میں دولت رکھتا ہے۔ اُس کے حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا جب وہ حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تو ملاحدہ اور قرامطہ میں سے ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نہ ملحد ہوں نہ قرمطی ہوں یہ دونوں عیب نہیں۔ مگر ایک بڑا بھاری عیب یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضور لے لیں مگر مجھے بدنام نہ کریں۔ پھر اس کا سارا مال لیکر اُس کے ایماندار ہونے کا فرمان سلطان نے لکھ کر دیا۔

ایک دفعہ سلطان کے پاس ایک دادخواہ آیا۔ اُس پر التفات فرما کر حال پوچھا۔ وہ بولا کہ میرا حال اس جلسہ میں کہنے کے قابل نہیں خلوت میں چلئے تو عرض کروں۔ اُس

وقت سلطان خلوت میں آ گیا۔ وہاں عرض کی کہ آپ کا خواہرزادہ میری بی بی کے پاس آتا ہے اور شب بھر رہتا ہے اور مجھے مار کر نکال دیتا ہے۔ اس کا انصاف آپ کی اعیان دولت سے چاہا مگر کسی نے کچھ نہ سنا۔ اب آپ انصاف کیجئے نہیں تو خدا انصاف کرنے والا ہے۔ اس کے کہنے سے سلطان کو رونا آ گیا۔ اس سے کہا کہ تو نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا۔ اُس نے عرض کیا کہ بھلا مجھے یہاں کون آنے دیتا ہے۔ آج بھی نہیں معلوم کہ کیا اتفاق ہے کہ میں حضور تک پہنچ گیا۔ سلطان نے فرمایا کہ جس وقت وہ شخص تیرے گھر میں آئے مجھے اطلاع کر اور اُس کو اطلاع کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ غرض تیسرے روز دادخواہ پھر آیا۔ سلطان محمود غزنوی تلوار ہاتھ میں لے کر اُس کے ساتھ ہو لیا اور اُس کے مکان پر پہنچا۔ دونوں سیاہ کاروں کو سوتے پایا۔ چراغ گل کرایا اور تلوار کا ایک ہاتھ اُس مرد پر ایسا مارا کہ قصہ پاک ہوا۔ پھر اُس کا منہ دیکھ کر خدا کا شکر بجالایا اور پانی مانگا اور خوب ڈگڈگا کر پیا اور اُلٹا چلا۔ اُس شخص سے کہا کہ اب تم آرام سے سوؤ۔ اُس آدمی نے چراغ بجھانے اور پانی مانگنے کا سبب پوچھا۔ اُس پر فرمایا کہ چراغ گل کرنے کا سبب یہ تھا کہ اُس کا منہ دیکھنے سے محبت کا جوش نہ کر آئے۔ اور پانی مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت سے یہ بات میں نے سنی تھی قسم کھائی تھی کہ جب تک اس ظلم کو دور نہ کروں گا کھانا پانی مجھے حرام ہے، تین روز تک اسی انتظار میں بسر ہوئے۔ اب تو آیا اور شروفساد دور ہوا۔ پیاس کی شدت تھی اُس کو بجھایا۔

عراق کی فتح پر تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ وہاں کے شرقی بیابان میں ایک قافلہ سوداگروں کا لٹ گیا ایک عورت روتی دھوتی فریاد لے کر سلطان محمود غزنوی کے پاس آئی کہ میرا بیٹا مارا گیا اور سب احباب مال غارت ہوا۔ یہ فریاد سن کر سلطان محمود غزنوی نے فرمایا کہ ملک دور دراز ہے۔ اُس کا انتظام دشوار اور مشکل ہے۔ عورت نے دل کڑا کر کے یہ کہا کہ جب تجھ سے دور کے ملکوں کا نظم ونسق نہیں چل سکتا تو پھر کیوں ملکوں کو فتح کرتا ہے اس بات کو خوب یاد رکھ کہ اُن کی حفاظت اور حراست کی جواب دہی تیرے ذمہ ہو گی۔ اس لعنت ملامت سے سلطان محمود غزنوی نادم ہوا۔ عورت کو بہت کچھ دے دلا کر راضی اور رخصت کیا اور آئندہ ایسا انتظام کیا کہ قافلہ کا لٹنا موقوف ہوا۔

تاریخ بناکتی میں لکھا ہے کہ خراسان میں جب سلطان محمود غزنوی گیا لوگوں نے اُس سے کہا کہ آپ شیخ ابوالحسن فرقانی کی زیارت کیجئے۔ سلطان نے کہا کہ میں اس سال

اپنے گھر سے مصالح خران کیلئے آیا ہوں' زیارت کے عزم سے نہیں آیا۔ یہ شرط ادب نہیں ہے کہ کسی دوسرے کام کی تحصیل سے مقربان کی زیارت کی جائے۔ اس نے غزنی میں آ کر پھر زیارت شیخ کی نیت کی پھر وہ فرقان گیا اور شیخ کو پیغام بھیجا کہ سلطان غزنی سے آپ کی زیارت کو آیا ہے۔ اگر آپ خانقاہ سے اُس کی بارگاہ میں تشریف لائیں تو آپ کے الطاف سے بعید نہ ہوگا۔ ایلچی سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس آنے سے انکار کرے تو یہ آیت سنا دینا کہ "یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامرمنکم رسول" یہ پیغام شیخ کے پاس پہنچایا تو شیخ نے جانے سے انکار کیا رسول نے جب یہ آیت پڑھی تو شیخ نے کہا کہ مجھے معذور رکھو اور سلطان محمود غزنوی سے کہہ دو کہ میں "اطیعوا اللہ" میں ایسا مستغرق ہوں کہ "اطیعوا الرسول" سے خجل ہوں چہ جائیکہ میں "اولی الامر منکم" کی طرف متوجہ ہوں ایلچی سلطان کے پاس آیا اور یہ حال سنایا یہ سن کر سلطان محمود غزنوی کو رقت آئی اور اُس نے کہا کہ چلو یہ آدمی ایسا نہیں ہے جیسا میں نے گمان کیا تھا۔ سلطان شیخ کی خدمت میں گیا اور اس سے درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے شیخ نے اُس کو یہ نصیحتیں کیں۔ اول پرہیزگاری دوم نماز باجماعت۔ سوم سخاوت چہارم خلق پر شفقت' سلطان کو دعا دی کہ عاقبت محمود غزنوی۔ بعد میں اپنا خرقہ دیا۔ جب سلطان رخصت ہوا تو اُس کی تعظیم سروقد دی۔ سلطان نے عرض کی کہ جب میں آیا تھا تو آپ نے یہ التفات نہ فرمایا تھا۔ اب جاتے وقت یہ تعظیم کیوں ہے۔ شیخ نے اس کا سبب یہ بتلایا کہ جب آپ آئے تھے تو رعونت بادشاہی اور نخوت امتحان آپ کے ساتھ تھی۔ اب جاتے وقت انکسار اور درویشی ہمراہ ہے۔ سلطان نے دو دفعہ اس خرقہ کو اس وقت میدان جنگ میں پہنا تھا کہ نہایت تنگ تھا اور فتح یاب ہوا۔ سلطان نے ملاقات کے وقت شیخ کی نذر میں درہ زر پیش کیا تو شیخ نے روٹیاں سلطان کے روبرو رکھ کر کہا کہ کھاؤ۔ سلطان نے جب اُن کو کھایا تو وہ گلے میں اٹک گئیں پھر تو شیخ نے کہا کہ آپ کی روٹی حلق سے نیچے نہیں اُترتی۔ سلطان نے کہا کہ ہاں۔ شیخ نے کہا کہ یہ آپ کا درہ زر ہمارے گلے میں اٹکتا ہے۔ ہم نے زر کو طلاق دیدی ہے اُسے اٹھالو۔ اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کیسا خوش عقیدہ تھا اور شاہ وگدا میں اس وقت کن اخلاق کا برتاؤ ہوتا تھا۔ فقیر بادشاہوں کو اخلاق کی تعلیم کیونکر کرتے تھے۔

سلطان محمود غزنوی کی سپاہ میں ترکی تاتاری' عربی' ایرانی اور ہندی قوموں میں

سے ملازم تھے۔ سلطان محمود غزنوی کی سپاہ کا حال یہ تھا کہ ترکی، غزنی میں فتح مند ہو کر نہیں بلکہ لونڈی غلام بن کر آئے۔ مگر انہوں نے وفاداری، ایمانداری، جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ معتمد کاموں پر وہ مقرر ہونے لگے۔ ان کے اعتماد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اس ملک سے کچھ تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ بیگانہ تھے۔ ایسی حالت میں اعتماد ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاتاری اور اہل عرب خانہ بدوش اور سپاہی ہونے میں برابر تھے۔ مگر تاتاریوں میں بلند دماغی عربوں کی سی نہ تھی۔ تاتاری فقط سپاہیانہ کاموں سے مناسبت رکھتے تھے مگر علم میں ان کا ذہن کند تھا۔ عربوں نے دین قانون علم حکمت کی صورتوں کو بدل دیا۔ بہت کچھ ان میں اپنے ذہن دقیق سے اضافہ کیا مگر تاتاریوں نے ان کاموں میں سے ایک کام نہیں کیا۔ وہ صرف سیدھے سادے سپاہی رہے۔ ایرانی ان سب میں غضب کے تھے ان میں چستی چالاکی تاتاریوں کی سی تیز فصی عربوں کی سی اور فریب مکاری ہندوؤں کی سی تھی یہ سب صفات اُن کی ذات میں ایسی جمع تھیں کہ ملکی کاموں میں وہ سب قوموں پر سبق لے گئے یہ ایرانیوں کی استادی تھی کہ ہندوستان کی درباری بادشاہی زبان انہیں کی زبان ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی کے وزراء اعظم ایرانی ہی تھے۔ ہندی سپاہ کو کوئی موقع نہیں ملا کہ وہ سلطان غزنوی کے سامنے اپنے جوہر دکھاتے۔ مگر بعد ازاں اُس نے سلطنت اسلامیہ کی حمایت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

باوجود اس سپاہیانہ مزاج کے سلطان محمود غزنوی کو علوم و فنون و علم ادب کا بڑا شوق تھا۔ اس خوبی میں کوئی بادشاہ اُس پر سبقت نہیں لے گیا۔ سب کاموں میں کفایت شعار تھا مگر ہنر پروری اور علم کی قدر شناسی میں دریا دل تھا۔ ایک عظیم الشان دارالعلوم اُس نے بنوایا اور اس میں بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ عالموں کے وظیفوں اور پنشنوں میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہوتا تھا۔ ایک عجائب خانہ بھی بنایا جس میں سارے عالم کے عجائب جمع کیے۔ اُس کی قدردانی اور جوہر شناسی نے چاروں طرف سے اہل کمالوں کو لا کر غزنی کے دربار میں جمع کر دیا تھا نامور شاعر اُس کے دربار کے یہ تھے۔ عصائر رازی۔ استاد رشیدی طوسی۔ منوچہر بلخی۔ حکیم عنصری۔ عسجدی فرخی۔ دقیقی۔ سوائے ان شاعرون کے چار سو اور شاعر اُس کے ملازم تھے۔ فردوسی کل شعراء کا سرامد تھا۔ وہ شاداب ضلع طوس میں پیدا ہوا تھا۔ حاکم طوس نے ایک باغ بنایا تھا اُس کا نام فردوس رکھا تھا۔ فردوسی کا باپ مولانا فخر

الدین اُس کی باغبانی کرتا تھا اس مناسبت سے وہ اشعار میں اپنا تخلص فردوسی کرتا تھا یزدوجرو آخر ساسانی شہریار ایران نے ایران کے تمام بادشاہوں کے حالات کیومرث کے زمانہ سے لیکر خسرو پرویز کی تخت نشینی تک بڑی تحقیق و تدقیق اور تلاش سے یکجا جمع کئے تھے اور اُس کا خلاصہ ہو کر ایک کتاب ''موسوم بہ پاستان نار'' تصنیف ہوئی تھی۔ جب اہل اسلام سلطنت ایران کے فرمانروا ہوئے تو یہ کتاب یزدوجرد کے کتاب خانہ میں اُن کے ہاتھ آئی جب خراسان میں آل یعقوب کے ہاتھ یہ پاستان نامہ آیا تو ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ معتمد الملک کو یعقوب بن لیث نے حکم دیا کہ خسرو پرویز سے شہریار یزدوجرد کے مرنے تک کے جو واقعات وقوع پذیر ہو چکے ہیں وہ لکھ کر پاستان نامہ میں اضافہ کئے جائیں اس حکم کے موافق 360ھ میں یہ کتاب مرتب ہو گئی اور اسکی نقلین خراسان اور عراق میں پھیلیں۔ آل سامان کو جب یہ بات ہاتھ لگی تو انہوں نے دقیقی شاعر کو حکم دیا کہ وہ اس کو نظم میں لکھے اُس نے ایک دو ہزار شعر لکھے تھے کہ کسی غلام نے اُس کو مار ڈالا جب دولت آل سامان کا زوال آیا اور سلطان محمود غزنوی کا اقبال چمکا تو اُس نے بھی آل سامان کی تقلید کی اور پاستان نامہ کو چاہا کہ نظم میں لکھا جائے۔ فردوسی نے دقیقی کی نسبت یہ اشعار لکھے ہیں ''اشعار یکا یک ازو بخت برگشتہ شد بنہ بدست یکے بندہ برکشتہ شد، زگشتاسپ ارجاسپ بیتے ہزار، بگفت وسرآمد برو روزگار'' فردوسی کی یہ آرزو ہوئی کہ میں اس نظم کو کتاب میں لکھ کر پورا کروں۔ پاستان نامہ اس کو ہاتھ نہ آتا تھا۔ اس کی تلاش میں رہتا تھا کہ اس کے ایک دوست نے پاستان نامہ لا دیا اور فردوسی سے کہا کہ تیرا یہ ارادہ کہ اس نامہ پہلوی کو نظم میں لکھے بہایت مستحسن ہے۔ اس وقت طوس میں ابو منصور محمد امیر تھا اُس نے فردوسی کو نصیحت کی تھی کہ جب یہ کتاب تمام ہو تو کسی بادشاہ کے نذر کرنا۔ سب ملکوں میں مشہور تھا کہ سلطان محمود غزنوی شاعروں کا بڑا قدر شناس ہے اس لئے فردوسی غزنی آیا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے دربار کے شعراء عظام سے پاستان نامہ کی نثر کی نظم لکھوائی سب نظموں میں فردوسی کی نظم فائق معلوم ہوئی۔ سلطان نے فردوسی کو حکم دیا کہ پاستان نامہ کو نظم میں لکھے اس کے واسطے رہنے کا مکان اور اسباب آسائش تیار کرنے کا حکم دیا اور ہر ہزار اشعار کہنے کے بعد ہزار دینار طلا دینے کا حکم بھی دیا۔ سلطان کہا کرتا تھا کہ فردوسی نے آ کر میرے دربار کو فردوس بنا دیا۔ فردوسی شاہنامہ لکھنے میں مصروف ہوا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی نے ایک ہزار

اشعار لکھے تو اس کے پاس جب ہزار دینار پہنچے مگر فردوسی نے اس لئے نہیں لئے کہ اس کا ارادہ تھا کہ ایک دفعہ سب زر لیلے اور اُس کو طوس ندی کے بند آب میں خرچ کر دے۔ ارکان دولت فردوسی کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور وہ بھی اُن کی مدح کرتا تھا یہ امر احمد بن حسن میمندی وزیر سلطان کو ناگوار خاطر تھا۔ ان دونوں میں ایسی شکر رنجی ہوگئی کہ فردوسی نے یہ اشعار کہے مثنوی

من بندہ کر منبادی فطرت نبودہ ام مایل ~ مال ہرگز طامع بجاہ تیر

سوئے در وزیر چرا ملتفت تموم چون فارغم زبارگہ بادشاہ نیز

سلطان محمود غزنوی کے سامنے فردوسی کے اشعار ایسے پڑھے جانے لگے جس سے اُس کا معتزلہ شیعہ قرمطی دہریہ ہونا ثابت ہو۔ سلطان کو بھی اشعار کی طرف رغبت کم ہوگئی تھی۔ کچھ اس شکایت سے بھی فردوسی کے حال پر پہلی سی مہربانی نہ رہی تھی۔ پاستان نامہ کی جو داستان نظم میں مرتب ہوتی جاتی تھی' اُس کی نقلیں اطراف میں جاتی تھیں اور امراء اُس کا صلہ فردوسی پاس بھیجتے تھے۔ یہ امر بھی سلطان کو ناگوار خاطر ہوتا تھا۔ غرض وزیر کے سبب سے سلطان کو فردوسی سے نفرت ہوگئی۔ جب شاہنامہ کو فردوسی تمام کر چکا تو اس نے ایاز کو دیا۔ فردوسی اور ایاز میں کمال محبت تھی۔ ایاز نے سلطان کی نذر کیا۔ سلطان نے خواجہ احمد بن حسن کو فرمایا کہ ''پیلوار زر سرخ'' فردوسی کو دیں اور یہ شعر پڑھا ''بیت بہ چشم من چو بکشود گنج گہر، کنون پیلوارش دہم گنج زر۔'' وزیر نے عرض کی کہ حضور کی رائے حکمت آرائے پر مخفی نہیں ہے کہ شادی مفرط بھی آدمی کو اسی طرح ہلاک کرتی ہے جیسا کہ غم بے اندازہ۔ نعوذ باللہ اگر یہ صلہ بادشاہ فردوسی کے پاس پہنچے گا تو وہ شادیٔ مرگ ہو جائے گا۔ غرض سلطان کو بہکا کر وزیر نے ساٹھ ہزار مثقال نقرہ ایاز کے ہاتھ اُس کے پاس بھیجے۔ جب یہ صلہ اُس کے پاس پہنچا تو وہ حمام میں نہا رہا تھا جب حمام سے باہر آیا تو ایاز نے سلام کر کے صلہ پیش کیا اُسے دیکھ کر وہ بہت غمگین ہوا اور ایاز سے کہا سلطان نے اپنا وعدہ ایفا نہیں کیا ایاز نے سلطان اور وزیر کی ساری حکایت عرض کی فردوسی نے 20 ہزار مثقال حمامی کو اور 20 ہزار ایاز کو اور بیس ہزار فقائی کو دیئے اس نے ایک پیالہ شربت کا پیا اور ایاز سے کہا کہ سلطان سے عرض کرو کہ میں نے جو رنج اس کا میں تے اٹھایا وہ ان مثقال نقرہ کے لئے نہ تھا۔ جب ایاز نے سلطان سے عرض کیا تو وہ وزیر پر ناراض ہوا وزیر نے عرض کیا کہ بادشاہ کا صلہ ایک درم سے لیکر

ہزار درم کے برابر ہے بلکہ اگر بادشاہ ایک خاک کی مٹی بھی صلہ میں بھیجے تو چاہئے کہ اُس کو آنکھوں کا سرمہ بنائے اور اُس کا اعزاز و اکرام کرے۔ فردوسی نے سلطان کے ساتھ سخت گستاخی کی ہے۔ غرض سلطان کو فردوسی کی طرف سے ایسا وزیر نے بھڑکایا کہ سلطان نے حکم دے دیا کہ یہ قرمطی ہاتھی کے پانوں کے تلے کچلا جائے تاکہ تمام بے اوبدن کو عبرت ہو۔ فردوسی کو اس کی خبر ہوئی تو صبح وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑایا کہ حاسدوں نے بندہ کو حضور کے نزدیک رافضی و قرمطی ٹھہرا دیا۔ حضور کی رعایا میں گبرو جھود و ترسا رہتے ہیں مجھ کو بھی اُن میں سے شمار فرمایئے اور قتل سے معاف کیجئے اور اشعار فی البدیہہ پڑھے۔ اشعار

چو راز ملک سلطان کہ چہ حش ستوؤ بے ہست ترسا و گبر و یہود گرفتند رظل عدلش قرار
شدہ ایمن از گردش روزگار چہ باشد کہ سلطان گردوں شکوہ رہے راشمار دیکے زان گروہ

ان اشعار سے سلطان کا غصہ فرو ہوا اور اُس کا قصور معاف کر دیا۔

فردوسی نے غزنی سے باہر چلے جانے کا ارادہ کیا اور جامع مسجد میں یہ اشعار اس جگہ دیوار پر لکھے جہاں سلطان آ کر بیٹھتا تھا ۔

خجہ درگہ محمود زابلے دریاست چگونہ دریا کہ آن را کرانہ پیدا نیست
چہ غوطہ ہازدم و اندرو ندیدم دُر گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

جب سلطان محمود غزنوی نے جامع مسجد میں آ کر یہ اشعار پڑھے اور سلطان سے فردوسی کے معتقدین نے اُس کی سفارش کی اور عرض کیا کہ جو معاملہ فردوسی کے ساتھ ہوا ہے وہ ایک قصہ بخل و حسد کا ساری دنیا میں مشتہر ہوگا سلطان نے حکم دے دیا کہ ساٹھ ہزار دینار طلا خلعت شاہی کے ساتھ فردوسی پاس بھیجا جائے پھر عجیب اتفاق کی بات ہے۔ طوس کے ایک دروازہ سے فردوسی کا یہ صلہ آیا تھا کہ دوسرے دروازہ سے اس کا جنازہ جاتا تھا۔ کہتے ہیں اس صلہ کے روپیہ سے سلطان نے طوس کی ندی کا آب بند تعمیر کرا دیا۔ حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میں جب طوس میں گیا تو ایک رباط نو تعمیر دیکھی جس کو لوگ کہتے تھے کہ یہ رباط صلہ فردوسی سے بنی ہے۔ فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے جسے بعض یہ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کی وہ برائیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں جو کسی طرح آشکارا نہ ہوتیں۔ حضرت ابوالفضل نے اس ہجو کی نسبت یہ اکبر نامہ میں لکھا

ہے کہ ''چون فردوسی پست فطرت در سکبری خواہش در شدہ و پردہ ارزم اور گفتگو نے داد وستد برگرفت او سخن فروش بود بہا امید انست بدل آن را سنگ پارچہ چند اندیشیدہ چون بازاریان ورکشاپش و افزایش زیان زدہ گشت بہارا بے بہا و وزن را بے وزن ساخت۔ سی سال زمت کشید ہوئے نفرین ابد عارف جامی کہتا ہے۔

گذشت شوکتِ محمود و در زمانہ نماند جزین فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی

غرض ایک ہی بات سے دو نتیجے نکالے ہیں اپنے اپنے اعتبار سے وہ سچے ہیں انگریزی مؤرخ اس تمام واقعہ کو ایک داستان بے سروپا کہہ دیتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ہر شعر پر ایک دینار دینے کا وعدہ کیا تھا' ساٹھ ہزار شعر دیکھ کر اپنے وعدہ پر پچھتایا اور بخل کے سبب وعدہ پورا نہ کیا۔

دربار محمودی کا درۃ التاج ابوریحان البیرونی تھا۔ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی 360ھ، 970ء میں پیدا ہوا تھا جنم بھوم اس کی بیرون تھی' جو ملک سندھ کا ایک شہر تھا۔ اُس نے تحصیل علوم وفنون کی تکمیل کے لئے اپنا وطن چھوڑا اور مختلف ملکوں میں کی سیر وسیاحت کی کچھ دنوں فارس کے بادشاہ شمس المعالی قابوس ابن وشمکیر کی خدمت میں رہا۔ اُس کی وزارت کو علم کی خاطر منظور نہیں کیا۔ برسوں تک خوارزم میں بھی رہا اور وہاں سے کسی سبب سے سلطان محمود غزنوی کے پاس چلا آیا۔ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ اُس نے ہندوستان کی بڑی سیر کی اور یہاں رہ کر نہایت محنت و مشقت سے سنسکرت میں مہارت کامل پیدا کی۔ یہاں کے پنڈتوں کے دماغ میں یہ نخوت سمائی ہوئی ہے کہ ہندوستان کے سوائے ساری دنیا میں کہیں علم نہیں ہے۔ جب ابوریحان اور قوموں کے علموں کا ذکر کرتا تو وہ اُس کو جھوٹا یا دیوانہ سمجھتے' مگر جب اس نے تحریر اقلیدس اور مجسطی کا ترجمہ سنسکرت میں کر کے اُن کو دکھایا تو وہ متحیر ہوئے اور اُس کو ساحر کہنے لگے اور حقارت سے اس سمندر سے تشبیہہ دینے لگے جس کا پانی سرکہ سے زیادہ ترش ہو۔

ابوریحان کی تصنیفات اس قدر ہیں کہ اگر اُن کے نام لکھے تو چند کاغذ سیاہ ہوں اور اگر اُس کی کتابوں کو جمع کر کے اونٹ پر لادیں تو وہ بہت دیر تک بڑبڑائے اس نے سنسکرت کی وہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں' جس کو پنڈت بھی بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ علوم مختلف میں اُس کے ایجادات اور اختراعات ایسے ہیں کہ جن میں ذہانت اور

جودت طبیعت آج کل کے موجدوں کی پائی جاتی ہے۔ تسطیح کرہ کے باب میں ایک رسالہ اُس نے لکھا ہے کہ جس میں کرہ کی سطح شدیر کو سطح سطح پر نقشہ بنانے کی ترکیبیں اختراع کر کے لکھی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہندسہ میں اُس کو کمال تھا۔ وہ بوعلی سینا کا معاصر تھا۔ اُس سے علمی مباحثہ مدتوں تک رہے اُن میں اُسی کا پلہ بھاری رہا علم نجوم یونانی اور جوتش ہندی دونوں جانتا تھا۔ علم ہیات میں اُس کی تصنیفات اس زمانہ میں بھی اعلیٰ درجہ کی شمار ہوتی ہیں اس نے جو اپنا ہند کا سفر نامہ لکھا ہے' اس سے صدیوں کے تاریخی عقدے حل ہوتے ہیں محمود غزنوی کے حملوں کے مقامات اس سے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اہل یورپ کو اسی عالم کی تصنیفات سے اول اول بہت کچھ سنسکرت کی کتابوں اور ہندوؤں کے رسم و رواج پر علم ہوا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے اگرچہ کئی ہزار غلام تھے لیکن ان میں سب سے افضل ایاز تھا اور اُس کے عشق کی کمند میں محمود غزنوی گرفتار تھا۔ ایاز کو کہتے ہیں کہ والی کشمیر کا بیٹا تھا باپ کے ساتھ شکار میں گیا تھا کہ چرون نے اُس کو پکڑ لیا اور اس کو بدخشاں لے گئے' یہاں اس لعل بے بہا کو ایک سوداگر کے ہاتھ خاطر خواہ قیمت پر فروخت کیا۔ تقدیر الٰہی سے شاہزادہ سے غلام بنا اور نام بھی اُس کا غلاموں کا سا رکھا گیا۔ سوداگر اپنے سارے مال سے زیادہ اس غلام کو قیمتی جانتا تھا اور اس کی تربیت و تعلیم میں سعی کرتا تھا۔ وہ بدخشاں سے جب غزنی آیا تو ایاز کے حسن و جمال کا شہرہ سلطان محمود غزنوی کے کان تک پہنچا۔ اُس کو اپنی انجمن خاص کا انیس اور مخلص اختصاص کا جلیس بنایا۔ حسن صورت سے زیادہ اُس کی حسن سیرت پر فریفتہ ہوا ''بیت این عشق کہ ہست بیخود واز خویش ، نے شاہ شناسد و نہ مورویش'' سلطان کے نیاز کے اور ایاز کے حسن کے قصے اکثر مشہور ہیں۔ ملا زلالی نے ایک داستان اُس کی بڑی رنگین لکھی ہے ایاز حسن صورت و جمال ظاہری میں ایسا یکتا تھا جیسا کہ اخلاق پسندیدہ و صفات حمیدہ میں بے بہا تھا۔

حبیب السیر میں لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا اول وزیر ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی تھا۔ سلاطین سامانی کے امراء میں فائق ایک امیر تھا' اس کے ہاں وہ کتابت کرتا تھا۔ جب فائق کے اقبال کا زوال آیا تو وہ امیر ناصرالدین سبکتگین پاس آیا اور مسند وزارت پر بیٹھا۔ امیر ناصر الدین کے مرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی نے کے اُس کی وزارت کے منصب پر قائم رکھا۔ ابوالعباس زبان عربی میں ایسا تجربہ کار نہ تھا کہ وہ احکام سلطانی کو عربی"

زبان میں لکھتا اس لئے سلطان نے حکم دے دیا کہ احکام فارسی زبان میں لکھے جائیں لیکن خواجہ بزرگوار خواجہ احمد میمندی نے پھر احکام کو عربی زبان میں لکھوانا شروع کیا۔ ابوالعباس فضل کو امور مملکت اور سرانجام مہمام سپاہ و رعیت میں کمال تھا۔ جب دس سال وزارت کر چکا تو بعدازاں وہ معزول ہوا۔ اس کے بعد خواجہ بزرگوار احمد بن حسن میمندی وزیر ہوا وہ سلطان کا براور رضاعی اور ہم سبق تھا اس کا باپ حسن میمندی امیر ناصر الدین سبکتگین کے عہد میں قصبہ بست میں ضبط اموال کے لئے قیام رکھتا تھا مگر وہ خیانت کے سبب سے صلیب پر چڑھایا گیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سلطان کا وزیر حسن میمندی تھا بالکل غلط ہے اوّل وہ صاحب دیوان انشا و رسالت کا ہوا۔ پھر سلطان کی عنایت سے درجہ بدرجہ ترقی ہوئی گئی استیفاء ممالک کا عہدہ بلاشغل عرض عسکر اس کا ضمیمہ ہوا۔ بلاد خراسان میں اموال کی تحصیل اس کے سپرد ہوئی اور جب ابوالعباس اسفرائنی سے سلطان کی طبیعت مکدر ہوئی تو عہدہ وزارت اُس کو بالائے استقلال مل گیا۔ اٹھارہ برس تک وہ اس عہدہ وزارت پر مامور رہا اور ملک و مال کا کام بخوبی کرتا رہا۔ پھر التونتاش سپہ سالار اور امیر علی خویشاوند کا عروج ہوا اُس کی غیبت و بہتان سے خواجہ بزرگوار معزول ہوا۔ قلعہ کالنجر میں تیرہ سال قید رہا۔ امیر مسعود کی سلطنت میں اس قید سے رہا ہوا اور پھر وزیر سلطنت ہوا اور 444ھ میں انتقال کیا۔ پھر سلطان محمود غزنوی نے ایک مدت کے بعد احمد حسین میکال کو منصب وزارت عطا کیا وہ لڑکپن سے سلطان کی خدمت میں رہتا تھا۔ جدت طبع وجودت گفتار و محاسن کردار میں معروف تھا وہ سلطان کی وفات تک وزیر رہا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی سلطنت کا ملکی نظم ونسق ایرانیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اس کے دو بڑے وزیر ابوالعباس اور احمد میمندی خاص ایرانی تھے۔ اور وہ دونوں ترکی کے سپہ سالاروں سے بغض و عداوت رکھتے تھے۔ اگرچہ ایرانیوں نے کبھی ہندوستان فتح نہیں کیا مگر کاروبار سلطنت میں دخیل ہونے سے انہیں کی زبان کا رواج ہندوستان میں ہوا۔ اور وہی شاہی زبان سمجھی گئی۔

سلطان محمود غزنوی متوسط الاندام تھا۔ اعضا میں اُس کے تناسب تھا۔ ورزش بہت کرتا تھا۔ مگر چیچک نے اُس کے چہرہ کو ایسا کھایا تھا کہ ایک دن وہ آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھ کر پژمردہ اور افسردہ ہوا اور وزیر سے کہنے لگا کہ کہتے ہیں بادشاہوں کے دیکھنے سے نور

بصر زیادہ ہوتا ہے مگر میری صورت ایسی ہے کہ جس سے دیکھنے والوں کو ضرر پہنچے گا۔ وزیر نے عرض کی کہ آپ کی صورت کو ہزاروں آدمیوں میں سے ایک بھی نہیں دیکھنے کا مگر سیرت پسندیدہ کو سب دیکھیں گے۔ ایسی حُسنِ سیرت پیدا کیجئے کہ جس پر ساری خلق مفتون اور شیدا ہو۔ اس کلام نے وہ تاثیر سلطان محمود غزنوی کے دل پر کی کہ اُس نے اپنی حسن سیرت سے زشتی صورت کے عیب کو مٹا دیا۔

اوّل:۔ سلطان محمود غزنوی اپنے وقت کا بڑا شان و شوکت اور جاہ و جلال کا بادشاہ تھا وہ مشاہیر عالم میں مِمِہلثیہ شمار ہو گا اہل اسلام میں وہ ہمیشہ سلطان عظیم سمجھا جائے گا۔ کیسا جوانمرد اور شجاع کہ جب دشمن پر فوج لے کر چڑھتا۔ دریا کی طرح نشیب و فراز نہ دیکھتا دشمن پر برابر پانی پھیرتا چلا جاتا۔ کیسا منتظم اور اولوالعزم تھا کہ کیسے کیسے لشکروں کو اُن صحراؤں سے نکال کر لے گیا۔ جہاں پانی کا پتہ اور گھاس تک نہ تھا۔ کہاں سے کہاں گیا۔ کیا کیا اراوے کئے سلطنت اُس کی ایسی وسیع کہ جس کی شرقی اور غربی سرحدیں دجلہ گنگا اور شمال جنوبی حدیں تاتار اور بحرِ ہند تھیں۔ ایسا مدبر کہ کتنی ہی دور دارالسلطنت سے چلا جاتا مگر انتظام ملکی میں بال برابر خلل نہ آتا۔ گو بعض محقق یہ کہتے ہیں کہ اس وقت ملکوں کا حال ایسا ہو رہا تھا کہ سلطنت کا اتنا کر لینا کمال تھا۔ مگر سلطان محمود غزنوی کے صاحب کمال ہونے میں کسی کو گفتگو نہیں ہے۔ دولت مند ایسا کہ شاید دوسرے بادشاہ کے پاس اس قدر دولت ہو گی، جس وقت اُس نے سنا کہ امیر نوح سامانی کے پاس سات رطل جواہر تھے تو اُس وقت اس نے یہ کہا کہ خدا کی عنایت ہے میرے پاس سات سو رطل جواہرات کے ہیں۔

دوم:۔ جیسا اُس کو مندروں اور بتوں کے توڑنے پھوڑنے کا شوق تھا ایسا ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا ذوق تھا۔ کہیں تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس نے اشاعت اسلام اور دعوت اسلام میں ہمت صرف کی ہو۔ گجرات میں اتنے دنوں تک پڑا رہا مگر ایک ہندو کو مسلمان نہ بنایا۔ اُس کا طریقہ محمد بن قاسم کا سا تھا کہ ہندوؤں سے مسلمان ہونے کو کہتا پھر جہاد کرتا۔ غرض سلطان محمود غزنوی اُن مسلمانوں میں نہیں شمار ہو سکتا کہ جنھوں نے مذہب اسلام کا علم بلند کیا ہو۔ اہل

یورپ اُس پر الزام تعصب مذہبی کا ناحق لگاتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی دیندار مسلمان تھا۔ لڑائی اور جہاد فقط مال غنیمت کے لئے کرتا۔ جہاں اُس کو دولت مل گئی۔ پھر اُس کو کچھ پرواکسی بات کی نہیں تھی۔ اگر وہ بالاستقلال کسی صوبہ پر ہندوستان کے قبضہ کرتا تو اس کے ہاتھ ایسی غنیمت تو نہ آتی مگر اسلام کے حق میں یہ زیادہ فائدہ مند نہ ہوتا۔

سوم:۔ اُس نے اسلام کو ایسی ہیبت ناک شکل میں دکھایا کہ ہندوؤں کو اُس کی طرف رغبت پیدا نہ ہوئی بلکہ نفرت زیادہ ہوگئی۔ اور پھر اُن کو اسلام کی طرف راغب کرنا زیادہ دشوار ہوگیا۔

چہارم:۔ اہل یورپ جیسا اُس کے ذمے تعصب مذہبی کا الزام بے جا لگاتے ہیں۔ ایسے ہی ایشیا والے اس کی بعض حرکات سے حریض ہونے کی تہمت دہراتے ہیں اور یہ اشعار اُس کی شان میں پڑھتے ہیں اشعار نبودش رفضل سخاوت شرف، نگہداشتے دربستانِ صدف، خزاین لبے داشت پر از گہر، وہازان نشد مغلسے بہرہ ور، مرتے۔ وقت سب نقد وجنس کو دیکھا مگر ایک پیسہ ہاتھ سے نہ نکالا مگر یہ الزام بھی پہلے الزام کی طرح بیجا معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے دربار میں اس قدر فضلاء علماء شعراء حکماء جمع ہوتے تھے اور اُس کے خوان مکرمت سے بہرہ مند ہوتے تھے کہ کسی اور بادشاہ کو یہ بات کم نصیب ہوئی ہوگی۔ غرض جیسا کہ وہ دولت کے پیدا کرنے میں ہوشیار تھا اُس کے خرچ کرنے میں بھی کفایت شعار تھا۔ نہ فضول خرچ تھا نہ مسک تھا مگر یہ عیب اس میں ضرور تھا کہ وہ اپنے عمدہ کاموں میں دولت کی حرص کو ایسا شامل کر دیتا تھا کہ اچھا کام بھی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سارے جہاد اور لڑائیاں یہ معلوم ہوتے ہیں کہ فقط دولت جمع کرنے کے لئے تھیں ابوالفضل نے بڑا ستم کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی نسبت یہ زہریلے فقرے لکھے ہیں۔ ''تعصب پیشگان ہندر اوار محرب وانمودہ آن سادہ لوح را بریختن آب ناموس و خون بیگناہان وگرفتن مال نے کو ان برانگیختہ''۔ سچ یہ ہے کہ اگر اس زمانہ کا لحاظ کریں تو سلطان اخلاق حمیدہ سے موصوف وشجاعت فطری وکسبی میں معروف۔ ممالک ستانی وسپہ داری وتیغ گزاری میں ایسا سلیقہ رکھتا تھا کہ مخالفوں کو مغلوب

کرتا تھا رعیت پروری و داد گستری سے ملک کو رونق دیتا تھا اپنی عدالت سے ستمگار ونکو سزا دیتا تھا۔ اور ستمدیدگان کو مدعا پر پہنچاتا تھا تعصب دینی وطمع دنیوی دونوں اُس کے دل میں قوی تھے۔ اس لئے ثواب کے اور مال و اسباب کے حاصل کرنے کے لئے وہ سترہ دفعہ ہندوستان میں آیا یہ شعر اُس کے حسب حال تھے۔ ہر جاکہ جنبیش رسیدہ، اقبال برہنہ پادویدہ، شیران جہان شکار کردہ، وزیمور چگان کنار کردہ، سخندانی ونکتہ فہمی ولطیفہ گوئی و مدعا شناسی میں بہرہ کافی رکھتا تھا۔ فضلاء و شعراء کا اعزاز و احترام کرتا تھا اور اُن کے ساتھ رعایت و احسان کرتا تھا۔

پنجم:۔ کہیں مصیبت اُس پر نہیں پڑی اور کوئی لڑائی ایسی نہیں لڑا جس میں اس نے خدا کی درگاہ میں سجدہ کر کے دعا نہ مانگی ہو اور اپنی فوج پر سلامتی اور خدا کی رحمت نہ چاہی ہو۔ وہ فقراء اور گوشہ نشینوں کا بڑا معتقد تھا خلیفہ وقت کی ہمیشہ فرمانبرداری کرتا تھا۔ باوجود اس حشمت اور شوکت کے خلیفہ قادر بالعد نے جو خطاب اُسے دیا تھا اس کو اپنا فخر سمجھتا تھا۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پکا مسلمان تھا تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ طبقات ناصری میں یہ دیکھنے میں آیا کہ سلطان محمود غزنوی ہمیشہ اس حدیث کے باب میں کہ العلماء ورثۃ الانبیاء میں متردد رہتا تھا اور قیامت کی نسبت شک تھا اور اس میں بھی شبہ تھا کہ میں امیر سبکتگین کا بیٹا ہوں یا نہیں ایک رات کہیں سلطان جاتا تھا فراش شمع وشمعدان طلائی آگے لئے ہوئے جاتا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ ایک طالب علم اُس سبب سے کہ چراغ جلانے کے لئے اُس کے پاس دام نہ تھے ایک بقال کی دکان کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتا تھا۔ سلطان کو اُس پر رحم آیا اور شمع وشمعدان اس کو دے دیا۔ اس شب کو رسول خدا کی زیارت ہوئی کہ انہوں نے یہ فرمایا۔ ''یا ابن امیر ناصر الدین سبکتگین اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت ورثتی'' اس بات سے اُس کی تینوں مشکلیں حل ہوگئیں۔ طبقات ناصری میں مجھے یہ حکایت نہیں ملی انگریزی مؤرخ اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں۔ ایشیائی مورخ جس کی کچھ وقعت نہیں کرتے کہ اس کو دو شبے عائد ہوئے۔ اول یہ کہ میں امیر سبکتگین کا بیٹا ہوں یا نہیں''۔ خیر

اس کی اصل تو کچھ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ ماں کی طرف سے داغدار تھا ماں اُس کی زابلستان کے کسی امیر کی بیٹی تھی۔ اس کی منکوحہ وغیر منکوحہ ہونے میں شبہ ہے۔ مگر دوسرا یہ شبہ کہ ''قیامت ہو گی یا نہیں'' اس شبہ کے سبب سے لوگ اس سے متنفر ہونے لگے تو اُس نے یہ کہا کہ پیغمبر خدا نے خواب میں آ کر میرے دونوں شبے رفع کر دیئے ہیں۔

ششم:۔ سارے سلطان محمود غزنوی کے حال میں کہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی نیا قانون اور آئین اور دستور جدید ایجاد کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کاموں کے لئے وہ شرع اسلام کو کافی سمجھتا تھا اور قوانین کے ایجاد کرنے میں اپنا وقت نہیں ضائع کرتا تھا۔ مگر اُس کو انتظام کرنا خوب آتا تھا۔ عراق کی عورت کی حکایت دیکھ لو۔

ہفتم:۔ اپنی سپاہ میں بدکاری کو راہ نہ دیتا اور اس کام میں سخت منتظم تھا قواعد اور قوانین سپاہ کی بڑی رعایت کرتا تھا۔ بھانجے کے قتل کرنے کی حکایت سے یہ بات ثابت ہے۔

ہشتم:۔ اُس کو علم کا بڑا شوق تھا۔ یہی اس کی ماموری کا اصل سبب تھا۔ اس عمدہ صفت کے سبب سے وہ فخر الاسلام شمار ہوتا ہے اور اور قومیں بھی اُس کو مانتی ہیں۔ غرض یہی اس کے اصل فخر اور عزت کا سبب تھا۔ عمارات کا بھی شوق رکھتا تھا۔ ایک مسجد اس نے غزنی میں بنوائی۔ ساری سنگ ماہی اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھی اور ایسی خوبصورت تھی کہ لوگ اُسے دیکھ کر متحیر ہوتے تھے۔ اور بے اختیار اُس کو عروس فلک کہتے تھے۔ یہ بادشاہ کا شوق ایسا تھا کہ دوسرے امراء نے بھی اُس تقلید کر کے غزنی میں ایسی عمارتیں بنوائیں کہ وہ سارے ایشیا کے شہروں پر سبقت لے گیا۔

نہم:۔ سلطان محمود غزنوی بڑا خوش اخلاق تھا۔ اپنے رفقا اور ملازمین سے بہت اچھی طرح پیش آتا تھا۔ غلاموں کا شوقین تھا۔ سلطان محمود غزنوی کا غلام ایاز مشہور ہے جس کی حکایتیں زبان زد عام ہیں۔ اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے اُس کو ظالم کہہ سکیں۔ (کوئی شخص اس کے ہاتھ سے لڑائی میں مارا جاتا مگر

پیچھے وہ کسی کی جان نہ لیتا) اور نہ اُس کے دربار میں وہ ظلم ہوتے جو ایشیا کے دوسرے بڑے بڑے بادشاہوں کے ہاں ہوا کرتے ہیں۔ باغی عفو تقصیر کے بعد بھی جو بغاوت کرتے' ان کو سوائے قید کے اور کوئی سزا نہ ملتی۔

عالی حوصلہ بادشاہ

سلطان محمود غزنوی بہت عالی حوصلہ بادشاہ تھا اکثر ممالک اسلامیہ پر قابض ہوا' علماء کی عزت کرتا تھا اور ان سے باحترام و اکرام پیش آتا تھا۔ دور دراز ممالک سے اہل علم اس کی بارگاہِ حکومت میں آتے تھے' عادل اور نیک نفس تھا۔ رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا تھا اور انہیں طرح طرح کے احسانات سے اپنا ممنون بناتا۔ جہاد کا بے حد شاقین تھا۔

جس وقت یہ عادل بادشاہ مرض الموت میں مبتلا ہوا اپنے بیٹے محمد کو حکومت و سلطنت کی وصیت کی' یہ اس وقت بلخ میں تھا۔ مسعود سے گو یہ چھوٹا تھا لیکن سلطان محمود غزنوی کی آنکھوں میں یہی زیادہ محبُوب و پسندیدہ تھا۔ مسعود پر محمود غزنوی کی وہ نظر ہی نہیں پڑتی تھی جو محمد پر تھی۔

الغرض سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اراکین حکومت نے محمد کو سلطان محمود غزنوی کی وصیت کی خبر دی اور عبائے حکومت سلطنت کو زیب تن کرنے پر آمادہ کیا۔ ہندوستان کے شہروں اور نیشاپور میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ محمد یہ خبر پاکر بلخ سے غزنی کی جانب روانہ ہوا' چالیس روز بعد غزنی میں داخل ہوا۔ شاہی افواج نے حاضر ہو کر سلامی اتاری' سرداروں سے اطاعت و فرماں برداری کا حلف لیا اور سلطان محمد نے انعامات تقسیم کیے۔

ہندوستان میں جذبہء وطنیت

غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزین تھے خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے۔ تقدیر نے یاوری کی اور راجہ نے دہلی کی سرکردگی میں 435ھ، 1042ء میں ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا اُن میں سے صرف نگرکوٹ پر اپنا قبضہ رکھا۔ انہوں نے اس کو بھی واگزار کر لیا جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آنے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ دہلی اور مضافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔ وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کر کے اُٹھے۔ راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے 480ھ، 1048ء میں اپنے لڑکے ابوالقاسم سلطان محمود غزنوی کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا۔ جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں لیکن ہانسی، تھانیسر اور نگرکوٹ کے قلعے قبضے میں نہ آ سکے۔

سلطان عبدالرشید

مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقہ کو قبضہ میں لے لیا۔ اس اثناء میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید (443ھ، 1051ء۔ 444ھ، 1052ء) نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلا لیا اور اس کی جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگین حاکم پنجاب

غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگین گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔ اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگرکوٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

سلطان فرخ زاد

اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود (444ھ، 1052ء۔ 450ھ، 1059ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا۔

سلطان ابراہیم

اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود (450ھ، 1059ء۔ 492ھ، 1098ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس تک حکمرانی کی۔ لیکن اپنے پورے دورِ حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی آخری مرتبہ 473ھ، 1079ء میں آیا اور اجودھن (پاک پتن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ ردپڑ پر دھاوا کیا۔ اسی طرح روپال اور نینی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس چلا گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم

سلطان مسعود بن ابراہیم (492ھ، 1098ء۔ 508ھ، 1114ء) اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طغاتگین بنایا گیا۔

طغاتگین حاکم پنجاب

گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس آ گیا۔

سلطان ارسلان

مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان 508ھ، 1114ء۔ 511ھ، 1117ء) کا دور آیا۔ اس زمانے میں غور و خوارزم میں نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سنجر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان چلا آیا اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پایہء تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجر نے واپس آ کر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ گیا تو اسے پکڑ کر لایا گیا اور بعد میں قتل کر دیا۔

محمد باہیم والی پنجاب

اس زمانہ میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی اس نے اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رکھا۔ اور پایہء تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ

اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (511ھ،1117ء ۔ 547ھ، 1152ء) سلطان سنجر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا' غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ محمد باہیم نے غالبًا ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے 514ھ، 1120ء میں ہندوستان آیا۔ محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ

اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا اور عظیم الشان لشکر فراہم کر لیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آراء ہوا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال

اس اثناء میں اس کو اپنی طاقت پر بھرپور اعتماد ہو گیا اس نے غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا (جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی) پسند نہ کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا۔ ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب

سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آیا۔ پھر موقع پا کر واپس گیا اور غزنی پر قبضہ کر لیا۔

غزنی کی بربادی

لیکن پھر 544ھ، 1151ء میں علاؤ الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے "جہاں سوز" کا لقب پایا۔ سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آ کر 547ھ، 1153ء میں اس دنیا

سے رخصت ہو گیا۔

خسرو شاہ

سلطان بہرام کے بیٹے خسرو شاہ (547ھ، 1152ء۔ 555ھ، 1160ء) نے غزنی ہی میں اپنا تخت بچھانا چاہا مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

غزنوی سلاطین کا مامن ہندوستان

اب غزنویوں کا مامن یہی ہندوستان تھا اور ان کا پایہء تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو

خسرو شاہ نے 555ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ ملک خسرو (555ھ، 1160ء۔ 582ھ، 1186ء) میں اس کا جانشین ہوا اور اس نے 20 برس امن و امان سے مقبوضاتِ ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی شہاب الدین غوری کو دعوت

اس اثناء میں سلطان شہاب الدین غوری کا آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی اور یہی راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی۔ یہاں کے راجہ چکردیوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی۔ شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے۔ پشاور' ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر 576ھ، 1186ء میں لاہور پر فوج کشی کی۔ خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا۔ 580ھ، 1186ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو مستحکم کیا۔

آل سبکتگین کا زوال

اس کے بعد 582ھ، 1186ء میں وہ پھر لاہور آیا اور خسرو ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ وہاں سے غرجستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔

جہاں اس نے 588ھ، 1192ء میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں ہندو و مسلم حکمرانوں کا اشتراک

اس طرح ہندو و مسلم دونوں حکمرانوں کے باہمی صلاح و اشتراک کے عمل سے ہندوستان میں آل سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

محمود غزنوی کی سیاست

محمود غزنوی کی سیاست کے بارے میں مؤرخین کے خیالات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ تمام مغربی دنیا کی درسگاہوں میں محمود غزنوی کو ایک ایسے بادشاہ کے طور پر پڑھایا جاتا ہے' جس نے وادئ سندھ کی شاندار گندھارا تہذیب کو تخت و تاراج کیا' ہندوستان کے مندروں اور شہروں کو برباد کیا اور ہندوستانی مندروں میں صدیوں کے ذخیرہ شدہ خزانوں کو لوٹ کر غزنی لے گیا اور وہاں بھی اس نے کوئی ترقی یافتہ ریاستی ڈھانچہ اور پیداواری نظام نہیں بنایا۔ بھارت میں مسلمان اور ہندو دونوں مؤرخ اسے ہندوستانی تہذیب اور ہندومت کے غارت گر کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ پاکستان میں غالب نقطۂ نظر اسے ایک مجاہد اسلام اور غازی دین متین کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ جس نے اسلام کی سربلندی کی خاطر ساری زندگی مقدس جہاد میں گزار دی اور اُسی کے حملوں کے نتیجے میں وادئ سندھ میں اسلام پھیلا اور بعد میں پاکستان بنا۔ اس نقطۂ نظر کے ماننے والے بھی ساری دنیا میں موجود ہیں مثلاً سپولر کہتا ہے:

> ''ہندوستانی شہر لاہور میں اس خاندان (غزنوی خاندان) نے ایک سو پچاس سال تک اپنے آپ کو برقرار رکھا اور اس طرح محمود غزنوی پاکستان کا اصلی بانی بن گیا۔''

ان دونوں روایتی نقطۂ ہائے نظر کے برعکس برصغیر پاک و ہند میں ایک تیسرا مؤقف بھی ہے' جسے ریڈیکل نقطۂ نظر کہنا چاہئیے۔ اس کے ترجمان پروفیسر محمد حبیب مرحوم ہیں۔ میں اپنا مؤقف بیان کرنے سے پہلے جسے میں سائنسی نقطۂ نظر سمجھتا ہوں' پروفیسر حبیب کا مؤقف بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں بہت سی واقعاتی سچائیاں ہیں اگرچہ ان کا تعبیر کرنے کا زاویہ موضوعی اور اصل حقیقت سے بعید ہے۔ پروفیسر حبیب کے

موقف کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

-1 محمود غزنوی نہ غازی اسلام تھا' نہ حرص و لالچ کا مارا ہوا دنیا دار انسان جو مال و دولت جمع کرتا پھرتا ہو ...... اسلامی مشنری ہوتا تو درکنار وہ تو مذہبی جنونی (Fanatic) بھی نہیں تھا۔

-2 وہ شراب اور عورت کا اتنا ہی شوقین تھا' جتنے اس کے پیش رو یا بعد میں آنے والے بادشاہ تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے کئی ناجائز بچے تھے' مثلاً احمد نیالتگین کے بارے میں ایسی بات مشہور تھی (بحوالہ امام ابوالفضل بیہقی جو سلطان محمود غزنوی کے دفتر میں ملازم تھا)

-3 وہ اپنی سلطنت کی توسیع کی خاطر ہندوؤں اور مسلمانوں سے یکساں طور پر لڑتا رہا۔ اس نے دولت اپنی سلطنت کی مضبوطی کے لئے جمع کی اور محفوظ رکھی۔ وہ انتہائی قابل جرنیل تھا اور اپنے آپ کو غیر ضروری شجاعت دکھانے کے لئے غیر ضروری خطروں میں نہیں ڈالتا تھا۔ لیکن جب ضرورت ہوتی تو دشمن کی فوجوں کے اندر تک گھستا چلا جاتا۔

-4 محمود غزنوی کی سیاست اپنے وقت کی روحِ عصر کی ہی پابند تھی اور محمود غزنوی کے عہد کی روحِ عصر اشاعتِ اسلام نہیں تھی بلکہ ایرانیت کا احیا تھا (Persian Renaissance) پروفیسر حبیب نے اسلام کے عروج سے لے کر چنگیز خاں کے ہاتھوں مسلم ایشیاء کی فتح تک کا زمانہ چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) پہلا عرصہ 622ء تا 748ء اسلامی اقتدار کے پھیلاؤ کا زمانہ جس میں خلفائے راشدہ اور بنو اُمیہ کا زمانہ شامل ہے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں نے عرب' عراق' شام' ایران' شمالی افریقہ اور سندھ میں فتوحات حاصل کیں۔

(2) دوسرا عرصہ 748ء تا 900ء عباسیوں کا زمانہ ہے۔ اس دور میں کوئی فتوحات حاصل نہ ہوئیں۔ یہ عالمی تہذیب' ''کاسموپولٹین تہذیب'' کا زمانہ ہے' جس میں عربی زبان تمام دنیائے اسلام کے تعلیم یافتہ طبقات کی زبان بن گئی۔

(3) تیسرا عرصہ 900ء تا 1000ء چھوٹے حکمرانوں (Minor Dynasties) کا زمانہ ہے جس میں خلیفہ کا مرکزی انتظام ختم ہو گیا اور اکثر امراء خودمختار ہو گئے۔

اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ فارسی نے تمام علمی ادبی طبقات کی زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس دور میں خلافت کی بجائے شہنشاہیت کا تصور (Impenalism Idea) سامنے آیا۔

(4) چوتھا 1000ء تا 1220ء ترک ایرانی سلطنتوں (Turko - Persian Empires) کا زمانہ ہے۔ اس میں ایرانی تصورات کا سیاسی اظہار ہوا اور اس میں غزنوی، سلجوق اور خوارزمی خاندان حکومت شامل ہیں۔

محمود غزنوی چھوٹے بادشاہوں میں سب سے آخری اور ترک ایرانی شہنشاہوں میں سب سے پہلا تھا۔ وہ تیسرے اور چوتھے دور کے سنگم پر تھا۔ پروفیسر حبیب کا خیال ہے کہ محمود غزنوی اور اس کے ہمعصروں کا مقصودِ سیاست اسلام نہیں تھا بلکہ ایرانیت کا احیاء تھا۔ محمود غزنوی کا مقصد غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنا نہیں تھا بلکہ ملحدوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔ اُس وقت مشرق سے مغرب تک عالم اسلام فرقہ وارانہ لڑائیوں میں بٹ چکا تھا۔ ہر طرف فرقہ وارانہ مذہبی بحثیں جاری تھیں۔ چھوٹے بادشاہوں نے ان بحثوں سے بچ کر ایرانی ثقافت کی بحالی کی سرپرستی کی۔ ایرانی زبان جو تعلیم یافتہ طبقات سے خارج ہو چکی تھی اسے دوبارہ سرکاری سرپرستی سے نوازا گیا اور قومی زبان کا مرتبہ دیا گیا۔ قدیم ایرانی داستانوں کی دریافت کو کر کے مقبول عام بنایا گیا۔ فارسی زبان کی سرکاری سرپرستی شروع ہو گئی اور قدیم کیانی و ساسانی بادشاہوں کی مدح سرائی کی گئی۔ اس دور میں رسول پاک اور خلفائے راشدین کی بجائے فریدوں، جمشید، کیکاؤس، کیخسرو، رستم اور سکندر مقدونی کو ہیرو بنایا گیا۔ شاہنامہ فردوسی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ بقول پروفیسر حبیب سعدی کی گلستان سعدی انفرادی خودغرضی کے فلسفے کی تبلیغ کرتی ہے اور اعلیٰ مقاصدِ حیات سے سراسر بے خبر ہے۔

اس دور میں ہر شاہ اور شہزادہ سکندرِ اعظم بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ لڑائی کو اعلیٰ ترین مردانہ صفت قرار دیا گیا اور لڑائی کو کسی اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے بذات خود مقصد سمجھا جانے لگا اور یہ خوبی جنگجو ترکوں میں زیادہ تھی۔ جنگ اُن کے نزدیک کھیل تھی۔

محمود غزنوی نے ان چھوٹے امیروں کی طرح ہی ایرانی ادب کی سرپرستی کی۔ وہ شعروں کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس کے دربار سے چارسو شعراء وابستہ تھے۔ جن میں عنصری

ملک الشعراء تھا۔ دوسروں میں فرخی' مینوچہری' مسجدی' جیسے نامور شعراء شامل تھے۔ ان کا کام سلطان کے قصائد لکھنا تھا۔ جب وہ کسی قصیدے سے خوش ہوتا تو لاکھوں درہم اور ''منہ بھر'' ہیرے موتی انعام میں دیتا۔ ان کے برعکس سائنس دان محمود غزنوی کے زیر عتاب رہے مثلاً بوعلی سینا جس نے یہاں سے وہاں بھاگ بھاگ کر آخر آل بویہ کے دربار میں پناہ لی اور اس طرح البیرونی کو گرفتار کر کے جبراً ہندوستان بھیجا۔ یہ دور ہی قصیدے کا تھا۔ شاعری کے موضوعات' بادشاہ کی تعریف' عورتوں کے حسن کی تعریف اور شراب کی کیفیتوں کا بیان تھا۔ لیکن ابھی غزل نہیں آئی تھی۔ مثنوی تھی جو کہ رومانس کی شاعری تھی۔ جنگ کے قصے اور اس کے بعد عیش و نشاط کی محفلیں۔ یہ جنگجو کا زمانہ تھا اور محمود غزنوی بہترین جرنیل تھا۔ لہٰذا سب سے اوپر آ گیا۔ اس کی سوچ سائنسی تھی۔ اس کا کمال اس کی حکمت عملی میں مضمر تھا جنگی چالوں (Tactics) میں نہیں۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ جب کہ اس کے مدمقابل فوجیں سست تھیں۔

محمود غزنوی نے کوئی نئے قوانین نہیں بنائے۔ صرف محاصل شدت سے وصول کئے۔ مفتوحہ علاقوں میں امن قائم نہیں کیا۔ پنجاب میں مکمل تراج تھا۔ تجارتی راستوں کی حفاظت کا بندوبست نہیں کیا اور یہ غیر محفوظ تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں کوئی انتظامی اقدامات نہیں کئے۔ اس نے انڈین' افغان' ترک' تاتار اور ایرانیوں کو علیحدہ علاقائی قبائلی حکومتوں سے نکال کر یکجا کیا مگر ان کو ایک وحدت میں ضم کرنے والا کوئی عنصر نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک بادشاہ کے ماتحت تھے۔

محمود غزنوی کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اسلامی خلافت کی بجائے سیکولر سلطنت بنائی۔ سلطان اور سلطنت کے الفاظ اسی نے شروع کئے۔ اپنی سلطنت کو خلافت کی بجائے وہ سلطنت کہتا تھا۔ البتہ اس سلطنت کے ماتحت اس نے مسلم دنیا کو یکجا کیا۔ اس مسلم سلطنت کی نظریاتی بنیادیں شریعت سے نہیں قدیم ایران کی کافرانہ روح (Pagan spirit) سے مستعار تھیں۔ محمود غزنوی نے سب سے پہلے مسلمانوں میں شہنشاہ کو اقتدار اعلیٰ دیا۔ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک خدا کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ خلیفہ اس کا نائب تھا۔

محمود غزنوی کی جدوجہد کا اصل مقصد ترک ایرانی سلطنت (Turko to Persian Empire) بنانا تھا۔ اور ہندوستانی مہمات اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ

تھیں۔ اس نے ہندوستانی دولت کے بل بوتے پر وسیع فوج رکھنے کی صلاحیت حاصل کی اور اپنے ہمعصر شاہوں پر برتری لے گیا۔ سلطان محمود غزنوی کو ہندوستانیوں پر جو برتری حاصل تھی وہ یہ تھی کہ اس کی ریاست کی ساخت وحدانی تھی اور ریاست کے تمام وسائل ہر وقت اس کے ہاتھ میں تھے اس کے برعکس ہندوستانی ریاست کی تنظیم جاگیردارانہ تھی یعنی ہندوستان کثیر تعداد راجوں نائب راجوں' مقامی چودھریوں اور گاؤں کے مکھیاؤں میں بٹا ہوا تھا ہر حاکم اپنی جگہ خودمختار تھا اور اپنے سے بڑے جاگیردار کی کمان میں لڑنے کو تیار نہ تھا۔ مثلاً لاہور کے راجہ کا حکم اُس کے ماتحت راجوں نے نہیں مانا۔ خود ایک ایک کر کے شکست کھانا منظور کر لیا مگر راجہ لاہور کی ماتحتی میں گورنر بن کر لڑنا قبول نہیں کیا۔ ہندوستان کے اس ریاستی نظام کو پروفیسر حبیب نے ''منتظم نراج'' کا نام دیا ہے اور کہا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اس کا راز پا لیا تھا۔

محمود غزنوی کے زمانے کی روحِ عصر مذہبی جہاد نہیں بلکہ معاشی مفاد اور شان و شوکت کے حصول کے لئے جدوجہد تھی اور محمود غزنوی کی سیاست اپنے عہد کی روح عصر کے مطابق تھی۔ محمود غزنوی کی فوج باقاعدہ بھرتی شدہ تنخواہ دار اور تربیت یافتہ فوج تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے خلاف یکساں طور پر لڑتی تھی۔ بے قاعدہ لشکر صرف آخری مہمات میں وہ دو مرتبہ لایا جنہیں پھر اس نے دوبارہ کسی مہم نہیں شامل نیں کیا کیونکہ ان میں مطلوبہ نظم وضبط نہ تھا۔

محمود غزنوی نے ہندوستانی مفتوحہ علاقوں میں کسی کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ اس کی فوج میں ہندو سپاہی تھے جو غزنی میں بتوں کی پوجا کرنے اور سنکھ بجانے میں آزاد تھے۔ محمود غزنوی کی وفات کے 15 سال بعد زبردست ہندو احیاء ہوا اور لاہور کے مشرق میں مسلمانوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

پروفیسر حبیب نے جو باتیں کہی ہیں وہ تقریباً ساری صحیح ہیں لیکن ان کا نقطۂ نظر اور موقف سائنسی نہیں بلکہ موضوعی ہے وہ تاریخ کے اس سارے عمل کو جس میں سلطان محمود غزنوی ایک ادنیٰ کارندہ تھا۔ بھارتی بورژوازی کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اسے اگر ہندو بورژوازی بھی کہہ دیا جائے تو زیادتی نہیں ہوگی۔ ان کا نقطۂ نظر سیاسی طور پر بورژوا قوم پرستی اور فلسفیانہ طور پر بورژوا عینیت پرستی کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

''بعد کی نسلوں کے لئے محمود غزنوی پر لے درجے کا مذہبی جنونی (Arch Fanatic) بن گیا جو کہ وہ کبھی نہیں تھا اور اس حلول (Incarnation) میں اسے ایسے مسلمان اب تک پوج رہے ہیں جو چھوٹے خداؤں کی عبادت گزاری میں بھگوان کرشن کی تعلیمات کو بھول گئے ہیں''۔

بھگوان کرشن غلام دار قبائلی سماج کا دیوتا ہے وہ اکیسویں صدی کے مقابل کھڑے محنت کش عوام اور دانشوروں کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔ پروفیسر حبیب کا نقطۂ نظر وادیٔ سندھ کے لوگوں کے لئے اپنے اندر زیادہ روشنی نہیں رکھتا۔ وہ اصل بات کو گرفت میں نہیں لا سکے۔

حقیقت کیا ہے!

محمود غزنوی کی سیاست کا اصل تاریخی کردار کیا تھا۔ اس کے لئے محمود غزنوی کے ارادوں اور خواہشات کو سمجھنے یا اُس کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس دور کی سماجی قوتوں کی کشمکش اور تاریخ کی حرکیات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دراصل یہ پورا دور وسطی ایشیا' افغانستان' ایران اور وادیٔ سندھ میں سماجی نظام کی ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں تبدیلی کا عبوری دور تھا۔ ان تمام علاقوں میں چھوٹے رجواڑے اور شاہیاں نیم غلام نیم قبائلی عناصر رکھنے کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ رشتوں میں ڈھلنے والے معاشروں پر مشتمل تھے۔ اس میں ہندو شاہی سلطنت کا ابتدائی مرکز افغانستان ایک ایسے قبائلی معاشرے کا ملک تھا جن کی خوشحالی کا انحصار لمبے فاصلے کی تجارت سے راہداری وصول کرنے پر تھا۔ یہی حال صوبہ سرحد کا تھا۔ یہاں ان کی پیداواری بنیاد بھی مضبوط نہ تھی اور صنعتی ڈھانچہ بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ صوبہ سرحد کے شاہی قلعے عالمی تجارتی قافلوں سے راہداری ٹیکس وصول کرنے میں مصروف تھے اور شاید جبر سے۔

وادی سندھ کے مندروں میں دیوداسیاں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ سکہ یا کرنسی نہ تھی بلکہ زرمبادلہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی شکل میں تھا۔ اس زمانے میں مندر بنک تھے جن میں دولت کے ڈھیر لگانے والے زمیندار نہ تھے بلکہ تاجر تھے۔ یہ تینوں عناصر غلام دارانہ سماج کے ہیں یعنی عالمی تجارت' ٹمپل کی معیشت اور تاجروں کے ٹیکسوں پر شاہی حکمرانوں اور مندروں کا انحصار۔ البتہ زراعت کا ڈھانچہ جاگیردارانہ بن

گیا تھا۔ وادیٔ سندھ کی ریاست اندر سے تبدیلی کے عمل سے دو چار تھی۔ ریاست کے ستونوں میں سے ایک یعنی حکومتی ڈھانچہ جاگیردارانہ تھا اور زرعی نظام بھی جاگیردارانہ تھا۔ لیکن بہت سے سماجی ادارے غلام دارانہ تھے۔ مثلاً ٹمپل اور دیوداسیاں' مذہبی اداروں سے مربوط تجارتی نظام اور اسی طرح فکری ڈھانچہ بھی دیو مالائی شکل میں غلام دارانہ تھا۔ تمام جاگیردار' شاہی حکمران' اپنے رجواڑوں کو عظیم سلطنت بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اب یہ ہے کہ غلام دار سماجی تنظیم اور جاگیردار سماجی تنظیم میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ غلام دار دور میں صنعتی پیداوار تھوک کے حساب سے ہوتی تھی۔ دور دراز کی تجارت ہوتی تھی۔ تجارتی شاہراہیں بنائی جاتی تھیں لہٰذا وسیع و عریض سلطنت بنائی جاتی تھی۔ اس کے برعکس جاگیردار دور کے آغاز میں بڑی سلطنتیں ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے راجواڑوں میں بٹ گئیں۔ تھوک پیداوار ختم ہوگئی۔ اور اپنے اپنے علاقے میں اپنی اپنی ضرورت کی پیداوار ہونے لگی۔ لمبے فاصلوں کی تجارت ختم ہوگئی کرنسی ختم ہوگئی گویا منڈی ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی سائنس پس منظر میں چلی گئی اور ادب سامنے آ گیا موضوع اور عینی سوچ اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ ذرائع آمدورفت کم ہو گئے تو انسان کا خارج سے رشتہ کم اور باطن سے زیادہ ہوگیا۔ اسی لئے جاگیردارانہ عہد کو تاریک زمانے نہ بھی کہتے ہیں کیونکہ ایک علاقے کا دوسرے سے رابطہ کم ہوگیا تھا۔ سائنس پستی میں چلی گئی' ادب اوپر آ گیا اور علم کی کمی ہوگئی۔ لیکن ایک چیز بہتر ہوئی وہ انسان سے انسان کا رشتہ تھا۔ یعنی پیداواری تعلقات بہتر ہو گئے۔ مالک اور غلام کی جگہ جاگیردار اور مزارع کا رشتہ بن گیا۔ اب مالک کو غلام کی زندگی پر کوئی حق نہ تھا وہ اس کی جائیداد نہ تھا کہ جب چاہے اُسے مار ڈالے۔ بس اسی ایک فرق کی وجہ سے جاگیردارانہ سماج آگے چل کر بہتر پیداوار کرنے اور تخلیقی کارنامے سرانجام دینے کے قابل ہوا ایجادات ہوئیں اور انسانی معاشرہ ترقی کرنے لگا۔

محمود غزنوی نے وسط ایشیا کے نیم غلام نیم قبائلی مگر جاگیردارانہ رجواڑوں کو بھی توڑا اور وادیٔ سندھ کے ایسے ہی رجواڑوں کو بھی۔ اس نے اصل سلطنت تو وسطی ایشیا سے ایران تک بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وادیٔ سندھ میں اس نے چار کام کئے۔ ایک تو یہاں کے ایک ریاستی ستون 'ٹمپل' کو ختم کیا اور دوسرے فکری ڈھانچے ...... 'دیومالا' کو ختم کیا۔ تیسرا یہ کیا کہ یہاں کی صدیوں کی جمع شدہ دولت اس وقت کے تیس چالیس بنکوں یعنی

مندروں سے لوٹ کر لے گیا اور چوتھی بات یہ کی کہ لاکھوں غلام ...... اکثر دستکار' کچھ سپاہی کچھ کسان غلام بنا کر لے گیا۔ جنہیں اس نے اپنی ریاستی مشین اور پیداواری عمل کا حصّہ بنایا۔ جس چیز کو پروفیسر حبیب نے لڑکو پرشین بحالی کا نام دیا ہے اور ساسانی احیا کہا ہے وہ دراصل غلام رشتوں اور غلام ثقافت کی بحالی کی آخری کوشش تھی۔ محمود غزنوی کا غلاموں کو پیداواری عمل پر لگانا بھی اسی کا ایک حصّہ ہے گویا سماج آگے جانے کی جدوجہد میں کچھ عرصے کے لئے پیچھے کو چلا گیا تھا۔ اس میں محمود غزنوی کی جگہ کوئی بھی ہوتا ایسا ہی ہوتا تھا۔ بات تاریخی قوتوں کے توازن کی ہے اگر وادیٔ سندھ کا ریاستی ڈھانچہ ٹمپل کے کمزور ستون پر نہ کھڑا ہوتا اور چند لوگوں کے پاس کروڑوں اربوں کی دولت ایک چھت تلے نہ پڑی ہوتی تو شاید یہ حملے ہی نہ ہوتے یا وادیٔ سندھ کے زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے باعث سلطنت کے پھیلاؤ کا مرکز اِدھر ہوتا بہرحال تاریخ تو وہی ہے جو کچھ ہو چکا ہے جو کچھ نہیں ہوا یا ہوسکتا تھا اسے ہمیشہ بحث سے خارج سمجھنا چاہئے۔ رہ گئی یہ بات کہ محمود غزنوی اسلامی سلطنت بنانا چاہتا تھا یا نہیں۔ اس بات کا سیاسی پہلو یہ ہے کہ اس وقت کا ہر مسلم حکمران برسراقتدار رہنے کے لئے خلیفہ کی حمایت کا محتاج تھا کیونکہ حق حکومت یا جوازِ حکومت خلیفہ کی منظوری سے ملتا تھا۔ چونکہ جواز کا مرکز خلیفہ کا دربار تھا۔ اس لئے ہر وہ سیاسی قوت جو خلیفہ کے خلاف تھی۔ وہ دراصل مسلم علاقوں میں سلطنت سازی کے لئے خطرہ تھی۔ اسی لئے محمود غزنوی نے آل بویہ اور ملتان کے اسماعیلیوں کا قلع قمع کیا۔ اس زمانے میں اسماعیلی قوتیں مسلم اقتدار کے مرکزی دھارے کے خلاف ایک مسلح حزب اختلاف بن گئی تھیں۔ محمود غزنوی کا شیعہ حکومتوں پر قہر وغضب سے ٹوٹ پڑنا اس دہشت گردی کے ردعمل میں بھی تھا۔ کیونکہ یہ مسلم سلطنت کی بنیادوں کو ہلا رہی تھی۔ لیکن خود خلیفہ سے اس کی وفاداری اس قدر تھی کہ ایک موقع پر اس نے خلیفہ کو ہٹانے اور بغداد کو روند ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔ بہرحال پروفیسر حبیب کا یہ کہنا درست ہے کہ اس دور کی روح عصر ساسانی احیاء کی تھی جسے میں نے غلام رشتوں اور غلام ثقافت کی بحالی کہا ہے۔ لہٰذا محمود غزنوی کی جدوجہد کے نتیجے میں جو مسلم سلطنت بنی۔ وہ اپنے جوہر میں اپنے عہد کی روحِ عصر کے مطابق تھی۔ لیکن پروفیسر حبیب کا یہ خیال کہ محمود غزنوی کی وفات کے پندرہ سال بعد اس کے اثرات ہندوستان میں ختم ہو گئے۔ وادیٔ سندھ کی حد تک سو فیصد غلط ہے۔ کیونکہ وادیٔ سندھ پر محمود غزنوی کے حملوں

کے دور رس اثرات ہوئے جن کا اثر آج تک باقی ہے۔ البتہ بھارتی علاقوں میں یہ اثر محمود غزنوی کی وفات کے پندرہ سال بعد ختم ہوا ہو تو وہ الگ بحث ہے۔ محمود غزنوی کے حملوں کے وادیٔ سندھ پر مندرجہ ذیل اثرات ہوئے:

1- محمود غزنوی کے مفتوحہ علاقوں میں (وادیٔ سندھ میں) کُمیُں کا نظام ختم ہو گیا۔ مرکزی دھارے میں دیوداسیوں والے مندروں کی جگہ مسجد آ گئیں جس میں زروجواہر جمع نہ ہوتا تھا۔ مسجد جو انسانی آزادی کی علامت تھی بعد میں بادشاہوں کے زیر اثر بھی کبھی غلامی کے تحفظ کا ذریعہ نہیں بنی۔

2- وادیٔ سندھ کی بے شمار دولت غزنی چلی گئی۔

3- لاکھوں دستکار اور کسان غلام بنا کر غزنی لے جائے گئے۔

4- مندرجہ بالا 2 اور 3 کا نتیجہ یہ ہوا کہ وادیٔ سندھ کی اندرونی سماجی حرکیات کی رفتار سُست ہوئی اور سماجی ارتقاء میں خلل واقع ہوا۔

5- اس دیس پر غزنوی ترکوں کی حکومت قائم ہوئی جو کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ البتہ یہ ہے کہ غزنوی حکومت کے نتیجے میں آگے چل کر وادیٔ سندھ کی بیشتر آبادی نے اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ پیداواری ذرائع اور پیداواری نظام میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

6- وادیٔ سندھ کے معاشرے کا بنیادی تضاد کسان اور جاگیردار کے درمیان تھا' وہ حل نہ ہو سکا اور جوں کا توں اپنی جگہ برقرار رہا۔

جدید شہنشاہیت کا بانی

سلطان محمود غزنوی ''جدید شہنشاہی'' کا پیشرو تھا۔ جس کی بنیاد ایران کی ادبی نشاۃِ جدیدہ نے ڈالی تھی۔ عالمگیر خلافت اسلامیہ کا دور گزر چکا تھا اور خلیفہ ملکی معاملات میں مسلمانوں کا سردار باقی نہ رہا تھا۔ ''چھوٹی خاندانی حکومتیں'' دائمی سازشوں اور بے کار لڑائیوں کی وجہ سے بلائے بے درماں ثابت ہوئی تھیں۔ اب صرف دنیوی شہنشاہی یا بقول سلطان محمود غزنوی ''سلطنت'' کے ذریعے ہی اسلامی دنیا کو متحد کر کے امن و امان قائم کیا جا سکتا تھا۔ اس جدت پر نہ تو اسلامی نقطہ نظر سے غور کیا گیا اور نہ ہی اس کے اخلاقی پہلو، مذہبا جانچا گیا۔ اس کا ماخذ اصل میں قدیم ایران تھا اور وہیں کا الحاد اس کے خمیر میں تھا۔

شریعت کو کہ جس کا مطمحِ نظر سراسر جمہوریت ہے' زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے ہموار کر لیا اور اس سے یہ بات نکلی کہ بادشاہِ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ اس طور پر بادشاہ ''ظلِ الٰہی'' کی آڑ میں ساسانی شہنشاہوں کی طرح ''خدائی عظمت'' کا مستحق قرار پایا۔ اس کا نتیجہ اچھا بھی ہوا اور برا بھی۔ وہ احساسِ حریّت جو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں باوجود مخالف اثرات کے برقرار رہا ہے ایک سرے سے سیاسیات سے غائب ہو گیا اور سیاسی غلامی کو مصلحت وقت اور حکمت عملی سے بڑھ کر مذہبی فرض کی اہمیّت دے دی گئی۔ ابوالفضل (چھ سو برس کی عقلمندیوں اور حماقتوں کا خلاصہ کرتے ہوئے) کہتا ہے ''بادشاہوں کی اطاعت مثل عبادت الٰہی کے ہے۔'' عجم کے لوگ باوجود نسلی اور مذہبی اختلافات کے ایک بادشاہ کے مطیع و فرمانبردار ہونے سے متحد ہو گئے۔ اس کے علاوہ چونکہ مذہب بادشاہ کی ذات سے تعلق رکھنے لگا اور سلطنت کا دائرہ رعایا کے دنیوی معاملات تک محدود ہو گیا۔ اس لیے مسلمان اور غیر مسلمانوں کا مل جل کر رہنا بھی ممکن ہو گیا۔

محمود غزنوی کو اسلامی شہنشاہوں میں پیش رو ہونے کا فخر حاصل ہے اور مسلمانوں میں ''شہنشاہی'' کو رواج بھی سب سے زیادہ اسی نے دیا۔ یہ کہ سلطان محمود غزنوی کے جانشین تدبیر مملکت میں اس سے زیادہ لائق تھے یا غزنوی خاندان سے زیادہ پائیدار خاندان بعد میں حکمران ہوئے' سلطان محمود غزنوی کے اعزاز میں کوئی فرق نہیں ڈالتا۔ یہ صحیح ہے کہ بہ لحاظ حکمرانی ایران کے سلجوقی اور سلاطین دہلی اور فاتحانہ قوت میں چنگیز اور تیمور' سلطان محمود غزنوی سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ مگر پیشرو میں کمزوریاں ہونی لازمی ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کی وسط ایشیائی حکمت عملی تدبیر سے کوسوں دور تھی اور اس کا ہندوستانی کارنامہ اس سے بھی گیا گزرا ہے۔

ہندوستان میں حکومت

ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کا بہت سا وقت صرف ہوا مگر ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال اس کو خواب میں بھی نہ آیا۔ اس کا مقصد ایک ترکی' ایرانی سلطنت قائم کرنا تھا اور ہندوستان کی مہمات اس کا ذریعہ تھیں۔ ان کی بدولت سلطان محمود غزنوی کو مجاہد کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ اس کی اس کو ضرورت تھی تاکہ عجمی بادشاہوں میں اس کی حیثیت

نمایاں ہو جائے۔ ہندوستان کے مندروں کی دولت نے اس کے ملک کی اقتصادی حالت کو مستحکم کر دیا اور اس کو ایک ایسی فوج فراہم کرنے کے قابل بنا دیا' جس کا مقابلہ چھوٹے خاندانی بادشاہ نہ کر سکتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی اپنی قوت کی حدود جانتا تھا۔ اس نے آگے بڑھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جہاں فتح کا امکان نہ تھا' سلطان محمود غزنوی نے اس کا رخ ہی نہیں کیا۔ ایسے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنا' جہاں پشت پر اسلامی رعایا کی مدد نہ ہو' عملی سیاسیات کی رو سے بعید تھا۔ سلطان محمود غزنوی اتنا نادان نہ تھا کہ ایک مخالف آبادی کو تلوار کے زور سے قابو میں رکھنے کے لیے اپنی فوج کو برباد کرتا۔ وہ نہ مبلغ دین تھا' نہ مذہب تبدیل کرانا اس کی غرض و غایت تھی' وہ تو صرف دولت کا طلب گار تھا۔

سلطان محمود غزنوی ہندوستانی صنعت کے صدیوں کے اندوختے کو سمیٹ کر لے گیا اور ہندوستانیوں کے لیے شکستہ شہر پناہ گاہیں پناہیں اور دیوتاؤں کی منہدم قربان گاہیں چھوڑ گیا۔ ناموری اور روپیہ جن کا وہ ضرورت مند تھا' اس کو حاصل ہو گئے اور وہ دوسری کسی چیز کا آرزو مند نہ تھا۔ انہل واڑہ میں ایک خیال موہوم کے سوا سلطان محمود غزنوی نے کبھی ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا خیال بھی نہ کیا۔ اسے ملک گیری کی کوئی خواہش نہ تھی۔ خود پنجاب کو اتنی مدت گزر جانے کے بعد 1021-1022ء میں سلطنت میں شامل کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشا الحاق نہ تھا۔ ابتداء میں اس کو توقع تھی کہ آنند پال سے اتحاد کر کے وہ گنگا کے میدان میں داخل ہو سکے گا۔ مگر مؤخرالذکر کی موت سے وہ اتحاد ٹوٹ گیا اور سلطان محمود غزنوی کو ملک میں کسی نہ کسی جگہ پاؤں جمانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ لاہور اور ملتان کو ہمیشہ قزاقوں کے ٹھکانے ہی سمجھتا تھا۔ جہاں سے وہ ہندوستان اور گجرات پر جب چاہتا حملہ آور ہو جاتا۔ برخلاف اس کے سلطان محمود غزنوی کی مغربی مہمیں ایک اور حکمت عملی کا ثبوت دیتی ہیں۔ ان کی غایت ہمیشہ الحاق تھی اور اکثر و بیشتر سلطان محمود غزنوی مفتوحہ علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرنے کا خود انصرام کرتا تھا۔

بہترین سپہ سالار

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستانی حملے فوجی کمالات کے بہترین کارناموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی ایک اجنبی ملک میں قدم رکھ رہا تھا جہاں بے شمار بڑے بڑے دریا اور گھنے جنگل تھے۔ جہاں کے لوگ حد سے زیادہ متعصب تھے' وہ نہ تو ان

کی زبان سے واقف تھا نہ رسومات سے۔ کسی اور شخص کے لیے تو یہ اندھے کنوئیں میں جانے کے برابر ہوتا۔ سلطان محمود غزنوی جو جان بوجھ کر خطروں میں نہ پڑتا تھا۔ نہایت ہوشیاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ بڑھتا۔ جس قدر اس کی دلیری لائق ستائش ہے اسی قدر اس کے ماتحتوں کی بے خوف جرأت و شجاعت قابل داد ہے۔ ذرا سی لغزش کا ناگزیر انجام تباہی ہوتا اور صرف ایک شکست سے اس کی غیر منظم افواج لوگوں کے رحم و کرم پر ہوتیں۔ اس نے اپنے مستقر سے دس بارہ منزلوں سے زیادہ بڑھنے کی جرات نہ کی۔ البتہ بھیرہ پر قابض ہو کر وہ آسانی سے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہونے کے قابل ہوا۔ احتیاط کا نتیجہ کامیابی ہوا اور کامیابی نے وقار قائم کر دیا۔ سلطان محمود غزنوی نے جب دیکھ لیا کہ اس کا نام محض دشمنوں کو خوف زدہ کر سکتا ہے تو بے دھڑک ہو کر تین دفعہ گنگا کے میدان میں حملہ آور ہوا اور چوتھی بار گجرات پر۔ سلطان محمود غزنوی کے حملے دیکھنے میں فاتحانہ یورشیں معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقتاً خطروں سے پُر تھے۔ پریشان حال ہندوستانیوں کے جوش کو ابھارنے کے لیے صرف ایک ناکمل لڑائی کافی تھی۔ ایسے موقع پر ان کی بے شمار فوجیں میدان جنگ میں جمع ہو جاتیں۔ 1019۔ 1020ء کا ذکر ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے دارالخلافہ سے روانہ ہو کر تین ماہ مسلسل سفر کرنے کے بعد جب کالنجر کے طاقتور راجا کو مدمقابل پایا تو وہ بہت مڑا لیکن رات کے وقت راجا کے فرار ہونے سے واضح ہو گیا کہ سلطان کا خوف کس درجہ غالب تھا۔ بایں ھمہ سلطان محمود غزنوی کو مندروں کی دولت حاصل کرنی تھی تو خطرے میں پڑنا بھی لازمی تھا اور ملک کی بتدریج تسخیر اس کے بس کی بات نہ تھی۔ پس اس نتیجے نے ظاہر کر دیا کہ سلطان محمود غزنوی نے صورت حال کے سمجھنے میں کہیں غلطی نہیں کی اور وہی کیا جو کیا جا سکتا تھا۔



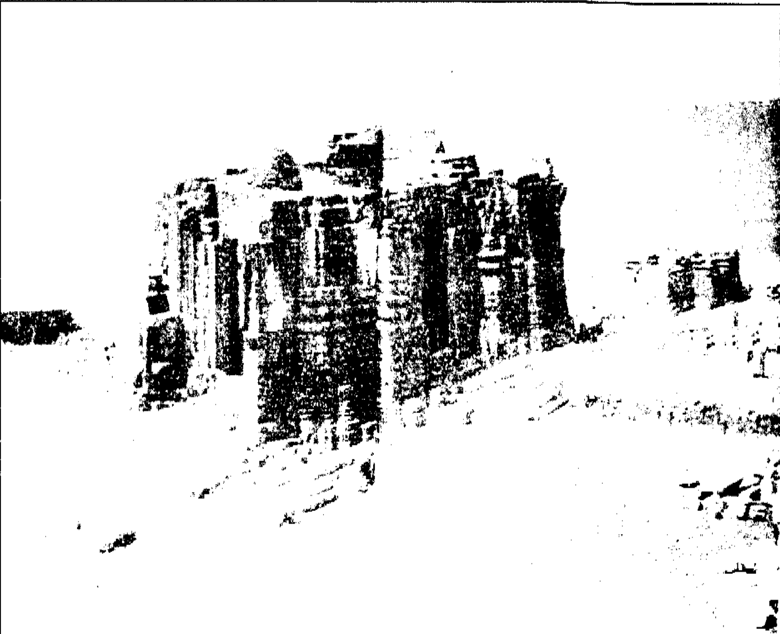
تاریخی جائزہ

چولوکیا خاندان

مل راج	995ء-940ء
چمند راج	
درلا بھوراج	1022ء-1008ء
بھیما	1064ء-1022ء
کرن	1092ء-1064ء
جے سمہا سدھاراج	1142ء-1092ء
کمار پال	1171ء-1142ء
اجے پال	1174ء-1171ء
مول راج دوم	1177ء-1174ء
بھیما دوم	1240ء-1177ء
تری بھون پال	1244ء-1240ء

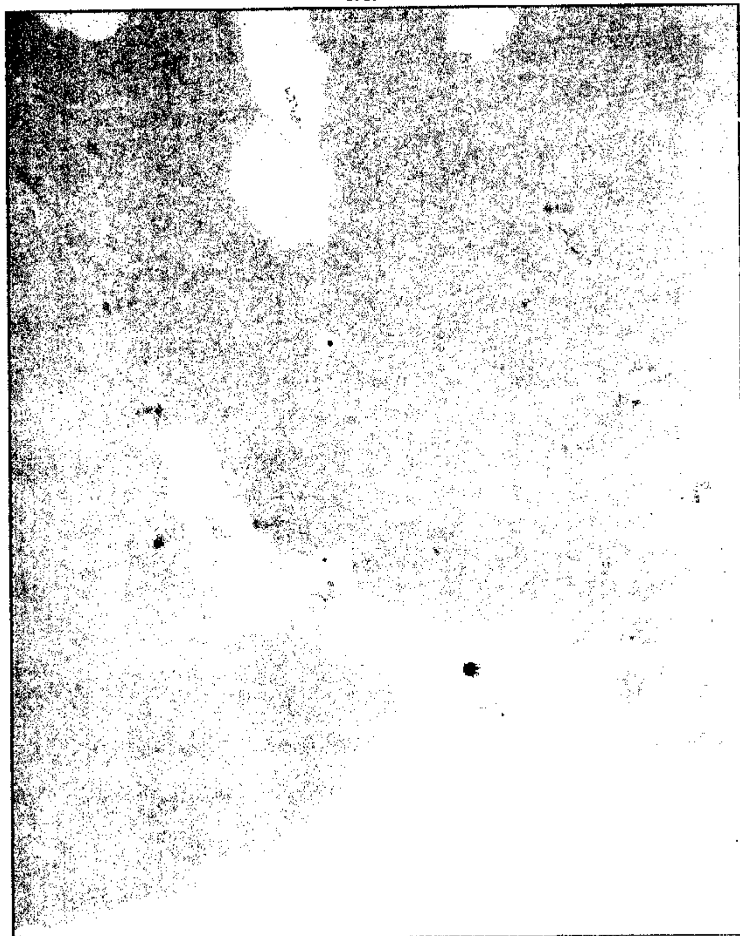
وگھیلا خاندان

دھاول	
ارنوراج	
لاونا پرشاد	
وردھ وال	
وشال دیو	1262ء-1244ء
ارجن دیو	1273ء-1262ء
سرنگ دیو	1297ء-1273ء
کرن	1302ء-1297ء
محمود غزنا	1030ء-998ء
پرتھوی راج چوہان	1192ء-1177ء
محمود غزنوی ہندوستان میں	1206ء-1178ء
علاؤالدین خلجی	1316ء-1296ء

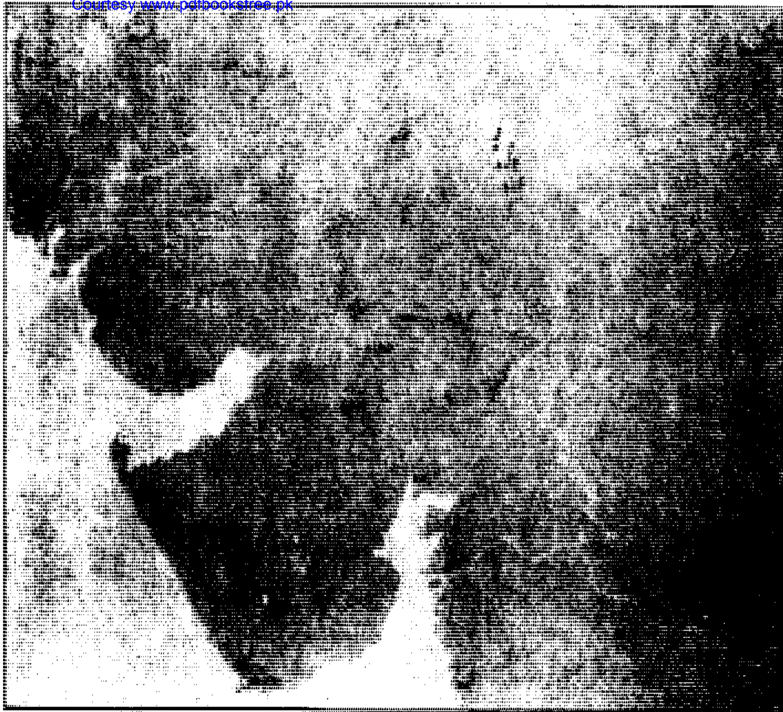


بیسویں صدی تک موجود سومناتھ مندر جو سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔

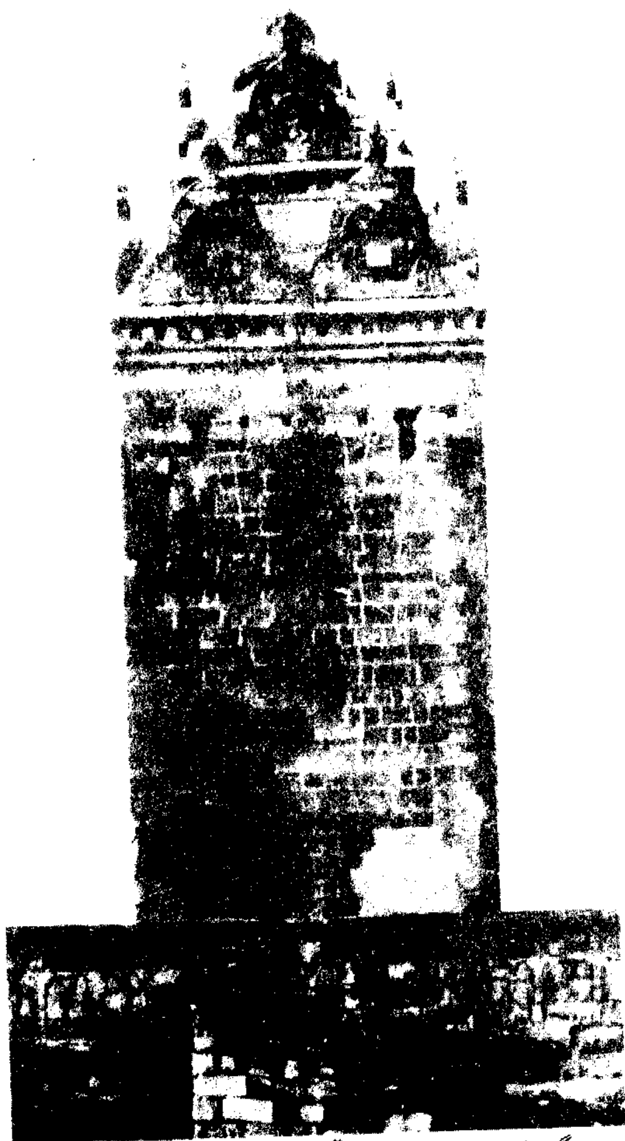
چولوکیا، وگھیلا، ارجن کا ورول کتبہ سال 1264ء



نقشہ ۱۔ پوربی ہندوستان اور پوربی ایشیا کے بعض مقامات اور دریائیں



شکل 2۔ گرے ایسکیپ کا منظر



گوپا کے مقام پر مندر۔ اس کی تعمیر کا سال چھٹی صدی بتایا گیا ہے۔



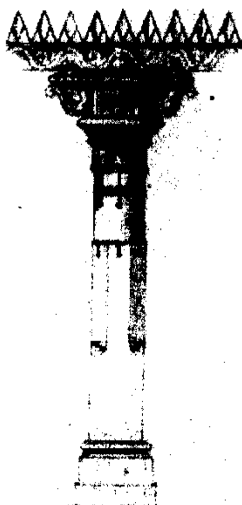
کوہ ابو میں مندر

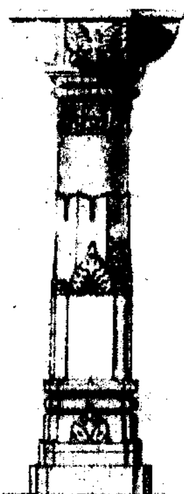


قلعہ رنتھمبور میں اکبر داخل ہو رہا ہے

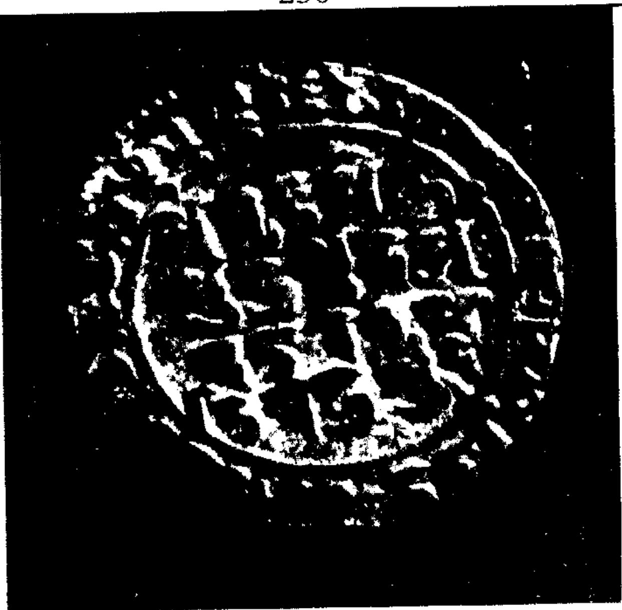


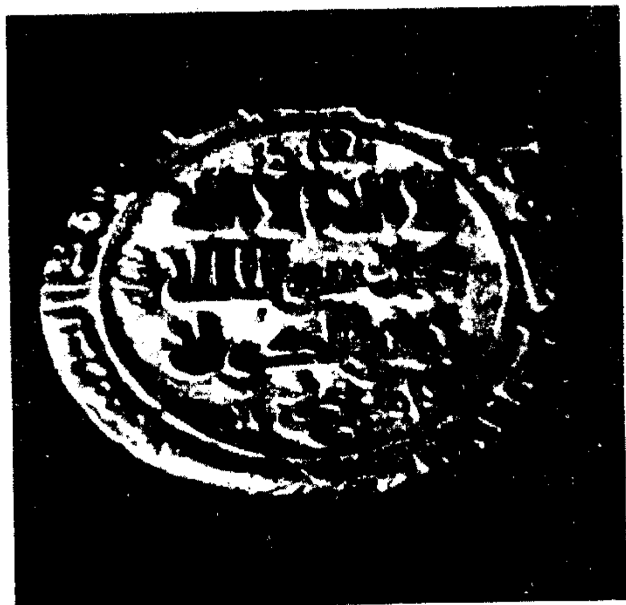






بائیں: بھدریشور مندر کے ستون۔ درمیان میں بھدریشور کی قدیم مسجد۔
دائیں: میں گھملی کا مندر۔ ان ستونوں کا ایک جیسا چہرہ ہے ان کو بنانے والا کوئی ایک ہی مستری تھا۔ مسجد اور مندروں کے ستونوں میں کوئی فرق نہیں ہے

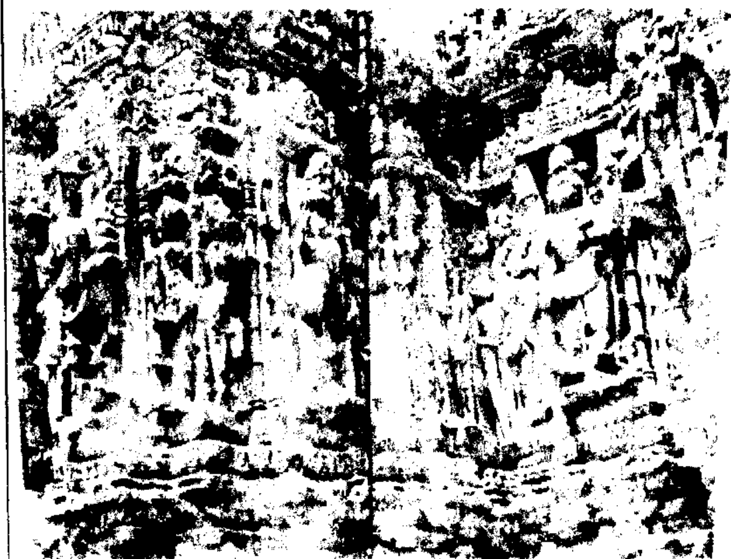




سلطان محمود غزنوی کے دو زبانوں میں بنے ہوئے سکے



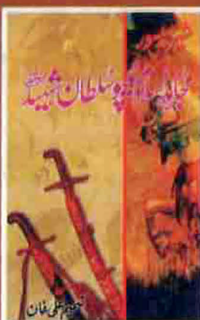
وہ مجسمہ جو حملوں کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا



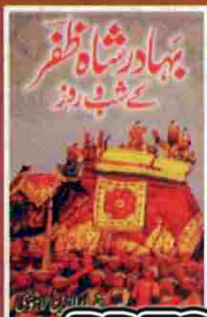
مندر کے جنوبی حصے کے مجسمے کو نقصان پہنچا ہے جس کا سبب سمندری لہروں کی بوچھاڑ تھی

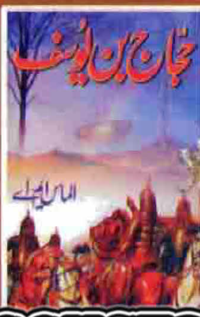
ادارے کی بہترین کُتب





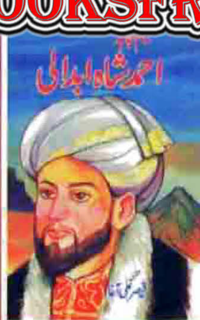


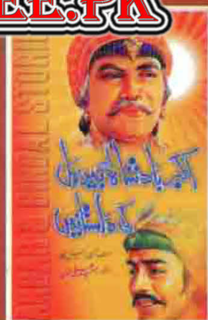












علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7352332-7232336

www.ilmoirfanpublishers.com, E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com